پندرہ روزہ
امام الاولیاء
سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نمبر
بیادگار
حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ
پشاور
الحسن
شاہ محمد غوث اکیڈمی
یکہ توت پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگارِ حضرت ابو البرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر پی ۳۶۹

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

مدیرِ اعلیٰ
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

منتظمِ اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۱۹۳-۲۰۰ جلد نمبر ۱۷

نومبر، دسمبر سنہ ۲۰۰۰ء، جنوری فروری ۲۰۰۱ء — شعبان — ذی القعدہ سنہ ۱۴۲۱ھ

مدیرِ اعلیٰ (فقیر) محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز قصہ خوانی بازار پشاور سے
طبع کرکے یکہ توت پشاور سے شائع کیا

امام الاولیاء

کرم اللہ وجہہ

سیدنا علی المرتضیٰ

نمبر

جناب **زید بن ارقم** رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے

متعلق ارشاد فرمایا:

مَنْ كُنْتُ وَلِيُّهٗ فَهٰذَا عَلِيٌّ وَلِيُّهٗ اَللّٰهُمَّ

وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ --- الخ

(خصائص الامام علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ)

ترجمہ: جس کا میں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ولی ہوں پس یہ علی (المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) بھی اس کا ولی ہے۔ اے میرے اللہ! جو اس کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھ اور جو اس کو دشمن رکھے تو بھی اس کو دشمن رکھ (الخ)

فہرست مضامین

ضروری نوٹ: اشاعت ہذا شمارہ نمبر ۱۹۳-۲۰۰ (نومبر، دسمبر ۲۰۰۰ء، جنوری، فروری ۲۰۰۱ء) آٹھ شماروں پر مشتمل ہے۔ انشاء اللہ آئندہ شمارہ نمبر ۲۰۱ مارچ ۲۰۰۱ء میں شائع ہوگا۔ (ادارہ)

شذرہ

حضور نبی کریم، شفیع المذنبین، رحمت للعالمین جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی درس گاہ علم و حکمت سے فیضیاب ہونے والے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بلا شک و شبہ اور بغیر کسی تردد کے آسمان رشد و ہدایت کے درخشندہ ستارے ہیں، ان کا عظیم الشان کردار انجمن ہستی کا عزّ و وقار اور ان کی سیرت طیبہ صبح حیات کی رونق و نکھار ہے۔

ان تمام صحابہ کرام میں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جو بلند مرتبہ و امتیازی مقام حاصل ہے وہ بے نظیر و بے مثال ہے۔ یہ نفوس مطہرہ و مقدسہ اپنی اپنی حیات طیبہ میں ہر ہر مرحلہ پر نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی جانب سے دعاؤں اور بشارتوں سے نوازے گئے، اسی لئے زندگی کے ہر شعبہ میں کامیابی و کامرانی ان کے قدم چومتی دکھائی دیتی ہے۔

اسلامی تاریخ کی زیب و زینت قرار پانے والے یہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عالم انسانیت کو اپنے اپنے ادوار میں اصلاح معاشرہ، فہم و فراست، انتظام مملکت اور سیاست و تدبر کے متعلق ایک ایسا عظیم اور بیش بہا سرمایہ فراہم کر گئے ہیں جو کہ ملت اسلامیہ کے لئے چودہ سو سال گذرنے کے باوجود بھی مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وہ نفیس ہستیاں ہیں جنہیں نیابت رسول ﷺ کا شرف مکرم و معظم عطا ہوا جو کہ نبوت کے بعد اسلام میں سب سے بڑا اور معزز درجہ و رتبہ ہے۔ اسی لئے امور دین میں خود نبی کریم ﷺ کے فرمان صریح کے مطابق ان خلفائے راشدین علیہم الرضوان کا قول و فعل حجت ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها و عضوا علیها بالنواجذ -- الخ (مشکوة المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، فصل ثانی، اصح المطابع دهلی، صفحه ۳۰)

ترجمہ: پس تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو پکڑ لو اور اسے نہایت مضبوطی سے تھام لو۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات کرام میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پوری پوری رہنمائی موجود ہے۔ ان کا عہد فتوحات اور اسلامی مملکت کی حدود میں وسعت اور خیر وبرکت کا زمانہ تھا۔ اسی طرح ان کی سنت مبارکہ میں پوری امت کے لئے درس عبرت موجود ہے کہ داخلی و خارجی معاملات اور امن و انتشار کے دور میں امام و خلیفہ اور حکمرانوں کو کیا کرنا چاہیے۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ادارہ "الحسن" نے توفیق الٰہی اور تائید نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے خلفائے راشدین کی سوانح پر مشتمل خصوصی نمبرز شائع کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، "امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نمبر" کی اشاعت پر مکمل ہو رہا ہے۔ قبل ازیں امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر، امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم اور امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سوانح پر مشتمل علیحدہ علیحدہ تحقیقی اور مبسوط نمبرز شائع ہو چکے ہیں[۱]۔ امید ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے آثار واحوال پر مشتمل "الحسن" کی خصوصی اشاعتیں قارئین کی معلومات میں اضافے میں ممد ومعاون ثابت ہوں گی۔

اس نمبر کی اشاعت میں جن حضرات نے قلمی معاونت کی فقیر ان سب کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہے۔ نیز یہ فقیر عزیزم غلام دستگیر (ایم اے) کا بھی مشکور ہے جنہوں نے اس نمبر کی کمپیوٹر کمپوزنگ اور اغلاط کی تصحیح کا کام نہایت ہی محنت اور احسن طریقہ سے سرانجام دیا۔

فجزاهم الله احسن الجزاء.

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ سے دعا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ادارہ "الحسن" کی اس کوشش وسعی کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول ومنظور فرمائے ---- آمین (مدیر اعلیٰ)

۱: دیگر خصوصی اشاعتوں کے علاوہ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی سیر مقدسہ پر خصوصی نمبرز شائع ہو کر قارئین سے زبردست پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔

تبرکاتِ غوثیہ

مرتبہ: سید نور الحسنین قادری گیلانی

بخاری شریف کی شرح بنام غوثیہ (فارسی) محدث کبیر، فقیہ اعظم، غواص بحر حقیقت و معرفت، علامہ اجل حضرت سید شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ پشاوری ثم لاہوری نے لکھی۔ اس کتاب میں ہر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے اسماء الرجال بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۹۰ جلد اول پر حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے اسماء الرجال کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

علی ابن ابی طالب ابن عبد المطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف ہے، ہاشمی مکی ہے، رسول اللہ ﷺ کے چچا کا بیٹا ہے اور اس کی والدہ فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم ابن عبد مناف ہے اور یہ سب سے پہلی ہاشمیہ ہیں کہ جس نے ہاشمی کو جنا، یہ مسلمان ہوئیں اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں فوت ہوئی، آنحضور ﷺ نے خود بنفس نفیس ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کی قبر میں اترے اور حضرت علی کی کنیت ابو الحسن ہے اور رسول خدا نے آپ کی کنیت ابو تراب رکھی اور ان کو آنحضرت ﷺ نے مواخات کے وقت اپنا بھائی بنایا اور فرمایا انت اخی فی الدنیا والاٰخرۃ تو دنیا اور آخرت میں میر ابھائی ہے اور یہ حضرت رسول خدا ﷺ کے داماد ہیں، سیدہ نساء العالمین کے خاوند ہیں اور سبطین کے والد ہیں اور یہ پہلے ہاشمی ہیں کہ جن سے ہاشمی تولد ہوئے اور بنی ہاشم سے یہ پہلے خلیفہ ہیں اور جنت کی بشارت پانے والے دس اصحاب سے ایک ہیں۔ سب سے پہلے مسلمان ہونے والوں میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ابو بکر صدیق ہیں اور صحیح یہ ہے کہ پہلے خدیجۃ الکبریٰ

اس کے بعد ابو بکر اور اس کے بعد علی ابن ابی طالب ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے ابو بکر ہے اور عورتوں میں خدیجۃ الکبریٰ اور لڑکوں میں علی ابن ابی طالب اور غلاموں میں بلال اور آزاد کردہ میں سے زید ابن حارثہ ہیں اور آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اپنے بعد جب کہ ہجرت کی تھی چند دن وہاں رہنے کا حکم دے کر اپنا نائب بنایا تاکہ آپ کے بعد آپ کی امانتیں لوگوں کو پہنچا کر ہجرت کر آئیں اور آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سوائے غزوہ تبوک کے تمام جہادوں میں شریک ہوئے، غزوہ تبوک میں آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں آپ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ آپ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ تو آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تو میرے لئے اس طرح ہو جیسا موسیٰ کے لئے ہارون تھا مگر یہ کہ میرے بعد کسی قسم کا کوئی پیغمبر نہیں اور حضرت علی کو اُحد کے دن سولہ (۱۶) زخم آئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن جھنڈا عطا فرمایا تھا اور خبر دی تھی کہ خیبر کو یہی فتح کرے گا اور آنحضرت ﷺ سے پانچ سو چھیاسی احادیث روایت کی ہیں اور بخاری نے ان سے انتیس حدیث روایت کی ہیں۔ آپ کی شجاعت اور علم مشہور ہے اور آپ کا زہد بھی کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ آپ کو چالیس ہزار دینار ملتے تو وہ بھی صدقہ کر دیتے اور آپ کی لُنگ ٹکڑیوں والی تھی جو کہ پانچ درہم پر لی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد چھ سو درہم نکلے اور وہ بھی اس لئے کہ گھر والوں کے لئے کوئی خادمہ رکھ لیں گے اور پانچ برس تک خلافت کی اور ۳۵ ہجری میں مسجد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آپ کی بیعت کی گئی، ابن مسیب نے کہا ہے کہ جس وقت حضرت عثمان کو شہید کیا گیا تو صحابہ حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں کہ آپ آنحضرت کے بھائی ہیں اور آپ اس قابل بھی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اہل بدر جس شخص سے راضی ہو جائیں تو وہی خلیفہ ہے مگر کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو آپ کی خدمت میں نہ آیا ہو، جب آپ نے لوگوں کی اس التجا کو دیکھا تو مسجد کی طرف تشریف لائے اور منبر نبوی پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت طلحہ نے بڑھ کر بیعت کی اور سب

نے بیعت کرلی اور امام نووی نے کہاہے کہ بہت آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی وفات کی رات، مہینہ اور سال معلوم ہوگیا تھا، جب آپ صبح نماز کے لئے باہر نکلے تو آپ کے آگے مرغ شور کرتے ہوئے آئے تو آپ نے فرمایا یہ مجھ پر نوحہ کررہے ہیں اور اہل سیر (تاریخ دانوں) نے کہاہے کہ مکہ مکرمہ میں تین اشخاص جن میں ایک عبدالرحمن ابن ملجم حمیری تھا، نے مشورہ کہ کہ حضرت علی، معاویہ اور عمرو بن العاص کو قتل کریں، پس عبدالرحمن ابن ملجم نے کہاکہ میں علی ابن ابی طالب کو اور دوسرے دو اشخاص نے دوسرے صحابہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا کہ رمضان کی سترہویں رات کو بیک وقت یہ کام کریں گے، پس ہر ایک اپنے کام کو پورا کرنے کے لئے روانہ ہوگیا، پس ابن ملجم نے زہر آلود تلوار سے آپ کی پیشانی پر وار کیا، یہ وار اتنا کاری تھا کہ دماغ مبارک تک پہنچ گیا، یہ جمعہ کی رات تھی۔ ۴۰ھ ۱۹ رمضان اتوار کی رات وفات پائی، امام حسن، امام حسین اور عبداللہ ابن جعفر نے غسل دیا اور روایت میں آیا ہے کہ جس وقت ابن ملجم نے وار کیا تو آپ نے فرمایا فزت و رب الکعبہ اور وصیت خود لکھی، جب وصیت سے فارغ ہوئے تو فرمایا السلام و علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ اس کے بعد کوئی بات نہیں کی مگر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ آپ کی زبان مبارک پر مرتے دم تک جاری تھا، صبح کے وقت دفن ہوئے، امام حسن نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے پاس آنحضرت ﷺ کی حنوط میں سے کچھ حنوط تھی، آپ نے وصیت کی تھی کہ اس حنوط کو لگایا جائے، اصح قول کے مطابق اس وقت آپ کی عمر ۶۳ برس تھی اور بعض کے قول کے مطابق ۶۳ برس تھی رضی اللہ عنہ، گندم رنگ یعنی سفید مائل بہ سرخی، میانہ قد، قریب بہ قصر، داڑھی مبارک اور سر سفید تھا، گھنی داڑھی تھی اور بہت خوش شکل تھے، ہنس مکھ اور اصح قول کے مطابق کوفہ میں دفن ہوئے،

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

منقبت

استاذ الشعراء شمس الدین المعروف بہ حافظ شیرازی

ایدل غلام شاہ جہاں باش و شاہ باش
پیوستہ در حمایت لطف الہ باش
از خارجی ہزار بیک جو نمی خرند
گو کوہ تا بکوہ منافق سپاہ باش
چوں احمدم شفیع بود روز رستخیز
گو ایں تن بلا کش من پُر گناہ باش
آنرا کہ دوستی علی نیست کافرست
گو زاہد زمانہ و گو شیخ راہ باش
امروز زندہ ام بولائے تو یا علی
فردا بروح پاک اماماں گواہ باش
قبر امام ہشتم سلطاں دیں رضا
از جاں ببوس و بر در آں بارگاہ باش
دستت نمیرسد کہ بچینی گلے ز شاخ
باری بپائے گلبن ایشان گیاہ باش
مرد خدا کہ جامہ تقویٰ طلب کند
خواہی سفید جامہ و خواہی سیاہ باش
حافظ طریق بندگی شاہ پیشہ کن
واں گاہ در طریق چو مردان راہ باش

ارشاداتِ مہریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

مرتبہ: سید یاسر بخاری

تاجدار گولڑہ فاضل اجل، محدث جلیل اعلیٰ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہ نے اپنی ظاہری زندگی کے آخری ایام مبارکہ میں اپنے قلمِ گوہر بار سے ایک کتاب "تصفیہ مابین سنی و شیعہ" تصنیف فرمائی جو کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف لطیف ہے۔ اس تصنیف مبارکہ میں آنجناب نے اہل سنت و جماعت کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ساتھ اہل بیت عظام علیہم السلام دونوں سے قلبی عقیدت و محبت رکھنے کی تلقین کی ہے .اور مخالفین کے اعتراضات و نظریات کا مسکت و مدلل جواب دے کر مسلک اہل سنت و جماعت کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ آپ اس کتاب کی تصنیف کی وجوہات میں تحریر فرماتے ہیں

"تخالف مذہبی مابین سنی و شیعہ کوئی نیا اختلاف نہیں جسے رفع کرنے کے لئے طالبان حق موجودہ زمانہ کے علماء سے التجا کریں۔ اس سے قبل سلف صالحین علیہم الرضوان حسب تدبیر الٰہیہ وقتاً فوقتاً اہل بیت کرام سے محبت رکھنے کے وجوب اور خلافت خلفائے اربعہ کی حقانیت کے اہم موضوع پر نہایت شائستہ انداز میں اظہار خیال فرماتے چلے آئے ہیں البتہ حال ہی میں اس تخالف میں ایک نئے رجحان کا اضافہ ہوا ہے اور یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ اہل سنت والجماعت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اہل بیت کرام کے ساتھ بغض اور بنی امیہ کے ساتھ محبت رکھے۔ حالانکہ اہل سنت کبھی بھی اس شقاوت میں ملوث نہیں ہوئے اور ان کے عقائد میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے دوستی و مودّت مدار ایمان اور فرض مانی گئی ہے۔ اس نئے رجحان کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے علماء کرام نے بمقابلہ اہل تشیع اپنے مواعظ و نصائح کی مجالس میں صرف دفع ملاعن و مطاعن کی

طرف ہی رخ کیا اور اہل بیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی طرف کم توجہ فرمائی"

لہٰذا آپ کی تصنیف مبارکہ کے چند اقتباسات اور دیگر ملفوظات جو کہ "مہر منیر" مؤلفہ مولانا فیض احمد فیض، میں نقل کیے گئے ہیں۔ ان کا کچھ انتخاب قارئین کے ذوق و شوق کے لئے تبرکاً نقل کیا جا رہا ہے۔

خلفائے راشدین کی خلافت کی ترتیب کا لطیف استخراج:

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار ---الخ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلفائے اربعہ علیہم الرضوان کی ترتیب خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے۔ چنانچہ والذین معہ سے خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشدآء علی الکفار سے حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رحماء بینھم سے حضرت خلیفہ ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تراھم رکعاً سجدا -- الیٰ آخرہ سے حضرت خلیفہ رابع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صفات مخصوصہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ معیت اور صحبت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کفار پر شدت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حلم و کرم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبادت و اخلاص میں حضرت مولائے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خصوصی شان رکھتے تھے۔

آیت مودّت:

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ

ترجمہ: کہہ دیجئے میں تم سے اس امر پر کوئی اجر نہیں مانگتا لیکن دوستی اہل قرابت کی۔

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے مدلل طور پر بیان فرمایا ہے کہ اس آیہ کریمہ کا مصداق آل عبا علیہ السلام ہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ یہ آیت مکی ہے جب حسنین علیہ السلام کی

ولادت بھی نہیں ہوئی تھی حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں "یہ ضروری امر نہیں کہ بروقت نزول آیت محکوم علیہ کے کل افراد موجود ہوں اور نہ یہ کہ اس وقت کے موجودہ افراد میں ہی وہ حکم محصور ہو" اپنے اس نظریہ کے ثبوت میں حضرت علیہ السلام نے کئی مثالیں آیات قرآنی کی بیان فرمائی ہیں اور نتیجہ اخذ فرمایا ہے کہ آیت کا نزول اگرچہ مکہ ہی میں ہوا ہو مگر چونکہ قربیٰ اور قرابت باآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معنی آل عبا علیہ السلام ہیں اس لئے ان حضرات علیہم السلام کا مراد ہونا اس آیت میں بطریق اولیٰ ہوگا۔

حضرت مولیٰ علی علیہ السلام کا انبیاء کرام سے تعلق :ایک روز تمثیل کے پیرایہ میں فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقلیم نبوت کے شہنشاہ ہیں اور دیگر انبیاء علیہم السلام نبوت تامہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ذمہ دار اور جولبدہ ہیں اور ان کی مثال بادشاہوں کی ہے۔ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا تعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گویا وزیر دربار اور میر منشی کا ہے اور اگرچہ بادشاہ مرتبہ میں وزیر اور میر منشی سے فوقیت رکھتے ہیں لیکن چونکہ شہنشاہ کے ساتھ ان کے رابطہ میں وزیر دربار کا واسطہ رہتا ہے لہٰذا بادشاہوں کو بھی اس کی ذات کے ساتھ خاص رابطہ اور تعلق رکھنا پڑتا ہے اور ان کے دلوں میں اس کے لئے ایک امتیازی وقعت اور توقیر پیدا ہو جاتی ہے۔

حدیث :"انا مدینة العلم و علی بابها":

ترمذی کی حدیث شریف انا مدینة العلم و علی بابها (میں علم کا شہر ہوں اور علی علیہ السلام اس کا دروازہ ہیں) پر شیخ ابن تیمیہ نے "منہاج السنۃ" میں اعتراض کیا ہے کہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور واقعات کی رو سے بھی نفس مضمون صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم نبوت کا صرف ایک دروازہ حضرت علی علیہ السلام ہوں جن سے صرف کوفیوں نے قلیل مدت کے لئے علم

حاصل کیا اور باقی بلاد اسلامیہ میں علم اوروں سے پہنچا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں علم سے مراد علم خاص یعنی علم اسرار مراد ہے۔ اس حدیث پاک کی تصحیح اور ابن تیمیہ کی تردید میں آپ کے دلائل اڑتیس صفحات پر قلمبند ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں خلفائے ثلاثہ اور کبار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا رجوع اور مدار ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام کے فتاویٰ پر تھا۔ چنانچہ خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے اقوال "لو لا علی لهلك عمر" (اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاکت میں پڑتا) اور "لا لقیت لمعضلة لیس لها ابو الحسن" (خدا مجھے اس مشکل سے دوچار نہ کرے جس کے حل کے لئے ابوالحسن موجود نہ ہوں) اور لا یفتین احد فی المسجد و علی حاضر (مسجد میں علی رضی اللہ عنہ موجود ہوں تو کوئی اور شخص فتویٰ نہ دے) اس امر پر شاہد ہیں۔

حضرت سلمان وابوذر ومقداد وعمار وعبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور شیخ ابن تیمیہ خود بحوالہ ""اتقان" علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ علم تفسیر میں اہل مکہ میں اعلم الناس ہیں کیونکہ وہ عبداللہ بن عباس کے اصحاب ہیں۔ ملک شام میں علم بقول "تذکرۃ الحفاظ" (علامہ ذہبی) ابو درداء سے شائع ہوا جو عبداللہ بن مسعود کے شاگرد ہیں۔ ابو درداء کا قول ہے کہ عالم تین ہیں۔ ایک شام میں یعنی میں خود، دوسرا کوفے میں یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور تیسرا مدینہ میں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ شامی عند الحاجت کوفی سے پوچھتا ہے اور کوفی مدنی سے اور مدنی (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کسی سے نہیں پوچھتا۔

پھر حضرات ائمہ اہلبیت حسنین وسجاد وباقر وجعفر وکاظم (علیہم السلام) کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علوم نے دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جسے سرفراز نہ فرمایا ہو۔ اگر صرف حضرات امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بن انس مدنی کے حلقہ تدریس کو شمار میں لایا جائے تو اہل سنت کے کسی مجتہد، محدث، مفسر اور مبلغ کا نام نہیں ہوگا جو اس صف میں شامل نہ ہو اور یہ دونوں حضرات حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کا دوسرا سلسلہ حضرت حماد

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے جو براہ راست حضرت علی علیہ السلام کے تلمیذ تھے۔ اہل سنت کے علاوہ امامیہ، اشاعرہ، ماتریدیہ اور معتزلہ سے کون ہے جو علوم علی علیہ السلام سے مستفید ہونے کا مدعی نہ ہو۔

اس حدیث پاک کی صحت پر بہت سے حوالہ جات کا شمار فرماتے ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت یحییٰ بن معین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہے جنہیں شیخ ابن تیمیہ نے اپنی اسی کتاب "منہاج السنۃ" میں اعاظم محققین اصحاب رجال اور روایات کی جرح و تعدیل میں از روئے صداقت ودیانت وامانت ومہارت اعظم الناس میں شمار کیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے شہر علم کے اکیلے دروازے پر خبر واحد کی غیر یقینی حیثیت کا جو اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ باتفاق مسلمین یہ ضروری اور واجب سمجھا گیا ہے کہ ایک ہی شخص کا تبلیغ علم میں ذریعہ ہونا صحیح نہیں اور چاہئے کہ یہ دروازہ مسدود اور بند رہے اس کے جواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خبر واحد کے معتبر ہونے ہونے کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں اور کہا ہے کہ "ابن تیمیہ کی یہی دلیل معاذ اللہ انکار نبوت پر بھی قائم ہو سکتی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ خداوند عالم کے علم کو ہر زمانہ میں صرف ایک شخص اس طریق پر نہیں پہنچا سکتا کہ لوگوں کو علم یقینی حاصل ہو۔ لہٰذا ہر زمانہ میں انبیاء کا متعدد ہونا ضروری ہے ورنہ چاہئے کہ دین الٰہی مسدود اور بند رہے لہٰذا معاذ اللہ اکیلے نبی کی نبوت باطل ہے۔

لفظ مولیٰ کی تشریح:

کیست مولائے علی مولائے کل ہکذا قد قالہ خیر الرسل

یہ شعر حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ (جس کا میں مولیٰ ہوں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کا مولیٰ ہے۔ الٰہی جو اس سے محبت رکھے تو بھی اس سے

محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ) کا ترجمہ ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں ایک بار حضرت نے فرمایا تھا کہ اس کا آخری جملہ لفظ مولیٰ کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ مولیٰ مشترک ہے اور کئی معنی رکھتا ہے۔ مشترک کے مختلف معانی کے تعین کے لئے قرینہ کا لحاظ ضروری ہے۔ اس لئے اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ کے قرینہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ مولیٰ کے معنی خلاف معادی (عدو) کے ہیں یعنی محبوب پس معلوم ہوا کہ مولائے علی محبوب کل ہیں۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں لا یحبہ الا مؤمن و لا یبغضہ الا منافق (حضرت علی سے محبت نہیں رکھے گا مگر مؤمن اور بغض نہیں رکھے گا مگر منافق) لیکن ہمارے برادران طریقت مولیٰ کے معنی وہ لیتے ہیں جو پنجابی زبان میں مفہوم ہیں یعنی سردار۔ گویا حضرت علی تمام اصحاب و خلفاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سردار ہیں۔ یہ معنی محض خوش فہمی پر مبنی ہیں اس میں شک نہیں کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو حضرت علی کے ساتھ بے حد محبت تھی جو محویت اور درجہ انہماک تک پہنچی ہوئی تھی مگر آپ کا کمال یہ تھا کہ غلبہ عشق و محبت کے باوجود شرع شریف کے لحاظ و اتباع کامل کو ہاتھ سے کبھی جانے نہیں دیا۔

بر کفے جام شریعت ، بر کفے سندان عشق   ہر ہوسناکے نداند۔ جام و سندان باختن

ایک ضروری تنبیہ :

کتاب کے آخر میں حضرت "تنبیہ ضروری" کے عنوان سے فرماتے ہیں

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا اھل الکتب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق و لا تتبعوا اھوآء قوم قد ضلوا من قبل و اضلوا کثیر و ضلوا عن سواء السبیل (اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی تابعداری نہ کرو جو پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو

گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے) اللہ تعالیٰ کو اعتدال اور میانہ روی ہر کام میں پسند ہے اور یہی ہے صراط مستقیم جس کی درخواست کے لئے ہم مامور ہیں اور غلو اور تجاوز چاہے دین میں ہی ہو موجب ضلالت اور غضب الٰہی ہے۔ بسا امور ایسے ہیں کی فی ذاتہ صحیح بلکہ کمال ایمان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں لیکن ایک بد طینت اور فاسد الرائے انسان انہی امور صحیحہ سے بوجہ غلو اور حد بڑھ جانے کے نتائج فاسدہ اخذ کر لیتا ہے۔ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ ایسے نتائج کو شیاطین معنویہ کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں مثلاً حب اہل بیت بشہادت قرآن وحدیث اور قرار داد اہل اللہ موجب کمال ایمان سمجھا گیا ہے مگر اس صحیح میں غلو کرنے والے دو فرقے ہوئے۔ ایک فریق نے تو بغض اور سبِ صحابہ کرام کا راستہ لے لیا اس وجہ سے کہ بخیال ان کے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے اہل بیت کا منصب اور حق غصب کر لیا۔ دوسرا فریق معاذ اللہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل تک کے خلاف گستاخ ہوئے بدیں خیال کہ رتبہ اہل بیت اور تقدم علی الصحابہ پر نص صحیح کیوں نہیں وارد ہوئی؟۔ یہ سب نتائج فاسدہ اسی صحیح امر (حب اہل بیت) میں غلو کے ہیں۔ ایسا ہی حب عباد اللہ الصالحین اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے لیکن اس میں بھی تجاوز کیا جائے جیسے ان صلحاء کو معبود بنا لیا جائے، ان کے متصرف مستقل سمجھا جاوے یا شریک فی التصرف اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ بغیر ان کی شرکت کے انتظام عالم نہیں کر سکتا تو یہ حب موجب شرک ہو جائیگی اور وہی محبت مشرک نا قابل مغفرت ہو جائے گا۔ لہٰذا انسان کو کبھی اعتدال کا صحیح راستہ نہیں چھوڑنا چاہئے۔ حب اہل بیت وحب عباد اللہ الصالحین صاحب اعتدال کے لئے نہایت مفید اور موجب کمال ہیں مگر ان میں افراط و تفریط اور غلو کرنے والے گمراہی اور ضلالت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

منقبت

زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین عارف باللہ شاہ نیاز احمد چشتی نظامی قدس سرہ

زہے عز و جلال بوترابے فخر انسانی
علی مرتضٰی مشکل کشائے شیر یزدانی

ولی حق، وصی مصطفٰی، دریائے فیضانی
امام دو جہانی قبلہ دینی و ایمانی

امیر کشور فقری شہ اقلیم عرفانی
خدا گوئی، خدا بینی، خدا دانی، خدا شانی

انیس محفل انسی، جلیس مجلس قدسی
سرور جان خاصانی نشاط روح پاکانی

مہ ظلمت کشائی مشعل تاریکی عالم
سراپا جلوہ نوری، تمامی مہر تابانی

براہ حق نمائی ناتمامی کار دانش را
ہنا شد جز ہدائے او کسی دیگر ہدے خوانی

پیغمبر برسر منبر نشست و خواند مولائش
کہ تا مولائیش را باشد اندر خلق برہانی

عجب نبود بہار بے خزاں باغ محباں را
کہ می بارد برو ہر لحظہ ابر فیض احسانی

نیاز اندر قیامت بے سر و سامان نخواہی شد
کہ از حب و تولای علی داری تو سامانی

امام الاولیاء کرم اللہ وجہہ الکریم

ولادت تا شہادت

سید محمد انور شاہ قادری

لائبریرین گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول نمبر ۱، پشاور شہر

علم کی عظمت، فضیلت، اہمیت اور افادیت ہر دور میں تسلیم کی گئی ہے۔ اس کی بدولت ظہور پذیر ہونے والے سائنسی کمالات دیکھ کر انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ علم ایک لازوال دولت ہے جو خرچ کرنے سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ نیز علم ایک ایسی کسوٹی ہے جو نیکی و بدی اور خیر و شر میں تمیز سکھاتی ہے۔ علاوہ ازیں علم ایک ایسی نورانی شمع ہے جو جہالت و ضلالت کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے اور انہیں ذلت و گمراہی کی پستیوں سے نکال کر ہدایت اور صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیتی ہے۔

لہٰذا بنی نوع انسان کے لئے عموماً اور خصوصاً ملتِ اسلامیہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اشد ضروری ہے کہ وہ اپنی اس اہم ضرورت کو کماحقہ پورا کرنے کے لئے بابِ مدینۃ العلم پر دستک دے اور اس کے سوا اس کے لئے کوئی چارہ کار نہیں کیونکہ معلم کائنات، رہبر انسانیت، سید الصادقین، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انا مدینۃ العلم و علی بابھا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے)۔

چنانچہ امام الاولیاء، سند الاتقیاء، شیر خدا، حیدرِ کرار، سید العرب، مولائے کائنات، عم زادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، زوجِ بتول امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی سیرتِ طیبہ کا باب کھولتے ہیں جس کا مطالعہ سستی و کاہلی کو توانائی بخشنے، عقل و فکر کی خشک و بنجر زمین کو سرسبز و شاداب بنانے، قلوب کی زنگ آلودگی کو دور کر کے شفاف آئینہ میں تبدیل کرنے اور زہد و

ریاضت کو معرفت میں بدلنے کا تیر بہدف نسخہ ہے۔

ولادت اور خاندان: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۱۳ رجب ۳۰ ہجری عام الفیل چھٹی صدی عیسوی میں بیت اللہ شریف میں پیدا ہوئے[۱]۔ والدہ محترمہ حضرت فاطمہ نے اسد نام پسند فرمایا والد ماجد حضرت ابو طالب نے ان کا نام زید رکھا لیکن پیارے محبوب شفیع المذنبین رحمت للعالمین نے اپنے اس چچازاد بھائی کا نام نامی واسم گرامی "علی" تجویز فرمایا[۲]۔ اور بڑے ہو کر آپ اسی مبارک نام سے مشہور ہوئے۔

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

"جب میرا بچہ علی پیدا ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اس کا نام علی رکھا اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور اپنی زبان مبارک اس مولود مسعود کے چوسنے کے لئے اس کے منہ میں ڈالی جسے یہ بچہ چوستا رہا یہاں تک کہ سو گیا"[۳]۔

سبحان اللہ جس کی ولادت بیت اللہ شریف میں ہو اور پہلی غذا سیدِ کائنات ﷺ کا لعاب دہن گھٹی کے طور پر میسر آئے تو اس کی شانِ عظمت و فضیلت، علم و فراست، اخلاق و کردار اور فیوض و برکات کا اندارہ کون کر سکتا ہے؟

بچپن: حضرت علی رضی اللہ عنہ بچپن سے ہی حد درجہ متین، سنجیدہ، حیادار، کم گو، ہمدرد، طاقتور اور ذہین تھے۔ جب کبھی کمزور بچے پر کسی طاقتور بچے کو ظلم کرتے دیکھتے تو کمزور کے معین و مددگار ہوتے اور ظالم سے لڑتے تھے۔ آپ کی اس ہمدردی و انصاف پسندی کا اس قدر ہم جولیوں پر اثر پڑ چکا تھا کہ جب کبھی ان میں لڑائی ہوتی تو وہ فیصلہ کے لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے اور آپ کے فیصلہ کو بلاچوں وچرا تسلیم کر لیتے۔ بت پرستی سے فطرتاً نفرت تھی اور

۱۔ : مولانا کوثر نیازی، اسلام ہمارا دین، فیروز سنز لاہور ۱۹۷۳ء صفحہ ۳۱۸۔ عالم اسلام کے نامور علماء و فضلاء محدث حاکم، المسعودی اور حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی کتابوں میں آپ کی ولادت بیت اللہ شریف میں ہونے کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ : پیام شاہجہانپوری، علی اور ان کی خلافت، اشاعت منزل لاہور ۱۹۵۷ء صفحہ ۲۳۔

۳۔ : پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۴۱۵ھ جلد ۲ صفحہ ۲۳۰۔

آپ نے کبھی کسی بت کے آگے سر نہیں جھکایا۔ا؎

آغوش رسالت ﷺ میں : سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے لئے بارگاہ رب العالمین جل جلالہ سے ولایت کا جو اعلیٰ ترین مقام و منصب مختص ہو چکا تھا اس پر فائز ہونے کے لئے آپ کا بچپن ہی میں رحمت للعالمین ﷺ کی آغوش میں تعلیم و تربیت پانا اور معلم کائنات ﷺ کے فیضان نظر سے خصوصی طور پر مستفیض ہونا ضروری تھا تا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان خصوصی انعامات اور خیر و برکت کا استحقاق حاصل کر لیں جو آپ کا مقدر تھا۔

چنانچہ ان فیوض و برکات کے حصول کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ مکہ میں خوفناک قحط پڑا جس کے باعث قریش سخت تنگی کی مصیبت سے دوچار ہو گئے۔ حضرت ابو طالب جو کثیر العیال تھے وہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان دنوں حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاشی حالات کافی بہتر تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کو اپنے چچا ابو طالب اور ان کے گھر والوں سے بے پناہ محبت تھی جنہوں نے آپ ﷺ کی پرورش کے دوران ہمیشہ اپنے بچوں پر حضور ﷺ کو ترجیح دی تھی تو حضور پاک ﷺ سے حضرت ابو طالب کی یہ تکلیف دیکھی نہ جا سکی اور اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اس مصیبت کے وقت ہمیں ابو طالب کا ہاتھ بٹانا چاہئے، ان کا ایک بیٹا میں لے لیتا ہوں اور ایک آپ لے لیں، وہ مان گئے۔

پھر آپ ﷺ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب ابو طالب کے پاس تشریف لائے اور اپنی آمد کا مقصد بتایا ———— حضرت ابو طالب کے چار بیٹے تھے طالب، عقیل، جعفر اور علی۔ سب ایک دوسرے سے دس دس سال چھوٹے تھے۔ حضرت ابو طالب کہنے لگے طالب اور عقیل کو میرے پاس چھوڑ دیں اور باقی بچوں کے بارے میں جو آپ لوگوں کی مرضی ہو کریں تو حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کو جو سب سے کم سن تھے رحمت عالم ﷺ نے اپنی کفالت میں لے لیا اور جعفر کو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے گئے اس طرح اللہ تعالیٰ

ا؎ : پیام شاہجہانپوری، صفحہ ۲۶۔

نے حضرت علی ؓ کو اعلان نبوت سے پہلے ہی آغوش نبوت میں پہنچا دیا تاکہ یہ قطرہ، صدف احمدی ﷺ میں پرورش پاکر دُرِّ شہوار بنے اور اپنے علمی و روحانی انوار ساطعہ سے تا قیامت اکناف عالم کو منور اور روشن کرتا رہے ا۔

سبقت اسلام : آقائے نامدار ﷺ پر چالیس برس کی عمر میں بمقام غار حرا جب پہلی وحی الٰہی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے گھر واپس آکر حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ سے ذکر فرمایا تو وہ فوراً آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے آپ ﷺ کے دست اقدس پر نبوت کی تصدیق فرمائی۔ اس کی تصدیق درج ذیل حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جو حضرت زید بن ارقم ؓ سے روایت ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ ۲۔

قال اول من اسلم مع رسول اللہ ﷺ علی بن ابی طالب ۳۔

ترجمہ : حضرت زید بن ارقم ؓ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جس نے سب سے پہلے پیغمبر اسلام ﷺ کے سامنے کلمہ توحید پڑھا وہ علی بن ابی طالب (ؓ) تھے۔

عصر حاضر میں مدینہ منورہ کے ایک جلیل القدر شیخ الحدیث حضرت ابو منصور احمد میرین البلوشی اس حدیث شریف کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ حدیث صحیح ہے، اسے ابن سعد نے "طبقات" میں ابوبکر بن ابی شیبہ نے، "تاریخ" میں احمد بن حنبل نے، "مسند" میں ترمذی نے "جامع" میں ابن ابی عاصم نے "الاحاد والمثانی" میں ابن جریر نے "تاریخ طبری" میں حاکم نے "مستدرک" میں ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" میں اور ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں نقل کیا

۱۔ : پیر محمد کرم شاہ الازہری، محولہ بالا، جلد ۲ صفحہ ۲۲۹-۲۳۰۔

۲۔ : ابوالحسن علی ندوی، المرتضیٰ، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۸ء صفحہ ۳۶۔

۳۔ : امام نسائی، خصائص امیر المومنین علی ابن ابی طالب، اردو ترجمہ انوار علی از سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی، شاہ محمد غوث اکیڈیمی یکہ توت پشاور ۱۹۹۳ء صفحہ ۲)

ہے "۱۔ بعض روایات میں امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بھی آتا ہے کہ پہلے ایمان لانے والے وہ ہیں۔ ان مختلف روایات میں تطبیق دیتے ہوئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانے والی ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پختہ کار اور پختہ عمر لوگوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور کم عمر والوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے"۔۲

عصر حاضر کے ایک نامور عالم دین اور سکالر حضرت علامہ ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس تطبیق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان روایات میں ثابت شدہ اور راجح روایت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے بعد حضرت علی پہلے ایمان لانے والے ہیں"۔۳

یہی ابو الحسن علی ندوی مزید لکھتے ہیں کہ:

"تمام قرائن یہی بتاتے ہی اور یہی بات فطرت انسانی اور تجربہ و مشاہدہ کے مطابق ہے اسی لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ کی آغوش تربیت میں آنکھ کھولی اور آپ ﷺ ہی کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھے۔ یہ ایک قدرتی بات تھی کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائیں"۔۴

ایک دوسرے بہت بڑے دانشور، اسلامی سکالر اور سابق وفاقی وزیر مذہبی امور پاکستان مولانا کوثر نیازی مرحوم ایک منفرد اور اچھوتے انداز سے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں "میں کہتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے مسلمان تھا۔ مسلمان ہونے کا سوال تو اس

۱۔: احمد میرین البلوشی، تحقیق و تخریج خصائص امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب از امام نسائی مکتبہ المعلا الکویت ۱۹۸۶ء صفحہ ۲۲۔

۲۔: ابو الحسن علی ندوی، محولہ بالا صفحہ ۵۲۔

۳۔: ایضاً صفحہ ۵۱۔

۴۔: ایضاً صفحہ ۵۲۔

کے لئے پیدا ہوتا ہے جو پہلے کسی اور مذہب پر ہو"۱۔

سبقت نماز: جس طرح کلمہ طیبہ پڑھنے میں امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو سبقت حاصل ہے اسی طرح اسلام کے دوسرے رکن نماز کی ادائیگی میں بھی اولیت کا شرف آپ رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے جس کی شہادت ذیل کی روایت سے ملتی ہے۔

عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ قال اول من صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ۲۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی وہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ تھے۔

شیخ الحدیث احمد میرین البلوشی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ نیز اس روایت کی تخریج ابن سعد نے اپنی کتاب "طبقات الکبریٰ" میں ابن ابی شیبہ نے "مصنف" میں، امام احمد بن حنبل نے "مسند" میں، ابن قتیبہ نے "المعرف" میں، ابن ابی عاصم نے "الاحاد و الشانی" میں، بغوی نے "معجم الصحابہ" میں، خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں خوارزمی نے "المناقب" میں اور ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" میں کی ہے"۳۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی وہ علی المرتضی رضی اللہ عنہ تھے اور اس وقت ان کی عمر دس سال تھی ۴۔ سب سے پہلے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے کا ذکر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی آیا ہے"۵۔

الغرض امیر المومنین سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو ہر وقت خلوت و جلوت میں پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔: مولا علی، تقاریر مولانا کوثر نیازی، محمدی ٹرسٹ کراچی ۱۹۹۵ء صفحہ ۲۷

۲۔: امام نسائی، محولہ بالا صفحہ ۲۔

۳۔: احمد میرین البلوشی، محولہ بالا صفحہ ۲۱۔

۴۔: ابو الحسن علی ندوی، محولہ بالا صفحہ ۵۲۔

۵۔: امام ابو عیسیٰ، جامع ترمذی مع اردو ترجمہ فرید بک سٹال لاہور ۱۹۸۴ء جلد ۲ صفحہ ۷۱۷۔

کی رفاقت و معیت حاصل رہی اور معلم کائنات ﷺ کے علوم و معارف سے اکتساب فیض کا شرف حاصل کرتے رہے اور یوں آپ ﷺ کی محبت، متابعت اور فرماں برداری میں شب و روز بسر کرتے ہوئے شیر خدا نے عالم شباب میں قدم رکھا اور حق و صداقت کی جستجو میں مکہ مکرمہ آنے والوں کی رہنمائی کرتے ہوئے انہیں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پہنچانے لگے۔ ۱؎

اس ضمن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ ایمان لانے کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لائے یہاں ان کی جان پہچان نہ تھی اور ہر کسی سے حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے حرم شریف میں ڈیرے ڈال دیئے، بیت اللہ شریف میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نظر ان پر پڑ گئی اور ان کی قلبی کیفیت کا اندازہ لگا لیا، قریب گئے اور ان سے مکہ مکرمہ آنے کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے، اگر آپ میرا راز فاش نہ کریں اور میری رہنمائی کا وعدہ کریں تو عرض کئے دیتا ہوں۔ آپ نے وعدہ کر لیا تو انہوں نے اپنی آمد کا مدعا بیان کیا۔ امام الاولیاء رضی اللہ عنہ انہیں لے کر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے ۲؎

ایک بہت بڑا اعزاز: مکی زندگی میں حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دن موقع پا کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لیا اور بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے حضور پاک ﷺ نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے کاندھے پر چڑھنے کا حکم فرمایا تاکہ پیتل یا تانبے کے بنے ہوئے بت کو نیچے گرا دیں اور جب آپ حضور سرور کونین ﷺ کے کاندھوں پر سوار ہو گئے تو آپ نے وہ بت نیچے گرا دیا تو وہ ایسا چور چور ہو گیا جیسے شیشے کا بنا ہوا ہو۔ ۳؎

یہ مولائے کائنات کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے، آپ فرماتے ہیں کہ جس وقت میں

۱؎: ابوالحسن علی ندوی، محولہ بالا صفحہ ۵۴۔

۲؎: ایضاً صفحہ ۵۵۔

۳؎: ایضاً صفحہ ۵۶۔

پیارے محبوب ﷺ کے کاندھوں پر چڑھا اور حضور ﷺ مجھے لئے ہوئے کھڑے ہوئے تو مجھے ایسا لگا کہ اتنا اونچا ہو رہا ہوں کہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جاؤں گا ۱۔ بعض متاخر سیرت نگاروں نے اسے فتح مکہ کا واقعہ قرار دیا ہے لیکن علامہ ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اصول روایت و درایت کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے مکی زندگی کا واقعہ ہے۔ ۲۔

دوسرا عظیم الشان اعزاز: پیغمبر اسلام ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد تیرہ برس مکہ مکرمہ میں گزارنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے جس رات مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمایا تو اس رات قریش نے رحمت للعالمین ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا (نعوذ باللہ) آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لیٹنے کا حکم فرمایا تاکہ وہ امانتیں جو لوگوں کی رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں وہ سب ان کے مالکوں کو پہنچا دیں ۳۔ اور خود حضرت امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر رات کے اندھیرے میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قریش کی سازش سے آگاہ تھے اور خوب جانتے تھے کہ آج رات حضور سرور کونین ﷺ کے بستر پر سونا اپنی موت کو دعوت دینا ہے کیونکہ گھر کے باہر ننگی تلواریں چمک رہی تھیں، نیزے لہرا رہے تھے، کفار اس بستر پر لیٹنے والے کے خون کے پیاسے تھے مگر سیدنا علی المرتضیٰ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خواب استراحت کے مزے لوٹ رہے تھے، کون کہہ سکتا ہے کہ اس رات بستر نبوی پر لیٹے لیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدارج و مراتب کی کتنی منزلیں طے کر لی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں کوئی گزند نہ پہنچا مگر انہوں نے تو اپنے آپ کو راہِ خدا میں بطور نذر پیش کر دیا اور وہ اس رات کے ایک ایک لمحے میں شہادتِ عظمیٰ کے مقام بلند پر فائز رہے" ۴۔

۱۔ ایضاً ابو الحسن علی ندوی، صفحہ ۵۶۔

۲۔ ایضاً صفحہ ۵۷۔

۳۔ ایضاً صفحہ ۵۹--۶۰۔

۴۔ کوثر نیازی، اسلام ہمارا دین، فیروز سنز لاہور ۱۹۷۳ء صفحہ ۳۱۸۔

حضرت علامہ ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں :

"یہ بات آسان نہ تھی اور کوئی بھی ان کی جگہ ہوتا اس کی پلک سے پلک نہ لگتی الا یہ کہ اس کا ایمان اللہ پر مضبوط ہوتا اور رسول اللہ ﷺ سے اس درجہ الفت و جاں سپاری کا تعلق ہوتا اور وہ خود اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ پر قربان کرنے کا جذبہ رکھتا ہوتا، جس درجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ دشمنوں کو جب پتہ لگے گا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاتھ سے نکل گئے تو وہ اپنی تسکین نفس کی خاطر ان کی جگہ پر لیٹے ہوئے شخص کی بوٹی بوٹی کر دیں گے "[۱]

یہاں پر یہ حقیقت بھی مد نظر رہنی چاہئے کہ بستر نبوی ﷺ پر لیٹنا اور اپنے آپ کو موت کے حوالہ کرنا مولائے کائنات کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔

شب ہجرت سے قبل شعب ابی طالب میں تین سال تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کئی بار بستر نبوی ﷺ پر استراحت فرمانے کے لطف سے بہرہ مند ہو چکے تھے جیسا کہ گذشتہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو طالب اپنے پیارے بھتیجے جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی حفاظت اور آپ ﷺ کو دشمنوں کے اچانک وار سے بچانے کے لئے یہ اہتمام فرماتے کہ رات کو جب سب لوگ سو جاتے تو آپ ﷺ کا بستر تبدیل کر دیا جاتا اور شفیق چچا آپ ﷺ کی جگہ اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کو سلا دیتے اور جاں نثاری کا یہ اعزاز عموماً امام الاولیاء رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آتا۔

البتہ شب ہجرت کے موقع پر سرور کون و مکاں کے بستر پر آرام فرما ہونا اس لحاظ سے انفرادیت اور خصوصیت رکھتا ہے کہ اس رات اپنے بستر پر لیٹنے کے لئے بارگاہ نبوی ﷺ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا یوں یہ عظیم الشان شرف اور اعزاز آپ کو عطا ہوا

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہجرت مدینہ : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تین دن تک مکہ مکرمہ میں رہے اور حضور پاک ﷺ

---

[۱]: ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۵۹

کے پاس رکھی گئی قریش کی تمام امانتیں ان کو پہنچانے کے بعد اسی راستہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے جس راستے سے رسول اللہ ﷺ گئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ رات کو سفر کرتے اور دن کے وقت کہیں چھپ جاتے اور اس حال میں حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچے کہ پاؤں زخمی اور متورم ہو چکے تھے۔ حضور پاک ﷺ نے آپ کو گلے لگایا اور جب پاؤں پر نظر پڑی تو سرور عالم و عالمیان ﷺ کے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اپنا دست اقدس آپ کے پاؤں مبارک پر پھیرا اور اپنا لعاب دہن لگایا جس کا یہ اثر تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شہادت تک پھر کوئی پیروں کی تکلیف نہیں ہوئی۔ ا؎

تیسرا عظیم الشان اعزاز: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو ان کی آبادکاری اور دلجوئی وقت کا اہم ترین تقاضا تھا کیونکہ ان کا مال و اسباب، جائیداد اور اہل و عیال تو مکہ مکرمہ میں ہی رہ گئے تھے اور اس مسئلہ کو حل کرنا اس لئے ضروری تھا تاکہ وہ مدینہ منورہ میں غریب الوطنی اور اجنبیت محسوس نہ کریں۔ دوسری طرف انصارِ مدینہ پر بھی ان کی قوت و طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا مناسب نہ تھا۔ حضور سرور کونین ﷺ نے اس قدر خوش اسلوبی سے اس مسئلہ کو سلجھایا کہ اس سے بہتر حل ممکن ہی نہیں تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے مابین اخوت و بھائی چارہ قائم کرتے ہوئے ایک مہاجر کو ایک انصار کا بھائی بنا دیا جسے تاریخ اسلام میں "مواخات مدینہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس موقع پر جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی قرار دیا ۲؎۔ اس طرح آپ ﷺ نے اس موقع پر بھی مولائے کائنات کی انفرادیت اور خصوصیت کو قائم رکھا۔

علامہ ابن تیمیہ اور ان کی فکر سے متاثرین نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا ہو، وہ کہتے ہیں کہ اس مواخات کا مقصد یہ تھا کہ

ا؎: ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۶۰-۶۱۔

۲؎: پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۳، صفحہ ۱۷۴، بحوالہ سیرت ابن اسحاق و ابن ہشام۔

دونوں مہاجر و انصار ایک دوسرے کی مدد کر سکیں اور مشکلات میں ہاتھ بٹا سکیں تا کہ دلوں میں مزید الفت پیدا ہو یہ مقصد اس مواخات سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ حضور ﷺ کی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی مہاجر تھے اور مالی لحاظ سے بھی ان کی حالت قابل رشک نہ تھی اس لئے حضور ﷺ کا حضرت علی کو اپنا بھائی قرار دینا اس لحاظ سے قطعاً مفید نہ تھا۔ ا؎

لیکن عصر حاضر کے معروف محقق اور سیرت نگار جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اس کی تردید یوں نقل فرمائی ہے

"نیز انہوں نے اس حکمت کو فراموش کر دیا جو دو مہاجروں میں اخوت قائم کرنے میں تھی کیونکہ سارے مہاجر مال، قبیلہ، اور قوت میں یکساں نہ تھے۔ بعض کی مالی حالت دوسرے مہاجرین سے بہتر تھی ان کے قبیلہ کی کافی تعداد ہجرت کر کے آگئی تھی وہ دوسرے مہاجروں سے زیادہ بااثر اور بارسوخ تھے اس لئے نسبتاً غریب کمزور اور بے سہارا مہاجر کی اخوت کا رشتہ ایسے مہاجر سے قائم کر دیا گیا جو اس سے فائق تھا اس طرح وہ اپنے بھائی کی مالی امداد کے ساتھ سماجی تعاون کر کے اس کے لئے باعث تقویت بن سکتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مواخات قائم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ حضور ﷺ بچپن سے ہی آپ رضی اللہ عنہ کی سرپرستی فرما رہے تھے جو باہمی انس تھا اس کے باعث حضور ﷺ نے ان کو اپنا بھائی بنایا اور حضرت علی کو اپنا بھائی بنانے سے جو تقویت نصیب ہوئی اگر کسی بڑے سے بڑے انصاری کے ساتھ یہ رشتہ مواخات قائم کیا جاتا تو وہ انہیں نصیب نہ ہوتا اس لئے یہ اعتراض کوئی وقعت نہیں رکھتا نیز حضور ﷺ نے حضرت حمزہ اور حضرت زید بن حارثہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا حالانکہ وہ دونوں مہاجر تھے" ۲؎

نیز حافظ ابن حجر، ابن تیمیہ کے قول کی تردید کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

ا؎: پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۳، صفحہ ۱۷۷۔

۲؎: ایضاً صفحہ ۱۷۷-۱۷۹۔

"ایک چیز جو نص سے ثابت ہے علامہ ابن تیمیہ اس کو اپنے قیاس سے رد کر رہے ہیں اور یہ درست نہیں" ا۔

علاوہ ازیں جسٹس محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت حمزہ اور زید کے بھائی چارے کے حوالہ سے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

"صحیح بخاری میں ہے کہ عمرۃ القضا کے موقع پر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا" ان ابنة حمزة ابنة اخی" کہ حضرت حمزہ کی بیٹی میرے بھائی کی بیٹی یعنی بھتیجی ہے اس لئے ابن تیمیہ کے اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں۔ ۲۔

چوتھا عظیم الشان اعزاز: ہجرت کے دوسرے سال رسول اللہ ﷺ نے اپنی سب سے چھوٹی اور سب سے پیاری لخت جگر حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کا نکاح امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام سے کر دیا ۳۔ جو سیدۃ النساء العالمین تھیں ۴۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا "میں نے تمہارا نکاح اپنے اہل بیت کے بہترین فرد سے کر دیا ہے" ۵۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے "کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ" کے حوالہ سے اس بابرکت نکاح کا واقعہ نقل فرمایا ہے

"ایک روز حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں موجود تھے حضرت سیدہ کے رشتہ کے بارے میں گفتگو ہونے لگی حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ بڑے

ا۔ پیر کرم شاہ محولہ بالا، جلد ۳، صفحہ ۱۷۷-۱۷۹۔

۲۔ ایضاً

۳۔ ابو الحسن علی ندوی، محولہ بالا، صفحہ ۶۳۔

۴۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۳، صفحہ ۲۲۲۔

۵۔ ایضاً، صفحہ ۶۳۔

بڑے شرفاء نے اس رشتہ کے لئے درخواست کی ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے یہی فرمایا کہ جیسے اللہ چاہے گا لیکن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابھی تک گزارش نہیں کی، شاید غربت وافلاس کی وجہ سے یہ جسارت نہ کر سکے لیکن میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول معظم ﷺ اس رشتہ کو ان کے لئے روکے ہوئے ہیں۔ پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دونوں کو کہا چلو علی کے پاس اور انہیں کہتے ہیں کہ وہ یہ عرض کریں اور اگر غربت وافلاس کی وجہ سے وہ خاموش ہوں تو ہم ان کے ساتھ مالی تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ یہ سب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، پہلے ان کے گھر گئے پتہ چلا کہ وہ فلاں انصاری کا باغ سیراب کرنے کے لئے اپنی اونٹنی لے کر گئے ہیں، یہ حضرات اس انصاری کے باغ کی طرف روانہ ہوئے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھ لیا اور پوچھا خیریت تو ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی آمد کی وجہ بتائی اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا، آپ مانگئے حضور ﷺ آپ کو ضرور یہ رشتہ دیں گے۔ شاید اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ رشتہ آپ کے لئے روکا ہوا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ کہا میرا دل تو بہت چاہتا ہے کہ یہ شرف مجھے حاصل ہو لیکن تہی داماں ہوں، عرض کرنے کی جرأت کیسے کروں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا آپ اس بات کی پرواہ نہ کریں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک مال ودولت کی پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں، آپ ضرور خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوں اور یہ گزارش پیش کریں۔

چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے، سلام عرض کیا اور ادب سے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا میرا

خیال ہے تم کسی کام کے لئے آئے ہو، بتاؤ کیا کام ہے؟ آپ نے شرم و حیا میں ڈوبے ہوئے لہجہ میں گزارش پیش کی۔ حضور پُر نور ﷺ کا رخ انور خوشی سے چمکنے لگا، مسکراتے ہوئے پوچھا مہر ادا کرنے کے لئے کوئی چیز ہے؟ آپ نے عرض کی میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں میری حالت حضور سے مخفی نہیں۔ میرے پاس ایک تلوار، ایک زرہ اور ایک اونٹنی ہے جس پر میں پانی بھر کر لاتا ہوں۔ رحمت عالم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ تلوار تمہاری اہم ضرورت ہے، اونٹنی بھی تمہاری روزی کا ذریعہ ہے اور زرہ کے عوض اپنی بچی کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیتا ہوں۔ یہ مژدہ جاں فزا سن کر آپ باہر نکلے، آپ کی خوشی کی انتہا نہ تھی حضرت صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے پوچھا کیا ہوا تو آپ نے بتایا کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا رشتہ مجھے دیدیا ہے۔ ان دونوں حضرات کو یہ بات سن کر از حد مسرت ہوئی چنانچہ انصار و مہاجرین کو مسجد نبوی ﷺ میں جمع کیا گیا اور نبی مکرم ﷺ نے دونوں کا عقد فرمایا اور حضور ﷺ نے فرمایا جاؤ اب زرہ بیچ کر اس کی رقم میرے پاس لاؤ۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار سو درہم میں وہ زرہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو فروخت کی جب میں نے زرہ ان کے حوالہ کر دی اور ان سے روپے لے لئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ اس زرہ کی قیمت میں نے آپ کو ادا کر دی، اب میری طرف سے یہ زرہ بطور تحفہ آپ قبول فرمائیں۔ میں زرہ اور روپے لے کر بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور دونوں چیزیں حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو سلوک کیا وہ بھی عرض کر دیا۔ سرور عالم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے خیر فرمائی پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جاؤ اور میری بیٹی کے لئے ضروری چیزیں لے کر آؤ"۔ [۱]

۱: پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۳، صفحہ ۴۲۷-۴۲۸۔

اس واقعہ یگانہ میں امت محمدیہ ﷺ کی رہنمائی، اصلاح اور تطہیر افکار کا وافر ذخیرہ موجود ہے، اس سے ایک طرف مولائے کائنات، شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کے ساتھ حضور پرنور رحمت للعالمین ﷺ کے قلبی لگاؤ، اپنائیت اور ترجیحی سلوک کا اظہار ہو رہا ہے اور بارگاہ رسالت میں آپ کو جو بلند مقام و مرتبہ اہمیت و درجہ فضیلت حاصل تھا اس کی بھی نقاب کشائی ہو رہی ہے تو دوسری طرف حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی آپس میں گہری ہم آہنگی، یگانگت، محبت اور اخوت بھی ظاہر ہو رہی ہے۔

حیدر کرار ؓ میدانِ کارزار میں

تاریخ و سیر کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدر کرار سیدنا علی المرتضیٰ ؓ سوائے غزوہ تبوک کے باقی تمام غزوات نبویہ ﷺ میں پیش پیش رہے۔ ان میں سے چند مشہور غزوات میں شیر خدا کی شجاعت کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

غزوہ بدر : یہ ۱۷ رمضان ۲ ہجری کو بدر کے مقام پر قریش مکہ اور سرور کونین ﷺ کے درمیان لڑی گئی، یہ وہ فیصلہ کن معرکہ تھا جس نے امت اسلامیہ اور دعوت اسلامیہ کے لئے راستہ ہی صاف نہیں کیا بلکہ تاریخ کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ ۱

اس کے آغاز میں عربوں کے جنگی قاعدے کے مطابق انفرادی مقابلے ہوئے، قریش کے تین بہادر عتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید مقابلے کے لئے نکلے۔ انصارِ مدینہ میں سے تین آدمی ان کے مقابلے کے لئے نکلے لیکن انہوں نے انصارِ مدینہ کے ساتھ لڑنے سے انکار کرتے ہوئے مہاجرین کو للکارا تو حضور ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں میں سے حضرت حمزہ، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ۲

ان میں سے حضرت علی المرتضیٰ ؓ اور ولید بن عتبہ ایک دوسرے کے مدمقابل آئے،

۱: ابوالحسن علی ندوی، محولہ بالا صفحہ ۷۰

۲: ایضاً صفحہ ۷۱

ولید تمام قریش بلکہ تمام قبائل عرب میں اپنی شجاعت اور بہادری کے لئے مشہور تھا اور قریش مکہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ان کے قبیلہ میں ولید جیسا شیر دل جوان موجود ہے۔ چنانچہ ولید نے حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام پر وار کیا مگر حضرت علی المرتضیٰ نے پہلو بچا کر اس سرعت سے اس پر جوابی وار کیا کہ اس کا بایاں بازو کٹ گیا اور پھر چشم زدن میں دوسرا وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد قریش کے دوسرے اکابر عاص بن سعید، حنظلہ بن ابو سفیان، عدی اور نوفل بن خویلد جیسے جنگ آزماؤں کو میدان جنگ میں ڈھیر کر دیا، اس جنگ میں کل ستر کافر قتل ہوئے جن میں سے اکیس حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے۔ ا

غزوہ بدر میں حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام اسلامی لشکر کے علمبردار بھی تھے نیز اس غزوہ کے دوران حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تلوار ذوالفقار حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں دی اور جنگ کے بعد ہمیشہ کے لئے بخش دی۔ ۲

غزوہ اُحد : ہجرت کے تیسرے سال شوال میں غزوہ احد کا واقعہ پیش آیا ۳۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد سات سو اور قریش مکہ کی تین ہزار تھی ۴۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو لشکر قریش کے علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ نے میدان جنگ میں ڈینگیں مارتے ہوئے مسلمانوں کو للکارا تو شیر خدا اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور بجلی کی سی تیزی سے اس پر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ وہ زمین پر تڑپنے لگا اور چند لمحوں میں دم توڑ گیا۔ ۵

پھر عام جنگ شروع ہوئی، گھمسان کا رن پڑا، مشرکین بھی جاں بازی کی نادر مثالیں قائم کر رہے تھے لیکن اسد اللہ الغالب سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام حضرت حمزہ، حضرت ابو دجانہ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور دیگر مجاہدین اسلام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس قدر بے جگری سے

ا : پیام شاہجہانپوری، علی اور ان کی خلافت، اشاعت منزل لاہور ۱۹۵۷ء صفحہ ۳۷۔

۲-۳ : ابو الحسن علی ندوی، صفحہ ۷۱-۷۲۔

۴ : پیر محمد کرم شاہ الازہری، محولہ بالا، جلد ۳، صفحہ ۳۶۰۔

۵ : ایضاً صفحہ ۳۸۵۔

لڑے کہ مشرکین کے قدم اکھڑنے لگے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اسی اثناء میں مسلمان مال غنیمت جمع کرنے لگے، پہاڑی درے پر متعین پچاس تیر انداز بھی اپنے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ کے منع کرنے کے باوجود نیچے اتر آئے۔ خالد بن ولید جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے اور مشرکین مکہ کی طرف سے لڑتے رہے تھے درے کو خالی پا کر پشت پر سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے، یہ لوگ اپنے بتوں لات، عزیٰ اور ھبل کے نعرے لگا رہے تھے، یہ نعرے سن کر بھاگتے ہوئے مشرکین بھی پلٹ پڑے اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

اس اچانک حملہ سے اسلامی لشکر بد حواس ہو گیا، اس کی جنگی ترتیب بھی بکھر چکی تھی۔ اسی اثناء میں مسلمانوں کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر ؓ شہید ہو گئے تو حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو فرمایا کہ مسلمانوں کا پرچم اٹھالو۔ آپ نے پرچم اسلام کو سربلند رکھتے ہوئے اسلامی لشکر کے میمنہ (دایاں طرف) کو سنبھال کر نہایت ثابت قدمی سے جنگ شروع کر دی چونکہ حضرت مصعب بن عمیر ؓ کی شکل وصورت پیغمبر اسلام ﷺ سے مشابہ تھی اس لئے کفار نے یہ مشہور کر دیا کہ (نعوذ باللہ) حضور پاک ﷺ قتل کر دیئے گئے۔ اس خبر سے مسلمانوں کی رہی سہی ہمت بھی ختم ہو گئی اور بعض نے مایوس ہو کر اب لڑنا فضول سمجھا لیکن شیر خدا حیدر کرار یہ سن کر مزید شدت سے کافروں پر حملہ آور ہوئے کہ حضور ﷺ کے بعد اب زندہ رہنے کی کیا ضرورت ہے بہتر یہ ہے کہ میں لڑتے لڑتے جان دے دوں۔ ۱

چنانچہ حیدر کرار ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار کی نیام توڑ ڈالی اور کفار کی صفوں میں گھس کر حملہ کر دیا، وہ ادھر ادھر ہو گئے پس میں نے دیکھا کہ حضور پاک ﷺ اس جم غفیر میں تھے اور ان سے مصروف پیکار تھے ۲۔ اس موقع پر حضور پُر نور ﷺ زخمی ہو گئے اور دندان مبارک بھی شہید ہو گئے۔ شمع رسالت کے پندرہ پروانوں نے آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنا لیا اور جان نثاری کے ایمان افروز مظاہرے پیش کئے۔ ان میں سے ایک مولائے کائنات سیدنا

۱: پیر کرم شاہ الازہری، صفحہ ۵۰۷۔

۲: ایضاً

علی المرتضیٰ ؓ تھے۔ ۱؎

امام بخاری ؒ نے اس جنگ میں سرور عالم و عالمیان ﷺ کے زخمی ہونے کی کیفیت اور مرہم پٹی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت سہل بن سعد ؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا ؓ بنت رسول اللہ ﷺ جو پہلے زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں، تشریف لائیں اور حضور نبی کریم ﷺ سے لپٹ گئیں، جناب سیدہ اپنے والد گرامی کے زخم دھو رہی تھیں اور سیدنا علی المرتضیٰ ؓ اپنی ڈھال میں پانی لا کر ڈال رہے تھے۔ جب سیدہ نے دیکھا کہ پانی سے خون رکنے کی بجائے اور زیادہ تیز ہو رہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا، اس کو جلایا اور اس کی راکھ زخموں پر چھڑکی جس سے خون رسنا بند ہو گیا ۲؎۔ جنگ کے اختتام پر جب مشرکین مکہ کا لشکر واپس روانہ ہوا تو حضور پاک ﷺ نے حیدر کرار ؓ کو فرمایا کہ قریش کا پیچھا کرو اور ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے وادی عقیق تک ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے اور جب اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ وہ واپس مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے ہیں تو واپس آکر حضور ﷺ کو مطلع فرمایا۔ ۳؎

غزوہ احد میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو جسم پر سترہ زخم لگے جن میں چار زخم نہایت شدید تھے ۴؎ اور اس جنگ میں شیر خدا کے ہاتھوں لاتعداد مشرکین مکہ قتل ہوئے ۵؎ البتہ انکے جو اکابر ہلاک ہوئے ان میں طلحہ بن ابی طلحہ، عبداللہ بن جمیل، ابو الحکم بن الاخنس، سباع عبدالعزیٰ اور ابو امیہ بن المغیرہ کے نام شامل ہیں۔ ۶؎

غزوہ خندق : غزوہ خندق کو غزوہ احزاب بھی کہا جاتا ہے، یہ پانچ ہجری میں ہوئی۔ اس جنگ

۱؎: ایضاً پیر کرم شاہ الازہری، صفحہ ۵۰۶۔

۲؎: بخاری شریف، کتاب المغازی، باب غزوہ احد۔

۳؎: پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۳، صفحہ ۵۳۰-۵۳۱۔

۴؎: علی اور ان کی خلافت، محولہ بالا، صفحہ ۳۹۔

۵؎: ابو الحسن علی ندوی، صفحہ ۴۷۔

۶؎: علی اور ان کی خلافت، صفحہ ۳۹۔

میں مشرکین مکہ کے ساتھ دیگر قبائل بھی شامل تھے اور ان کی تعداد دس ہزار تھی، اس لشکر جرار کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ تھا اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ باہمی مشورہ کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ ملکر مدینہ منورہ کے گرد پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھودی اور محصور ہو کر لشکر کفار کا مقابلہ کیا۔

ایک دن کفار کے چند نامی گرامی شہسوار عمرو بن عبدود کی قیادت میں خندق پار کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے۔ عمرو بن عبدود کی قوت و طاقت کا یہ حال تھا کہ وہ تنہا ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۱۔ اس نے بلند آواز سے مسلمانوں کو مقابلے کے لئے للکارا۔ کافر کی یہ للکار سن کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے شیر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے سامنے جا کھڑے ہوئے اور فرمایا "اے عبدود کے بیٹے! میں نے سنا ہے کہ تو نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ اگر کوئی قریش تجھ سے دو چیزوں کا مطالبہ کرے گا تو ان دو میں سے ایک تو ضرور پوری کرے گا، اس نے بڑے تکبر سے جواب دیا ہاں میں نے ایسا عہد کیا ہوا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ پر ایمان لے آ اور اسلام قبول کر لے تو اس نے جواب دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں ۲۔ شیر خدا نے فرمایا تو پھر میرا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ میرے ساتھ مقابلہ کر۔ وہ کہنے لگا کہ میرے آپ کے والد حضرت ابو طالب کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ میری تلوار سے قتل ہوں۔ حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میری ذوالفقار تیرا سر قلم کر دے یہ سن کر وہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا اور گھوڑے سے اتر کر حیدر کرار سے پنجہ آزمائی کے لئے آگے بڑھا، سارا کفر سارے اسلام کے مد مقابل تھا۳۔

۱۔: پیام شاہجہانپوری، محولہ بالا، صفحہ ۳۹۔

۲۔: پیر محمد کرم شاہ الازہری، محولہ بالا صفحہ ۴۲-۴۳۔

۳۔: ایضاً

دونوں نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے، پے در پے حملے کرنے کے لئے ایک دوسرے پر جھپٹتے رہے اور اتنا گرد و غبار اڑا کہ دونوں اس میں چھپ گئے۔ سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولائے کائنات علیہ السلام کی کامیابی کے لئے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ بلند کئے جب غبار چھٹا تو لوگوں نے دیکھا کہ مولائے کائنات اس کی چھاتی پر بیٹھے اس کا سر تن سے جدا کر رہے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر عمرو بن عبدود کے ساتھی بھاگ گئے اور سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تشریف لائے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

قتل علی العمرو بن عبدود افضل من عبادة الثقلین ۔[۱]

ترجمہ: علی المرتضیٰ کا عمرو بن عبدود کو قتل کرنا جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جس وقت حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام عمرو بن عبدود کے مقابلہ کے لئے نکلے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ کے لئے نکلا ہے"[۲]۔

غزوہ خندق میں ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہا اور مسلمانوں نے بڑی استقامت کے ساتھ حوصلہ شکن حالات کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد آندھی کی شکل میں نمودار ہوئی اور ایک رات ایسا خطرناک طوفان آیا جس سے کفار کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں، گھوڑے اور جانور رسیاں تڑوا کر بھاگ نکلے، سارے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی اور وہ بدحواس ہو کر فرار ہو گیا۔[۳]

غزوہ بنو قریظہ: غزوہ احزاب کے دوران مدینہ منورہ کا یہودی قبیلہ بنو قریظہ مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قریش سے مل گیا اور یہودیوں نے مدینہ منورہ کے اندر رہتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف حملہ کا ناپاک منصوبہ بنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے عالم

۱۔ ارمان سرحدی، محولہ بالا صفحہ ۵۱۔

۲۔ ایضاً

۳۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، محولہ بالا، جلد ۲، صفحہ ۵۴۔

غیب سے ایسے اسباب فراہم کر دیئے کہ ان کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ چنانچہ لشکر کفار کے بھاگ جانے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کو سزا دینے کے لئے ان پر حملہ کیا کیونکہ ان لوگوں نے مار آستین ہونے کا ثبوت پیش کیا تھا اسے غزوہ بنو قریظہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس میں بھی لشکر اسلام کا پرچم حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا ا۔

بنو سعد کی گوشمالی : قبیلہ بنو سعد فدک کے علاقہ میں آباد تھا۔ اس قبیلہ کے متعلق حضور سرور کونین ﷺ کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کے خلاف یہ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ سازباز کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ۶ ہجری میں اس فتنے کے سدباب کے لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک سو مجاہدین کا دستہ کر دے روانہ فرمایا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سریہ میں یہ معمول اپنایا کہ رات کو سفر کرتے اور دن کو آرام فرماتے۔ ایک دن آپ کو راستے میں ایک شخص ملا جسے آپ نے گرفتار کر لیا اور اس سے پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ وہ بنو سعد کا جاسوس اور نمائندہ تھا جو ان کی طرف سے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف معاہدہ کرنے کی شرائط طے کر کے آ رہا تھا۔ اس جاسوس سے معلوم ہوا کہ بنو سعد نے فلاں مقام پر دو سو آدمی جمع کر رکھے ہیں۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مجاہدین کو ساتھ لے کر اس مقام کی طرف بڑھے لیکن مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی بنو سعد ڈر کر بھاگ نکلے البتہ ان کے پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لشکر اسلام کو ملیں جو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لے کر بخیریت مدینہ منورہ تشریف لائے اور بارگاہ نبوی ﷺ میں پیش کر دیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ پھر یہود کے ساتھ سازباز کر کے مسلمانوں کے خلاف مقابلہ میں آنے کی بنو سعد کو جرأت نہ ہوئی۔ ۲۔

صلح حدیبیہ : کا واقعہ ذیقعدہ ۶ ہجری کو پیش آیا۔ اس موقع پر جب کفار اور مسلمانوں کے درمیان ایک تاریخی معاہدہ صلح طے پا گیا تو حضور پاک ﷺ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور

ا۔ ایضاً پیر کرم شاہ الازہری، صفحہ ۶۱

۲۔ ایضاً ۱۱۹-۱۲۰

آپ نے یہ عظیم الشان معاہدہ قلم بند فرمایا[۱]۔ جسے قرآن مجید فرقان حمید نے "فتح مبین" قرار دیا[۲]۔

غزوہ خیبر : خیبر مدینہ منورہ کے شمال مشرق میں آٹھ برید (۹۶ میل یا ۱۵۶ اکلو میٹر) کے فاصلہ پر واقع تھا[۳]۔ اور یہ یہودیوں کی کالونی تھی جس کے متعدد مضبوط قلعے تھے۔ یہ یہودیوں کا مرکزی مورچہ اور چھاؤنی تھی۔ خیبر کے یہودی عرب کے دیگر مشرک قبائل کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ چنانچہ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی گوشمالی کے لئے فوری اقدام فرمایا اور محرم ۷ ہجری میں سولہ سو جانبازوں کے ساتھ رازداری اور تیز رفتاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور یہ طویل مسافت تین رات میں طے کر کے خیبر کی حدود میں داخل ہو گئے[۴]۔

صبح یہودیوں نے جب اچانک مسلمانوں کی فوج ظفر موج دیکھی تو گھبراہٹ میں ان کی چیخیں نکل گئیں اور وہ اپنے قلعوں میں بند ہو گئے۔ خیبر کا خطہ مختلف حصوں پر مشتمل تھا اور ہر حصہ میں متعدد قلعے تھے جن میں دس ہزار مسلح یہودی موجود تھے۔ اب حضور ﷺ نے یہ جنگی حکمت عملی اپنائی کہ لشکر اسلام کو مختلف دستوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک دستے کے لئے ایک قلعہ مخصوص کر دیا کہ اس کا محاصرہ کر کے انہیں باہر نہ نکلنے دیا جائے جبکہ خود لشکر کا بڑا حصہ لے کر ایسے قلعے پر حملہ آور ہوتے جسے فتح کرنا مقصود ہوتا تھا۔ چنانچہ اس طرح یکے بعد دیگرے یہودیوں کے یہ قلعے فتح ہوتے چلے گئے اور حضور پاک ﷺ کی کامیاب جنگی حکمت عملی سے دوسرے قلعوں کے یہودی محاصرے کی بدولت ان کی مدد کے لئے نہیں پہنچ سکتے تھے[۵]۔ لیکن خیبر کا ایک قلعہ جس میں یہودیوں کا سردار مرحب مورچہ زن تھا وہ بار بار حملوں کے باوجود فتح

۱۔ ایضاً پیر کرم شاہ الازہری، صفحہ ۱۵۱۔

۲۔ ایضاً صفحہ ۱۵۷۔

۳۔ ایضاً صفحہ ۲۲۰۔

۴۔ ایضاً صفحہ ۲۱۷-۲۱۸۔

۵۔ ایضاً صفحہ ۲۲۶۔

نہ ہو سکا، رات کے وقت حضور پاک ﷺ کی خدمت میں یہ صورت حال عرض کی گئی تو پیارے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا

"یقیناً کل میں یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس شخص سے محبت کرتے ہیں، وہ واپس نہ ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائے گا"۔ ۱

حضور سرور کونین ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سب مجاہدین نے سن لیا ان کی یہ رات پیچ و تاب کھاتے ہوئے گزری، ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ سعادت اس کو نصیب ہو، جب صبح ہوئی تو سارے مجاہدین بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے وہ یہ جاننے کے لئے از حد بے قرار تھے کہ وہ خوش نصیب کون ہے جس کو آج یہ پرچم عطا کیا جائے گا۔ ۲

چنانچہ جب سب جمع ہو گئے تو سرور کون و مکان ﷺ نے فرمایا "این علی" علی کہاں ہیں؟ عرض کی گئیں وہ تو موجود نہیں، ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں اور اپنے خیمے میں تشریف فرما ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا انہیں بلا لاؤ، فوراً آپ حاضر ہو گئے تو آپ ﷺ نے استفسار فرمایا اے علی تمہیں کیا ہوا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آنکھیں دکھ رہی ہیں اور کچھ دکھائی نہیں دیتا، حضور ﷺ نے فرمایا قریب آؤ، جب قریب ہوئے تو حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن آنکھوں پر لگایا جس سے بیماری فوراً جاتی رہی اور اس کے بعد کبھی بھی آنکھوں کی تکلیف نہیں ہوئی۔ ۳

پھر آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو پرچم عطا فرمایا اور آپ رخصت لے کر قلعہ کی طرف روانہ ہوئے ایک یہودی نے قلعہ کی چھت سے سر باہر نکالا اور پوچھا آپ کون ہیں؟ تو فرمایا علی ابن ابی طالب تو یہودی کہنے لگا خدا کی قسم! جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی ہے آپ یہودیوں پر غالب آ جائیں گے۔ ۴

۱۔ :انوار علی، محولہ بالا، صفحہ ۲۵۔

۲۔ :پیر کرم شاہ الازہری، جلد ۴ صفحہ ۲۲۹۔

۳۔ :ایضاً صفحہ ۲۳۰۔

۴۔ :ایضاً صفحہ ۲۳۱۔

الغرض قلعہ کے سردار مرحب نے اپنے بھائی حارث کو مقابلے کے لئے بھیجا، پلک جھپکنے میں حضرت علی المرتضی ﷜ نے اس کا کام تمام کردیا پھر ایک دوسرا طویل القامت یہودی مقابلہ کے لئے آیا مولا مرتضی ﷜ نے اس کی بھی پرنچے اڑا دیئے پھر مرحب خود میدان میں نکلا جو ایک ہزار سوار کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ ا۔اس نے یہ رجز پڑھتے ہوئے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی

قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب ۲۔

ترجمہ: خیبر کے در ودیوار جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں سے مسلح ہوں، بہادر اور تجربہ کار پہلوان ہوں۔

شیر خدا سیدنا علی المرتضی یہ رجز پڑھتے ہوئے اس کے مقابلہ کے لئے نکلے

انا الذی سمتنی امی حیدراً کلیث غابات کریہ المنظر ۳۔

ترجمہ: میں وہ ہوں جس کا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا ہے کہ جنگل کے شیر کی طرح میں بڑا خوفناک ہوں۔

اس کے بعد دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ شیر خدا کی ذوالفقار حیدری مرحب کے فولادی خود کو کاٹتی ہوئی اس کے سر میں دانتوں تک اتر گئی پھر آپ نے اس کا سر تن سے جدا کر کے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیا اور قلعہ کا پھاٹک جو بند تھا اسے پکڑ کر کھینچا اور جدا کرتے ہوئے ہوا میں لہرا لیا، اب مسلمان مجاہدین کے لئے قلعے میں داخل ہونے کا راستہ کھل گیا تھا لہٰذا وہ اندر داخل ہو گئے یوں اس ناقابل تسخیر قلعہ پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ جنگ کے اختتام پر جب اس پھاٹک کو اٹھانے کی کوشش کی گئی تو معلوم ہوا کہ چالیس آدمیوں سے کم اسے نہیں اٹھا سکتے۔ ۴۔

عالم اسلام کے نامور عالم، مؤرخ اور سکالر ابو الحسن علی ندوی ﷫ غزوہ خیبر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ وہ جنگ ہے جس میں شیر خدا حضرت علی المرتضی ﷜ کی نادرہ روزگار شجاعت، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک ان کی حیثیت کھل کر سامنے آگئی اور تقدیر

ا۔۳۔: انوار علی محولہ بالا صفحہ ۲۴۔ ۴۔: ابو الحسن علی ندوی، صفحہ ۸۱، حوالہ کنز العمال)

الٰہی کا یہ فیصلہ کہ یہ یہودی کالونی جس کی جنگی اور فوجی نیز جغرافیائی لحاظ سے بڑی اہمیت تھی وہ حضرت علی کے ہاتھ فتح ہو"۱۔

غزوہ خیبر میں قلعے کے پھاٹک کو اٹھانے والے واقعہ کو بعض علماء نے ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ حضرت علامہ ابوالحسن علی ندوی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں

"لیکن یہ روایت مختلف طریقوں سے مروی ہے اور یہ مشہور واقعہ ہے اور اس کا واقع ہونا مستبعد (بعید از قیاس) نہیں ہے"۲۔

علامہ ندوی ﷫ مزید فرماتے ہیں

"یہ عقائد اہل سنت کے خلاف نہیں کیونکہ اہل سنت کے عقائد وعلم کلام میں آتا ہے، ان کرامات اولیاء حق (اولیاء سے کرامات کا صدور حق ہے) اور سیدنا علی المرتضیٰ ﷜ اولیاء امت کے سرگروہ ہیں"۳۔

یہی علامہ ندوی مرحب کے قتل کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

"سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مرحب کو جس شخص نے قتل کیا وہ محمد بن مسلمہ تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ مرحب کو قتل کرنے والے علی ابن ابی طالب تھے اور یہ بات تصریح کے ساتھ مسلم کی روایت میں ہے"۴۔

عصر حاضر کے ایک دوسرے مایہ ناز مسلم سکالر اور مفکر اسلام، مفسر قرآن حضرت علامہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اس پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت جابر کی ایک روایت میں ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا لیکن صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع کی روایت سے مروی ہے کہ مرحب کو موت کے گھاٹ اتارنے والے سیدنا علی المرتضیٰ تھے۔ وحدیث بریدہ بن الحصیب اور ابی نافع

۱۔ :ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۷۸۔

۲-۳۔ :ابوالحسن علی ندوی صفحہ ۸۱۔

۴۔ :ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۸۰۔

کی حدیث سے اس قول کی تائید ہوتی ہے اور جابر کی روایت سے امام مسلم کی حدیث زیادہ قوی اور اس پر دو وجوہ سے مقدم ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس سند سے صحیح مسلم کی حدیث مروی ہے وہ دوسری سند (سیرت ابن ہشام) سے اصح (زیادہ صحیح) ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت جابر خیبر کی جنگ میں شریک نہ تھے، ان کی روایت دید پر نہیں شنید پر موقوف ہے لیکن حضرت سلمہ بن اکوع، بریدہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہم یہ تینوں اس جنگ خیبر میں شریک تھے اور انہوں نے چشم دید واقعہ بیان کیا ہے، ابو عمر نے بھی اسی روایت کی تصحیح کی ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا تھا اور علامہ ابن اثیر کا یہی قول ہے"۔ [1]

عمرۃ القضاء: حدیبیہ کے مقام پر جو معاہدہ صلح ہوا اس کی رو سے اس موقع پر مسلمان عمرہ ادا نہ کر سکے اور اس معاہدے کے مطابق سات ہجری میں دو ہزار صحابہ کرام محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے یہ ایک سال بعد دراصل اس عمرہ کی قضاء کے طور پر ادا کیا گیا اس لئے عمرۃ القضاء کے نام سے مشہور ہوا۔ اس موقع پر بھی سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی یتیم صاحبزادی عمارہ جو مکہ مکرمہ میں تھیں وہ حضرت علی المرتضیٰ کو دیکھ کر آپ سے لپٹ گئیں اور یا عمی! یا عمی! اے میرے چچا جان! اے میرے چچا جان! پکارنے لگی حیدر کرار نے اسے اپنے ساتھ مدینہ منورہ لانے کی درخواست بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کی جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف قبولیت بخشا اور آپ اسے اپنے ساتھ مدینہ منورہ لائے۔ [2]

فتح مکہ: سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے لئے لشکر کی تیاری بڑی رازداری سے شروع فرمائی تاکہ اچانک یہ عظیم الشان اسلامی لشکر وہاں پہنچ جائے اور قریش کو جنگ کے لئے تیاری کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن ایک عورت خط لے کر مکہ روانہ ہوئی جس میں مکہ والوں کو

۱: پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۴، صفحہ ۲۳۳۔ ۲: ایضاً صفحہ ۲۴۲

حضور پاک ﷺ کے ارادوں سے آگاہ کیا گیا تھا لیکن سید الصادقین ﷺ علیم و خبیر ذاتِ الٰہی کی طرف سے مطلع کر دیئے گئے اور آپ نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ اور حضرت زبیر ؓ کو اس عورت کے تعاقب میں روانہ کرتے ہوئے فرمایا یہ خط لے جانے والی عورت جو اونٹ پر سوار ہے خاخ کے باغیچہ میں تمہیں ملے گی"۔ا۔

یہ مقام مدینہ منورہ سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ چنانچہ یہ دونوں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہاں پہنچے اور عورت کو پالیا، اسے اونٹ سے اتار کر کجاوے کی تلاشی لی گئی لیکن کچھ نہ ملا تو امام الاولیاء ؓ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہمارے صادق و امین پیغمبر اسلام ﷺ نے کبھی خلاف واقعہ بات نہیں کی۔ خدا تم کو خط نکالنا پڑے گا ورنہ ہم تجھے برہنہ کر کے جامہ تلاشی لیں گے، جب اس نے یہ صورت حال دیکھی تو گھبرا گئی اور اپنے سر کے بالوں کے جوڑے میں سے ایک خط نکال کر سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کے حوالہ کیا جسے لے کر آپ مع حضرت زبیر ؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور خط پیش کر دیا۔۲۔

الغرض حضور ﷺ اپنے دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جلو میں اس حال میں مکہ مکرمہ پہنچے کہ وہ لوگ بالکل بے خبر تھے اور یہ لشکر جرار دیکھ کر اہل مکہ ہوش و حواس کھو بیٹھے اور مسلمان فاتحانہ انداز میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس موقع پر بھی امام الاولیاء، سیدنا علی المرتضیٰ ؓ اپنے آقائے نامدار امام الانبیاء ﷺ کے ساتھ تھے، آپ کی بہن ام ہانی بنت ابی طالب نے اپنے سسرال میں سے دو آدمیوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی۔ امام الاولیاء کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا میں ہرگز نہیں یہ زندہ نہیں چھوڑوں گا لیکن ام ہانی نے فوراً بارگاہ رسالت میں درخواست پیش کی جسے آپ ﷺ نے قبولیت کے شرف سے نوازتے ہوئے فرمایا "اے ام ہانی جس کو تم نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی"۔۳۔ چنانچہ امام

۱۔: ابوالحسن علی ندوی، محولہ بالا صفحہ ۸۳۔

۲۔: بخاری شریف، کتاب المغازی، فتح مکہ

۳۔: پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۴، صفحہ ۴۴۲۔

الاولیاء یہ فرمان نبوی ﷺ سن کر خاموش ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ام ہانی کے گھر پر غسل فرمایا اور آٹھ رکعت صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت) ادا فرمائی۔ ۱۔

اس واقعہ سے مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کی اسلام کے ساتھ گہری وابستگی اور شدید لگاؤ کا اظہار ہو رہا ہے کہ دین کے معاملہ میں آپ اپنی سگی بہن کے ساتھ بھی کسی قسم کی رورعایت کرنے کے روادار نہ ہوئے لیکن جب شارع علیہ السلام کا حکم سنا تو اپنے فیصلے پر اصرار نہ کیا بلکہ سر تسلیم خم کر دیا۔

فلس کو پاش پاش کرنا: فلس قبیلہ بني طے کا بت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے۔ عرب کا مشہور سخی حاتم طائی اسی قبیلے کا سردار رہ چکا تھا اور اسی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عدی اسکا سردار تھا۔ حضور پاک ﷺ نے ۹ ہجری میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ روانہ فرمایا تاکہ فلس نامی بت کو توڑ دیں اور اس کے استھان کو پیوند خاک کر دیں۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آمد سے جب قبیلہ عدی خبردار ہوا تو وہ اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر شام کی طرف بھاگ گیا، حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کرنے والوں کو گرفتار کر لیا۔ ان جنگی قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی اور عدی کی سگی بہن سفانہ بھی تھی اور فلس کو پاش پاش کر دیا گیا۔ اس مقام سے ایک خزانہ بھی برآمد ہوا جس میں تین تلواریں بھی تھیں ان میں سے ایک تلوار آپ نے اپنے لئے چن لی اور باقی تمام مال غنیمت اور جنگی قیدی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیئے ۲۔ اور حضور پاک ﷺ کی شان رحمت للعالمینی کا مظاہرہ دیکھ کر تمام قبیلہ بني طے نے اسلام قبول کر لیا یہاں تک کہ عدی بھی شام سے مدینہ منورہ پہنچ کر حضور پاک ﷺ کے دست اقدس پر ایمان لایا ۳۔

نیابت رسول ﷺ کا شرف: سرکار دو عالم ﷺ کو ۹ ہجری میں اطلاع ملی کہ رومیوں نے شام میں ایک لشکر جرار اکٹھا کر لیا ہے اور وہ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لئے زبردست تیاریوں میں مصروف ہیں۔ عرب قبائل جنہوں نے آبائی مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی، وہ بھی رومی

۱۔ : پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۴، صفحہ ۴۴۲۔

۲۔ : ایضاً صفحہ ۵۷۳-۵۷۴۔

۳۔ : ایضاً صفحہ ۵۸۵-۵۷۹۔

لشکر کے ساتھ مل گئے ہیں، آقائے نامدار ﷺ نے مدینہ منورہ میں رہ کر ان کا مقابلہ کرنے کی بجائے آگے بڑھ کر رومیوں پر حملہ آور ہونے کا اعلان فرمایا، مسلمانوں کے لئے یہ بڑی تنگدستی کا زمانہ تھا اور اس بار مقابلہ بھی ایک عالمی طاقت روم سے تھا۔ نیز ایک طویل سفر بھی درپیش تھا اور یہ غزوہ جو تبوک کے نام سے مشہور ہوئی تو یہ مقام تبوک مدینہ منورہ سے سات سو کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا اور تمام راستہ لق ودق صحراؤں اور بے آب وگیاہ ریگزاروں سے ہو کر جاتا تھا۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پیارے محبوب ﷺ کے حکم پر دل کھول کر مالی اعانت کی اور لشکر اسلام کی تیاری کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر قربانی پیش فرمائی خصوصاً خلفاء ثلاثہ یعنی سیدنا امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق، امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم اور امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ایثار و قربانی اپنی مثال آپ تھا جبکہ امیر المؤمنین اسد اللہ الغالب علی کل غالب سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ کو اس غزوہ کے موقع پر نیابت رسول ﷺ کا شرف حاصل ہوا۔

چونکہ مدینہ منورہ میں منافقین کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی جن کا سرغنہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تھا اور ان کی طرف سے حضور پاک ﷺ کو خطرہ تھا کہ وہ کہیں حضور کی غیر موجودگی میں ازواج مطہرات کے لئے کوئی پریشانی کھڑی نہ کر دیں اس لئے اہل بیت کی حفاظت، دیکھ بھال اور خبر گیری کے لئے آپ ﷺ نے اپنی جگہ پر حضرت علی المرتضیٰ ﷺ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تاکہ شیر خدا کی موجودگی میں کوئی بد اندیش کسی قسم کی شرارت کی جرات نہ کر سکے ۲۔

آپ ﷺ خود تین ہزار جانثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ساتھ لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو ادھر منافقین نے شیر خدا کے بارے میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ جب یہ ناگفتہ بہ باتیں سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ کو معلوم ہوئیں تو آپ

۱۔: پیر محمد کرم شاہ الازہری، صفحہ ۵۸۵-۵۹۲۔

۲۔: ایضاً صفحہ ۵۹۹۔

نے ہتھیار سجائے اور "جرف" کے مقام پر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی حضور میرے بارے میں ایسی باتیں کی جا رہی ہیں کہ یہ ڈرپوک ہے اور لشکر اسلام پر بوجھ ہے وغیرہ وغیرہ ازراہ کرم مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ میدان جہاد میں جا کر جانبازی کے جوہر دکھا سکوں۔ حضور پاک ﷺ نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا منافق جھوٹ بکتے ہیں، میں نے تمہیں اس لئے مدینہ میں چھوڑا کہ آپ خاندان نبوت کی حفاظت کریں اور جو ضعیف و کمزور مسلمان پیچھے رہ گئے ہیں ان کی خبر گیری کریں نیز فرمایا

"اے علی کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ میرے لئے اس طرح ہو جائیں جس طرح ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا" ۱؎

استاد کامل حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی مدظلہ العالی اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

"یعنی جو عزت، مرتبہ اور بھائی ہونے کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظروں میں حضرت ہارون علیہ السلام کی تھی وہی عزت، مرتبہ اور بھائی ہونے کی نسبت میری نظروں میں تمہارے لئے موجود ہے مگر صرف اتنا فرق ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے اور اے علی آپ نبی نہیں ہیں اس لئے کہ میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی یا رسول نہیں ہو سکتا" ۲؎

یمن کے قبیلہ ہمدان کا قبول اسلام: غزوہ تبوک سے واپسی پر سرور عالم و عالمیان ﷺ نے یمن کی طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ بھیجا تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ یہ جماعت چھ ماہ تک وہاں مقیم رہی لیکن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا

۱؎: پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۴، صفحہ ۵۵۹-۶۰۰۔

۲؎: امام نسائی، خصائص علی المرتضیٰ اردو ترجمہ انوار علی از سید محمد امیر شاہ قادری محولہ بالا صفحہ ۶۷۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے امام الاولیاء کو اسی مشن پر یمن بھیجا آپ ﷺ نے وہاں پہنچ کر حضور نبی کریم ﷺ کا مکتوب گرامی اہل یمن کو پڑھ کر سنایا جسے سن کر پورا قبیلہ ہمدان آپ کے دست اقدس پر ایمان لے آیا۔ حضرت علی المرتضیٰ نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ایک خط بھیجا جس میں اہل ہمدان کے قبول اسلام کی خوشخبری دی گئی تھی حضور ﷺ کے سامنے جب یہ خط پڑھا گیا تو آپ بارگاہ الہٰی میں سر بسجود ہو گئے اور جب سجدے سے سر اقدس اٹھایا تو فرمایا ہمدان کے لئے سلامتی ہو، ہمدان کے لئے سلامتی ہو ا۔

حج بیت اللہ کے موقع پر نیابت رسول ﷺ کا شرف : سرکار دو عالم ﷺ نے ۹ ہجری میں حجاج کرام کا ایک قافلہ روانہ فرمایا جو تین سو افراد پر مشتمل تھا اور اس کا امیر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اس قافلے کی روانگی کے بعد سورہ براۃ نازل ہوئی آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے نائب کی حیثیت سے روانہ فرمایا اور اپنی اونٹنی عضباء مرحمت فرمائی تاکہ اس پر سوار ہو جائیں اور دس ذوالحجہ قربانی کے دن سورہ براءت کے احکام لوگوں کو سنائیں۔

راستے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ کی ملاقات ہو گئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم امیر کی حیثیت سے چل رہے ہو یا مامور کی حیثیت سے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مامور کی حیثیت سے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رہنمائی میں لوگوں نے مناسک حج ادا کئے اور قربانی کا دن آیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے سورہ براۃ کے ان احکام کا اعلان فرمایا جس کی حضور ﷺ نے آپ کو ہدایت کی تھی کہ

"مومن کے بغیر کوئی جنت میں داخل نہ ہو گا اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا، خانہ کعبہ کا طواف کوئی ننگے جسم نہیں کرے گا، جس کسی کے ساتھ حضور ﷺ کا کوئی عہد ہے جب اس کی مدت پوری ہو گئی وہ خود بخود ختم ہو گا"۔ ۲۔

ا۔ :ابوالحسن علی ندوی، محولہ بالا صفحہ ۸۶۔

۲۔ :ایضاً صفحہ ۸۷۔

یمن کی طرف دوبارہ روانگی : دس ہجری میں حضور رحمت للعالمین ﷺ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تین سو شاہ سواروں کا امیر بنا کر دوبارہ یمن کی طرف روانہ فرمایا حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے پرچم باندھا اور آپ کے سر اقدس پر دستار باندھی جب آپ یمن میں داخل ہوئے تو آپ نے پہلے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، وہ نہ مانے اور جنگ شروع کر دی لیکن آپ کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکے اور بھاگنے لگے۔ چنانچہ آپ نے انہیں پھر اسلام کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ یمن سے جو مال غنیمت حاصل ہوا آپ نے اس میں سے پانچواں حصہ خمس الگ کر لیا۔ باقی مال غنیمت سے مجاہدین کو حصہ دیا گیا لیکن خمس سے ان کے مطالبہ کے باوجود کسی کو کچھ نہ دیا اور انکار کر دیا ۱۔ اور یمن سے واپسی پر آپ حضور سرور کونین ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر حضور ﷺ جو سو اونٹ قربانی کے لئے اپنے ساتھ لائے تھے، ان میں سے تریسٹھ اپنے دست مبارک سے ذبح کیے (۶۳ کا عدد حضور پاک ﷺ کی عمر مبارک کی طرف اشارہ کرتا ہے) اور باقی سنتیس (۳۷) اونٹ آپ ﷺ کے حکم سے امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ذبح کیے۔ ۲۔

خطبہ غدیر خم : ارکان حج ادا کرنے کے بعد امام الانبیاء ﷺ نے اپنے جملہ جانثاروں کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف روانگی فرمائی واپسی پر راستے میں کچھ لوگوں نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں امام الاولیاء کے بارے میں شکایات لگائیں اور یمن کے مال غنیمت میں سے خمس کے بارے میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سخت رویہ پر اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے غدیر خم کے مقام پر سب کو ٹھہرنے کا حکم فرمایا ۳۔

غدیر خم وہ مرکزی مقام تھا جہاں سے جزیرہ عرب کے تمام اطراف واکناف کی طرف راستے جاتے تھے۔ حضور رحمت للعالمین ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اس سے پیشتر کہ تمام

۱۔: پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۵، صفحہ ۷۸۰۔

۲۔: ایضاً صفحہ ۷۶۷۔ ۳۔: ایضاً صفحہ ۷۸۰-۷۸۱۔

قبائل وہاں سے منتشر ہو کر اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں، ان لوگوں کے دلوں میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بے داغ سیرت و کردار کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کا قطعی طور پر ازالہ کر دیا جائے تاکہ آج کے بعد کسی کلمہ گو کے دل میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات کے بارے میں کسی قسم کی کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے۔ ا؎

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی اہم خطاب فرمانا چاہتے تو مؤذن الصلوٰۃ جامعہ کا اعلان کرتا اور یہ آواز سن کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے جمع ہو جاتے۔ چنانچہ اس روز بھی مؤذن نے الصلوٰۃ جامعۃ کے مانوس کلمات سے اعلان کیا، تمام قبائل جہاں تھے وہاں رک گئے تاکہ رخصت ہونے سے پہلے اپنے ہادی و مرشد کے ان آخری کلمات کو سن لیں اور انہیں حرز جاں بنالیں۔ ۲؎

سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر بچھانے کا حکم فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ ہوئے یہ ذوالحجہ کی اٹھارہ تاریخ تھی، اتوار کا دن تھا اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عظیم الشان خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ۳؎

> "کیا تم اس بات کو نہیں جانتے کیا تم اس بات کی شہادت نہیں دیتے کہ میں ہر مؤمن سے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں" ۴؎

سب نے عرض کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجا فرمایا اور جب سب نے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کر دی تو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ۵؎

من کنت مولاہ فان علیا مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ ۶؎

ترجمہ: جس کا میں مددگار اور دوست ہوں علی المرتضیٰ بھی اس کے مددگار اور دوست ہیں۔ اے اللہ جو ان کو دوست بناتا ہے اس کو تو بھی اپنا دوست بنا اور جو ان سے عداوت کرتا ہے ان سے تو

ا؎: پیر کرم شاہ الازہری، جلد ۵، صفحہ ۷۸۲۔

۲-۳؎: ایضاً

۴-۵-۶؎: ایضاً صفحہ ۷۸۴

بھی عداوت کر۔ ا؎

حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں

یہ سند جید ہے اس کے سارے راوی ثقہ ہیں اور کتب سنن کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے ۲؎

یہ حدیث مبارکہ امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کی خصوصی عظمت وفضیلت، عدل و انصاف، امانت ودیانت اور بارگاہ نبوی ﷺ میں آپ کو جو افضل واعلیٰ مقام حاصل تھا اس کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔ نیز اس میں رہتی دنیا تک تمام امت محمدیہ ﷺ کے لئے عبرت و موعظت کا درس بھی پایا جاتا ہے۔

لہٰذا ہر ایک کلمہ گو کو اس پر غور فکر کرنا چاہئے کہ چند مجاہدین اسلام نے جب بارگاہ رسالت میں امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو حضور پاک ﷺ انھیں تنبیہ فرما کر سیدنا علی المرتضیٰ کی محبت وعقیدت کی تلقین کر کے بات ختم کردیتے لیکن حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا بلکہ حجۃ الوداع کے تمام شرکاء کرام کو جمع ہونے کا حکم دیا اور جب وہ جمع ہو گئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے پہلے ان سے اپنی محبت کی گواہی لی اور پھر یہ شہادت لینے کے بعد فرمایا کہ میں جس کا مددگار اور دوست ہوں علی بھی اس کا مددگار اور دوست ہے اور بات کو یہیں ختم نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ! جو علی المرتضیٰ سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت فرما اور جو آپ رضی اللہ عنہ سے عداوت کرے تو بھی اس سے عداوت فرما۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے ذریعہ اپنی تمام امت مرحومہ تک اپنا یہ پیغام پہنچانے کا اہتمام فرمایا کہ وہ امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کی روش اپنائیں اور آپ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس پر طعن وتنقید سے بچیں جو عداوت وتعصب کی نشانی ہے اور اگر کوئی اس قدر واضح اور روشن فرمان نبوت

ا؎: ایضاً پیر کرم شاہ الازہری، صفحہ ۸۴۷۔

۲؎: ایضاً صفحہ ۸۵۷۔

کے بعد بھی امام الاولیاء علیہ السلام کے ساتھ بغض وعداوت کی راہ اختیار کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دشمن ہے کیونکہ حضور ﷺ کی دعا کی قبولیت ہر قسم کے شک شبہ سے بالاتر ہے۔

وصال حضور ﷺ: حجۃ الوداع کے بعد نبی اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو کچھ دن کے بعد بیمار ہو گئے۔ اپنی جگہ نماز کی امامت کے لئے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اس تمام عرصہ میں سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کی دیکھ بھال اور تیمارداری کرتے رہے یہاں تک کہ ایک دن آپ ﷺ کی طبیعت ذرا سنبھل گئی تو حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد نبوی تشریف لے گئے اور اس حال میں امامت فرمائی کہ آپ ﷺ بیٹھے ہوئے امامت کروا رہے تھے جبکہ سیدنا امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے تھے اور حضور ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے جبکہ باقی لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے[۱]۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کا آخری خطبہ ارشاد فرمایا اور کاشانہ اقدس تشریف لے گئے اور دو روز بعد جب آپ اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے لگے تو اس دن کے معمولات بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب "مدارج النبوت" میں لکھتے ہیں کہ یکے بعد دیگر تمام ازواج مطہرات سے ہم کلام ہوئے انہیں الوداع فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمایا اور پھر آخر میں امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا۔ امام الاولیاء نے امام الانبیاء کا سر مبارک اپنے زانو پر رکھا تو سرور عالم ﷺ نے فرمایا، میں نے فلاں یہودی سے اتنے درہم قرض لئے تھے تاکہ اسامہ کے لشکر کی تیاری میں صرف کروں تم وہ رقم یہودی کو ادا کر دینا خبردار! بھول مت جانا پھر فرمایا حوض کوثر پر سب سے پہلے تو میرے پاس پہنچے گا پھر فرمایا کاغذ اور دوات لے آؤ تاکہ تمہارے لئے وصیت قلم بند کروں۔ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں قلم دوات لینے جاؤں اور حضور ﷺ رحلت فرما جائیں۔ لہٰذا میں نے عرض کی

۱: پیر کرم شاہ الازہری، جلد ۵، صفحہ ۸۰۶۔

یارسول اللہ ﷺ! آپ جو وصیت فرمانا چاہتے ہیں وہ ارشاد فرمائیں میں اسے یاد رکھوں گا تو سرور کائنات ﷺ نے جو آخری وصیت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرمائی وہ یہ دو جملے تھے:

الصلوٰۃ و ما ملکت ایمانکم (نماز کی پابندی کرنا اور اپنے غلاموں کے آرام اور آسائش کو ملحوظ رکھنا)"۱۔

علامہ ابن کثیر نے یہ آخری وصیت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے

اوصی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ و ما ملکت ایمانکم

(میں تمہیں نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کی وصیت کرتا ہوں اور ان غلاموں کے بارے میں جن کے تم مالک ہو)۲۔

غسل مبارک: وصال اقدس کے بعد سرور عالم و عالمیان ﷺ کو غسل دینے کی سعادت حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیب ہوئی۔ امام الاولیاء اپنے آقا و مولیٰ کو غسل بھی دے رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے "بابی و امی طیباً و حیاً و میتاً" میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ زندگی میں بھی طیب و پاکیزہ تھے اور وصال کے بعد بھی طیب و پاکیزہ ہیں ۳۔

جنازہ: غسل کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور باقی اہل بیت اطہار کے مردوں نے حضور ﷺ کا جنازہ پڑھا، پھر اہلبیت رسول ﷺ کی عورتوں نے اور اس کے بعد دیگر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے، کیونکہ حضور ﷺ نے اسی ترتیب سے جنازے کی وصیت فرمائی تھی۔ ۴۔

اس موقع پر لوگوں نے ایک غیبی آواز سنی "اے اہل بیت! تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو اور تم پر اس کی طرف سے رحمتوں برکتوں کا نزول ہو ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے

۱۔ پیر کرم شاہ الازہری، جلد ۵، صفحہ ۸۱۳۔　۲۔ ایضاً صفحہ ۸۱۳۔

۳۔ ایضاً جلد ۵، صفحہ ۸۳۸۔

۴۔ ایضاً صفحہ ۸۵۱۔

اور قیامت کے روز تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور جان لو کہ ہر مصیبت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی ہوتی ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز کا کوئی قائم مقام ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھو اور اس کی طرف توجہ کرو، جزع و فزع سے باز رہو، بے صبری نہ کرو، درحقیقت مصیبت زدہ وہ شخص ہے جس کو ثواب سے محروم کر دیا گیا والسلام علیکم رحمت اللہ ۱۔

یہ آواز سن کر سب خواتین و حضرات حیرت میں ڈوب گئے کہ یہ کون ہے جو نظر نہیں آتا لیکن اس کی آواز سنائی دے رہی ہے تو امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ ﷜ اور امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق ﷜ گویا ہوئے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں جو تعزیت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ ۲۔

حضرت علی ﷜ اور خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

آقائے نامدار ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد مہاجرین و انصار نے امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق ﷜ کی بیعت کی اور یوں آپ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ ﷜ نے امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ﷜ کی بیعت میں کچھ توقف فرمایا جس کے متعلق حضرت علامہ معین الدین ندوی مرحوم امام بخاری کی حدیث کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

"**خلیفہ اول کی بیعت، توقف کی وجہ**: سقیفہ بنو سعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی البتہ صحیح روایات کے مطابق صرف حضرت علی ﷜ نے چھ مہینے تک دیر کی۔ لوگوں نے اس توقف کے عجیب و غریب وجوہ اختراع کر لئے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہ ﷞ کی سوگوار زندگی نے ان کو بالکل خانہ نشین بنا دیا تھا اور تمام معاملات

۱۔: پیر کرم شاہ الازہری، صفحہ ۸۴۴-۸۴۵۔

۲۔: ایضاً صفحہ ۸۴۵۔

سے قطع تعلق کر کے وہ صرف ان کی تسلی و دلدہی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف تھے چنانچہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا اس وقت انہوں نے خود حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کر لی"۔ ا۔

لمام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو مسلمانوں کا اتحاد و یکجہتی اور خلافت کی کامیابی ہر شے سے بڑھ کر عزیز تھی اس کا ایک روشن، واضح اور کھلا ثبوت یہ ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مرتدین سے جنگ کرنے کے لئے لشکر اسلام کی قیادت کرنے اور خود محاذ پر جانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے تو حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور مہار کو پکڑ لیا اور فرمایا اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کہاں جا رہے ہیں، میں آپ سے وہی کہوں گا جو احد کے موقع پر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی تھی۔ بخدا اپنی تلوار نیام میں رکھو اور ہم سب کو اپنی دائمی جدائی کا صدمہ نہ دو اور مدینہ منورہ واپس جاؤ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو اسلام کا شیرازہ ہمیشہ کے لئے بکھر جائے گا۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس ہو گئے ۲۔ یہ روایت دار قطنی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے جبکہ زکریا الساجی اور زہری نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کی ہے۔ ۳۔

جو لوگ امت محمدیہ ﷺ کے ان اکابرین کے باہمی تعلق کے بارے میں شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کا شکار ہیں تو قرآن مجید فرقان حمید کی اس آیہ کریمہ پر غور فرمائیں

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم (الفتح : ۲۹)

ترجمہ: جناب محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار کے حق میں سخت ہیں لیکن آپس میں رحم دل ہیں۔

ا۔ : مولانا شاہ معین الدین ندوی، سیر الصحابہ، ادارہ اسلامیات لاہور، صفحہ ۲۶۵-۲۶۶)

۲۔ :ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۱۵۴۔

۳۔ :ایضاً صفحہ ۵۵۔

ان قدوسی حضرات کی باہمی الفت و محبت کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں حضرت امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین علیہ السلام بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

"ایک دفعہ امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوکھ میں درد ہو گیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنا دست اقدس آگ پر گرم فرماتے اور امیر المؤمنین کے درد والی جگہ پر پھیرتے اور سینکتے رہے"۔ ۱؎

مسند خلافت سنبھالنے کے بعد ایک دن امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے تو امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا جو مرتبہ میں سب لوگوں سے بڑھ کر ہے اور اس کی نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قریب ہے اور بلحاظ حالت (کیفیت) ہم سب سے افضل ہے جو کوئی اس آدمی کو دیکھنا چاہے تو اس آنے والے یعنی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نظر کرے۔ ۲؎

اسی طرح ایک مرتبہ حیدر کرار اور خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر دونوں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے جب وہاں پہنچے تو حیدر کرار نے فرمایا تقدم یا ابا بکر (اے ابوبکر آگے آئیں) تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ما کنت اقدم رجلا سمعت رسول اللہ یقول فیہ علی منی و انا منہ ۳؎

میں اس سے کیوں کر آگے جاؤں جس کی شان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ چنانچہ جب خلیفہ اول امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رحلت فرمائی تو امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے اور درج ذیل تاثرات کا اظہار فرمایا

'اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں اے ابوبکر واللہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے اور سب سے زیادہ

۱؎: ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۱۵۶۔

۲؎: صواعق محرقہ، مناقب مرتضویہ از سید محمد صالح کشفی، البرہان لاہور صفحہ ۲۶۰۔

۳؎: ایضاً صواعق محرقہ حوالہ مناقب مرتضویہ صفحہ ۲۶۱۔

آپ کا ایمان مکمل تھا اور سب سے زیادہ آپ کا یقین پختہ تھا، آپ سب سے زیادہ اللہ کا خوف اپنے دل میں رکھتے تھے، حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ سے آپ ہی کو سب سے زیادہ مشابہت تھی حضور ﷺ کے نزدیک زیادہ محترم اور قابل اعتماد آپ ہی تھے۔ آپ نے اس وقت رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی جب سبھوں نے تکذیب کی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو صدیق قرار دیا اور سختی و مصیبت کے وقت آپ ﷺ کا ساتھ دیا جب کہ لوگ ساتھ چھوڑ کر نکل رہے تھے۔ ثانی اثنین کا اعزاز صحبت رکھنے والے ہجرت میں آپ ﷺ کے رفیق آپ ﷺ کو دلاسا اور تسکین دینے والے امت میں بہترین قائم مقامی یعنی خلافت کا حق ادا کرنے والے آپ ہی تھے" ا۔

خلیفہ دوم کے ساتھ رفاقت و معاونت: امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب مسند خلافت سنبھالی تو امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کا بھی بھرپور ساتھ دیا ہر موقع پر ان کی پوری پوری معاونت فرمائی اور انہیں بہترین مشوروں سے نوازا اور ایک قابل اعتماد رفیق و مشیر کی حیثیت سے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں چنانچہ معرکہ نہاوند کے لئے جب ایرانیوں نے پورے مذہبی جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیاریاں شروع کیں تو اکثریت یہ چاہتی تھی کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود اس معرکہ میں اسلامی لشکر کی قیادت فرمائیں لیکن امام الالیاء سیدنا علی المرتضیٰ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ رائے دی جو قبل ازیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دے چکے تھے کہ

"آپ مدینہ نہ چھوڑیں، آپ کا مقام ایسے ہے جیسے موتیوں کی لڑی کا ہوتا ہے جو موتیوں کو جمع کیے رکھتی اور سنبھالے رکھتی ہے اور جب وہ لڑی کھل جاتی ہے تو اس کے موتی بکھر جاتے ہیں اور ضائع ہو جاتے ہیں پھر وہ سارے کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ آپ اپنی جگہ قیام فرمائیے اور اہل کوفہ کی جانب خط لکھئے وہ عرب کے سردار ہیں ان میں سے دو تہائی چلے جائیں اور ایک تہائی ٹھہرے رہیں اور اسی طرح اہل

ا۔ ابوالحسن علی ندوی، محولہ بالا، صفحہ ۱۶۱-۱۶۲

بصرہ کو لکھئے کہ وہ ان کی مدد کریں"۱۔

پس امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق ﷜ نے امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ ﷜ کی تجویز کو پسند فرمایا اور اسی پر عمل کیا۲۔

اسی طرح جنگ یرموک شام کے معرکوں میں سب سے اہم لڑائی تھی اس موقع پر رومی فوجوں کے امڈے ہوئے سیلاب کی اطلاع جب دربار خلافت میں پہنچی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تجویز پیش کی کہ امیر المؤمنین خود شام کی طرف بھیجی جانے والی فوج کی قیادت کریں لیکن امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ ﷜ نے اس رائے کی مخالفت کی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نصرت خداوندی کا بیان کرنے کے بعد فرمایا

"آپ اتنی مختصر جماعت کو لے کر جائیں گے اور مقابلہ کریں گے تو ناکامی کا خطرہ ہے اور خدانخواستہ ناکامی ہوئی تو مسلمانوں کے لئے دنیا کے کسی کونے میں جائے پناہ نہیں رہے گی اور آپ کے بعد کوئی ایسا حاکم نہیں رہ جائے گا جس سے حکم لے سکیں لہٰذا آپ کسی تجربہ کار شخص کو سر لشکر بنا کر بھیجئے اور اس کے ساتھ جنگ آزمودہ اور قربانیوں کا جذبہ رکھنے والوں کی جماعت کر دیجئے اگر اللہ تعالیٰ نے کامیاب کر دیا تو یہی مطلوب ہے اور اگر دوسری بات پیش آگئی تو آپ لوگوں کے لئے جائے پناہ اور مسلمانوں کے لئے سہارا بنے رہیں گے"۳۔

علاوہ ازیں بیت المقدس کے محاصرے کے دوران جب عیسائیوں نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ امیر المؤمنین خود تشریف لائیں اور اپنے ہاتھ سے صلح کی دستاویز لکھیں تو امیر المؤمنین نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اس موقع پر حضرت عثمان ذوالنورین ﷜ نے کہا کہ امیر المؤمنین وہاں نہ جائیں تا کہ ان کی ذلت و حقارت ہو لیکن امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ ﷜

۱-۲-: ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، اردو ترجمہ اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۹ء جلد ۷ صفحہ ۲۲۳-۲۲۴۔

۳-: ابوالحسن علی ندوی صفحہ ۱۸۲-۱۸۳ بحوالہ نہج البلاغہ۔

نے ان کے پاس جانے کا مشورہ دیا تا کہ مسلمانوں کو اس محاصرے کے دوران جو دقت پیش آ رہی ہے اس میں کچھ کمی ہو۔ پس امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضی کے قول کی طرف مائل ہو گئے اور مدینہ منورہ پر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود شام کی طرف روانہ ہوئے۔ ۱ے

الغرض امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑی بڑی مہمات میں امام الاولیاء سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ بھی ایک خیر خواہ، قابل اعتماد رفیق و مشیر تھے۔ حکیمانہ انداز میں مشکل سے مشکل مسئلہ کو اس طرح حل کر دیتے کہ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہتی اور امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی امام الاولیاء شیر خدا کے ساتھ محبت و عقیدت کا اندازہ لگانے کے لئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد گرامی پر غور کریں کہ آپ نے فرمایا "لو لا علی لھلك عمر" یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔ ۲ے

خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب شہید ہو گئے تو امام الاولیاء سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ امیر المومنین کا جسد مبارک ایک چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ آپ نے چہرہ کھولا اور فرمایا "ابو حفص! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جس کے نامہ اعمال کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا پسند کروں" اور آنسو سیلاب کی طرح آپ کے چہرہ اقدس پر رواں تھے۔ آپ سے اس قدر زار و قطار رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا "عمر کی موت اسلام میں ایک ایسا شگاف ہے جو قیامت تک پر نہیں کیا جا سکے گا" ۳ے

خلیفہ سوم کے ساتھ مہر و وفا: امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دور خلافت

۱ے: ابن کثیر محولہ بالا جلد ۷، صفحہ ۱۲۹۔

۲ے: ابو الحسن علی ندوی، صفحہ ۱۷۶

۳ے: ایضاً صفحہ ۱۹۶۔

میں جب اہل مصر کی طرف سے شورش کا آغاز ہوا اور انہوں نے آپ پر تنقید اور نکتہ چینی شروع کی تو حضرت عمرو بن العاص ؓ بھی ان لوگوں سے مل گئے اور حضرت عثمان ؓ کی عداوت پر لوگوں کو متحد کرنے لگے ا۔ چنانچہ محمد بن ابی بکر و محمد بن حذیفہ کی قیادت میں مصر سے کچھ لوگ خلیفہ کے خلاف مظاہرہ کرنے اور الزام تراشی کے ارادے سے روانہ ہوئے جن کی اطلاع مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کر دی تو حضرت عثمان ؓ نے اس موقع پر سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کی خدمات حاصل کیں اور فرمایا کہ انہیں مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے قبل ہی واپس کر دیں۔ چنانچہ امام الاولیاء معززین مدینہ منورہ کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے اور جحفہ کے مقام پر مصریوں کو پالیا ۲۔

امام الاولیاء نے ان سے گفت وشنید شروع کی تو انہوں نے سیدنا عثمان ؓ پر متعدد اعتراضات کئے اور اپنی شکایات بیان کیں۔ حیدر کرار ؓ نے ایک ایک کر کے ان کے تمام الزامات کے تسلی بخش جوابات دیئے اور امیر المومنین پر کئے جانے والے اعتراضات کی عمدہ تاویلات پیش کیں اور ان کی وجوہات واسباب کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مطمئن کر دیا اور انہیں واپس لوٹنے پر آمادہ کر لیا چنانچہ وہ لوگ واپس چلے گئے اور آپ نے مدینہ منورہ پہنچ کر ذوالنورین کو صورت حال سے آگاہ کیا اور مصلحت وقت کے پیش نظر مشورے بھی دیئے امیر المؤمنین نے ان مشوروں کو سنا اور ان کا خیر مقدم کیا۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ ؓ نے بھی حیدر کرار ؓ کے مشوروں پر عمل درآمد کرنے اور مروان بن حکم کی سازشوں سے بچنے کی رائے دی ۳۔

لیکن مروان کی ہٹ دھرمی سازش اور سبائیوں کی فتنہ انگیزی کے باعث مصری اس حال میں واپس لوٹے کہ اہل کوفہ واہل بصرہ بھی ان کے ساتھ تھے جو حضرت زبیر یا حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے کسی کو امیر بنانے کا ارادہ کئے ہوئے تھے۔ آگے بڑھے اور امیر المؤمنین سیدنا عثمان ؓ

ا۔ ابن کثیر محولہ بالا، جلد ۷، صفحہ ۳۲۔

۲۔ ایضاً صفحہ ۳۲۸۔

۳۔ ایضاً جلد ۷، صفحہ ۳۴۲۔

کے گھر کا محاصرہ کر لیا اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے مصریوں سے فرمایا کہ تم اپنی رائے سے رجوع کرنے اور چلے جانے کے بعد واپس کیوں آئے ہو تو انہوں نے کہا کہ راستے میں ہمیں ایک قاصد ملا جو حضرت عثمان ؓ کا غلام تھا اور آپ کے اونٹ پر سوار تھا، اس کے پاس حضرت عثمان ؓ کا خط تھا جس میں گورنر مصر کو ہمارے ایک گروہ کو قتل کر دینے اور دوسرے کو قید کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اسی طرح کی گفتگو بصریوں نے حضرت طلحہ ؓ سے اور کوفیوں نے حضرت زبیر ؓ سے کی اور کہنے لگے ہمیں اس شخص (عثمان ذوالنورین ؓ) کی ضرورت نہیں وہ ہم سے الگ ہو جائے اور ہم اس سے الگ ہوتے ہیں ا۔ نیز انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ حضرت عثمان ؓ اپنے نائبین کو معزول کر دیں اور ان لوگوں کو امیر مقرر کریں جنہیں ہم پسند کرتے ہیں اور اگر خود معزول نہیں ہونا چاہتے تو مروان بن حکم کو ان کے سپرد کر دیں۔ ۲۔

یہ خط امیر المؤمنین سیدنا عثمان ؓ پر ایک افتراء تھا، نہ آپ نے اس قسم کا کوئی خط لکھا نہ ہی لکھوایا اور نہ ہی ارسال کیا کیونکہ امیر المؤمنین کی خدمت میں جب یہ واقعہ عرض کیا گیا تو انہوں نے قسم کھا کر اس سے انکار کیا البتہ مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ یہ مروان بن حکم کی کارستانی تھی جس کی بدولت یہ افتاد امیر المؤمنین پر آن پڑی اور باغیوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا، جب شورش زیادہ بڑھی اور باغیوں کی طرف سے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تو اس موقع پر اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خصوصاً امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کے دونوں صاحبزادے حضرت امام حسن وامام حسین علیہما السلام حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ وغیرہ امیر المؤمنین کے گھر کے دروازے پر حفاظت کے لئے مامور ہوئے جنہوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی یہاں تک کہ باغیوں کے ساتھ جھڑپ میں زخمی بھی ہوئے لیکن کثیر التعداد مفسدین کو روکنا آسان نہ تھا۔ باغیوں نے گھر کے پچھلی طرف سے حملہ کر کے امیر المومنین کو شہید کر دیا۔

۱۔: ایضاً ابن کثیر، جلد ۷، صفحہ ۳۴۴-۳۴۵۔

۲۔: ایضاً صفحہ ۳۴۵-۳۵۵۔

اس موقع پر آپ نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا "حضرت عثمان ہمارے بہترین شخص تھے اور ہم سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے، زیادہ حیاء دار، اچھے، پاکیزہ اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے والے تھے" (ابن کثیر، جلد ۷، صفحہ ۳۸۲)

امام الاولیاء کرم اللہ وجہہ مسند خلافت پر: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی، اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لئے سخت اصرار کیا۔ انہوں نے پہلے اس بار گراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن آخر میں مہاجرین وانصار کے اصرار پر مجبور ہو کر اٹھانا پڑا اور اس واقعہ کے تیسرے دن اکیس ذی الحجہ دوشنبہ کے دن مسجد نبوی میں جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئی۔ (سیر الصحابہ، مولانا شاہ معین الدین ندوی، صفحہ ۲۶۸)

خلافت کے بعد پہلا خطبہ: مسند خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ نے ان الفاظ میں خطبہ ارشاد فرمایا

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ہادی بنا کر بھیجا ہے جو خیر وشر کو وضاحت کے ساتھ بتاتی ہے لہٰذا خیر کو اختیار کیجئے اور شر سے کنارہ کش رہئے اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو حرمت کا درجہ دیا ہے ان میں سے سے فائق حرمت مسلمان کی ہے، توحید واخلاص کے ذریعہ مسلمانوں کے حقوق کو اللہ تعالیٰ نے مضبوطی سے مربوط کر دیا ہے، مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام مسلمان محفوظ رہیں الا یہ کہ دین و احکام شریعت ہی کا تقاضا ہو کہ مسلمان کا احتساب کیا جائے اور اس پر قانون شرعی جاری کیا جائے کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو ایذا پہنچائے مگر یہ کہ ایسا کرنا واجب ہو۔ عوام وخواص دونوں کے حقوق ادا کرنے میں عجلت سے کام لیجئے، لوگ آپ کے سامنے ہیں اور پیچھے قیامت ہے جو آگے بڑھتی چلی آرہی ہے

اپنے آپ کو ہلکا پھلکا رکھئے تاکہ منزل تک پہنچ سکیں آخرت کی زندگی لوگوں کی منتظر ہے۔ خدا کے بندوں اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرتے رہئے۔ بہائم اور زمین کے بارے میں آپ سے سوال ہو گا، پھر میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیجئے اور اس کی معصیت و نافرمانی سے بچئے۔ اگر آپ خیر کا کام دیکھیں تو اختیار کریں اور اگر شر کو دیکھیں تو اس کو چھوڑ دیں "۱۔

اور پھر آپ نے سورہ انفال کی یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اور اس وقت کو یاد کرو جب تم زمین میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اڑا نہ لے جائیں تو اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو"۔۲

"مرکز خلافت کا کوفہ منتقل ہونا: حضرت علی ؓ نے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا (جو عراق میں ہے) اور یہی آپ کی تمام فوجی سرگرمیوں اور انتظامی و تربیتی نظام کا مرکز تھا۔ قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ امیر المؤمنین نے کوفہ کو اپنی اقامت کے لئے اور عالمی خلافت اسلامیہ کا پایہ تخت بنانے کے لئے کیوں منتخب کیا، یہ حیثیت رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر حضرت عثمان غنی ؓ کی شہادت تک مدینہ منورہ کی تھی؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت علی ؓ نے ایسا صرف اس لئے کیا کہ مدینہ منورہ کو جو ان کا محبوب شہر ہے اور رسول اللہ ﷺ کا دارالہجرت اور مدفن مبارک تھا اس کو داخلی جنگوں اور فوجی تنازعات سے دور اور الگ تھلگ رکھیں کیوں کہ اندرونی خلفشار شروع ہو چکا تھا اور حالات کے رخ سے پتہ چل رہا تھا کہ ایسا ہو گا۔ لہٰذا مسجد نبوی، حرم ثانی اور آرامگاہ رسول اکرم ﷺ کے ادب کا تقاضا تھا کہ وہ کسی قسم کے فتنہ کا مرکز نہ بنے،

۱-۲-: ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۲۳۶-۲۳۷

حضرت علی ﷜ جیسے شخص کو اس معاملہ میں ذکی الحس اور صاحب الغیرت ہونا ہی چاہئے تھا اور عملاً وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ چند برسوں بعد یزید کے عہد میں حرہ کا واقعہ ہوا جس نے مسلمانوں نے احساسات کو بری طرح مجروح کیا اور مدینۃ الرسول کی بے ادبی اور وہاں کے باشندگان کی بے توقیری ہوئی"

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، المرتضیٰ، مجلس نشریات اسلام کراچی، صفحہ نمبر ۲۳۶-۲۳۷)

پیچیدگیاں اور دشواریاں : امام الاولیاء ﷛ نے جب مسند خلافت سنبھالی تو ہر طرف بد امنی اور افراتفری کا دور دورہ تھا۔ ایک خلیفہ رسول شہید ہو چکے تھے اور نئے خلیفہ رسول ﷛ کی خلافت ابھی مستحکم نہیں ہوئی تھی۔ اسلامی معاشرہ افواہوں اور قیاس آرائیوں کا شکار ہو چکا تھا اس کٹھن پیچیدہ صورت حال پر عالم اسلام کے نامور اہل قلم استاذ عباس محمود العقاد روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

"حضرت علی کی بیعت اس حادثہ کے بعد کی گئی جو تاریخ اسلام کے خونی حوادث میں سب سے زیادہ دردناک تھا۔ اس حادثہ کا سب سے زیادہ نازک پہلو یہ تھا کہ یہ ایک ایسی آزمائش اور پیچیدہ صورت حال تھی جس کا مداوا اختیار سے باہر تھا وہ ایک تقدیری امر تھا جس سے نمٹنے کا کوئی ذریعہ اور راستہ نہیں تھا اس حادثہ کی ذمہ داری جن پر عائد ہوتی تھی، قاتلان عثمان یا ان کی حامی وہ کثیر التعداد اور متفرق تھے، موئدین اور مخالفین کے بھی بڑے بڑے گروہ تھے اگر ایک خاموش ہوتا تو دوسرا متحرک و سرگرم ہو جاتا، اگر ایک مصیبت دور ہوتی جس پر اختیار تھا تو وہ مصیبت باقی رہتی جس پر اختیار نہیں تھا، حسن نیت اور سوء نیت دونوں برابر کی طاقتیں تھیں جو اپنا کام کر رہی تھیں" (ابوالحسن علی ندوی صفحہ ۲۴۱ بحوالہ العبقریات الاسلامیہ صفحہ ۸۸۰)

ان حالات میں قصاص کے مطالبہ کی آواز اٹھتی ہے اور ایسے حلقہ سے اٹھتی ہے جہاں حادثہ کے زمانہ میں کسی نے اس خون ناحق کے خلاف انگلی بھی نہیں ہلائی تھی، خون تو الگ رہا پسینہ

کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا۔ ا۔

امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ ؓ اس قصاص کی طرف سے غافل نہ تھے اور نہ ہی آپ نے اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی کی لیکن قاتلین عثمان ؓ کی شناخت ایک معمہ بن چکی تھی۔ قصاص کے بارے میں حضرت علامہ ابو الحسن علی ندوی ؒ سیدنا حیدر کرار کی دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مشکل یہ تھی کہ حضرت عثمان کے قتل میں جو لوگ ملوث تھے اور جنہوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا ان کی مکمل شناخت نہیں تھی کہ دیکھ کر یا شرعی شہادت کی بنیاد پر ان کی گرفت کی جائے یا ان پر قصاص جاری کیا جائے یہاں تک کہ خود حضرت عثمان ؓ کی اہلیہ (حضرت نائلہ ؓ) یقینی طور پر ان لوگوں کا تعین نہیں کر سکتی تھیں" ۲۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ پیچیدہ صورت حال بقول استاد العقاد کے یہ تھی کہ

"امام (الاولیاء) سیدنا علی المرتضیٰ ؓ نے ایک بار قاتلین عثمان ؓ قصاص لینے کی بات کی تو یکبارگی پوری فوج جس کی تعداد دس ہزار تھی نیزہ اٹھا کر کھڑی ہو گئی اور اعلانیہ پکار اٹھی کہ ہم سب عثمان کے قاتل ہیں جو قصاص لینا چاہتا ہو وہ ہم سب سے قصاص لے" ۳۔

حالات کی اس ستم ظریفی میں جو بھی قصاص اور حد قائم کرنے کا مطالبہ کرتا تو امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ ؓ اس سے فرماتے، جو تم کہتے ہو میں اس سے ناواقف نہیں ہوں لیکن کس طرح ان لوگوں سے نمٹوں جو ہم پر قابو رکھتے ہیں اور ہم ان پر قابو نہیں رکھتے جن کے ساتھ تمہارے غلام بھی مل گئے ہیں اور جن سے آکر تمہارے اعراب (بدو) بھی مل گئے اور وہ سب تمہارے سامنے ہیں جو چاہتے ہیں کر رہے ہیں، کیا تم اس بات کی گنجائش دیکھتے ہو کہ ان پر قابو پا

ا۔ :(ابو الحسن علی ندوی صفحہ ۲۴۲)

۲۔ :ابو الحسن علی ندوی، صفحہ ۱۳۹۔

۳۔ :(ابو الحسن علی ندوی صفحہ ۲۴۲)

لیا جائے اور تم لوگ جو چاہتے ہو وہ کیا جا سکے ؟۱۔

استاذ عباس محمود العقاد فرماتے ہیں:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرنے والے اگر صحیح، قریب ترین اور سہل راستہ اختیار کرتے تو وہ یہ تھا کہ ولی امر (خلیفہ) کی تائید کرتے تاکہ وہ حدود قائم کرنے پر قادر ہو اس کے بعد حق و انصاف کے ساتھ حکم شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرتے"۲۔

امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی کہ پہلے قصاص کے طالب ولی امر (خلیفہ) کی اطاعت کریں اس کے بعد خون عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث اپنا دعویٰ پیش کریں اس وقت شریعت مطہرہ کے مطابق حکم کا نفاذ کیا جائے گا لیکن آپ کا مخالف گروہ یہی کہتا تھا کہ ان کا پتہ چلایا جائے اور ان کو قابو میں لا کر اندھا دھند سب کو قتل کر دیا جائے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے میں قصاص کا اجراء بغیر کسی دعویٰ اور بغیر کسی دلیل اور حجت کے صحیح نہیں تھا۔۳۔

گورنروں کی تبدیلی: امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے ملک بھر میں پھیلی ہوئی بدامنی اور انتشار کے خاتمے کے لئے تمام گورنروں کو برطرف کر دیا کیونکہ گورنروں کی تبدیلی کا مطالبہ بار بار کیا جا رہا تھا چنانچہ بصرہ پر عثمان بن حنیف، کوفہ پر عمارہ بن شہاب، یمن پر عبداللہ بن عباس، مصر پر قیس بن سعد اور شام پر سہل بن حنیف کو والی مقرر کر کے روانہ فرمایا۔۴۔

حضرت امیر معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے۔ انہوں نے امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا تو امیر المؤمنین نے انہیں ایک خط لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ:

"مجھ سے ان لوگوں نے بیعت کی ہے جن لوگوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ

۱۔ ابوالحسن علی ندوی، ایضاً صفحہ ۲۴۲-۲۴۳۔

۲۔ ایضاً صفحہ ۲۴۳۔

۳۔ ایضاً صفحہ ۲۴۳ بحوالہ حافظ ابن حجر الاصابہ فی تمیز الصحابہ صفحہ ۵۰۸۔

۴۔ تاریخ ابن خلدون، اردو ترجمہ حکیم احمد حسین، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۹۶ء جلد ۱، صفحہ ۴۷۸۔

تعالیٰ عنہم سے بیعت کی تھی اور انہی باتوں پر بیعت کی ہے جن پر ان حضرات سے بیعت کی تھی للہذا جو لوگ موجود ہیں ان کے لئے سوائے اس طرز عمل کے چارہ کار نہیں ہے اور جو سامنے نہیں ہیں ان کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہے، شوریٰ کا حق صرف مہاجرین وانصار کو ہے اگر یہ حضرات کسی ایک پر متفق ہو کر اپنا امام بنالیں تو اسی میں اللہ کی رضا ہے اور اگر ان کے طے شدہ امر سے کسی اعتراض یا بدعت کی وجہ سے کوئی نکلتا ہے تو جہاں سے وہ نکلا ہے واپس کر دیا جائے گا اور اگر انکار کرتا ہے تو اس سے عام مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دینے کی بناء پر جنگ کی جائے گی پھر اللہ تعالیٰ اس سے سمجھ لے گا"۱۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین ماہ تک امیر المؤمنین کے خط کا کوئی جواب نہ دیا بعد ازاں قبیصہ عبسی کو ایک سربمہر خط اور زبانی پیغام دے کر دربار خلافت میں بھیجا جب خط کھولا گیا تو اس میں سوائے عنوان "من معاویہ الی علی" اور کچھ تحریر نہیں تھا۔ امیر المؤمنین نے قبیصہ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگا میں تو قاصد ہوں اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں امیر المؤمنین نے فرمایا ہاں، تو اس نے اہل شام کی مخالفت اور جنگی تیاریوں کا حال ان الفاظ میں بیان کیا

"میں شام میں ایسے لوگوں کو چھوڑ آیا ہوں جو کسی طرح آپ سے راضی نہ ہوں گے، میں نے ساٹھ ہزار شیوخ کو دیکھا ہے کہ وہ لوگ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خون آلودہ قمیص پر روتے ہیں اور یہ قمیص لوگوں میں جوش پیدا کرنے کی غرض سے جامع دمشق کے منبر پر رکھی ہوئی ہے"۲۔

جنگ جمل : حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ منورہ میں موجود نہ تھیں بلکہ حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھیں انہیں

---

۱ : ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۲۵۱۔
۲ : (تاریخ ابن خلدون، جلد اول، صفحہ ۴۷۹)

وہیں شہادت ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور خلافت امام الاولیاء علیہ السلام کا علم ہوا نیز بعض لوگوں نے ام المؤمنین کو بتایا کہ قاتلین عثمان کو حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی پشت پناہی حاصل ہے۔

عصر حاضر کے مشہور و معروف سکالر علامہ ابوالحسن علی ندوی "اختلافات کی ابتداء اور جنگ جمل" کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں:

"وہ دونوں (یعنی طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ) مکہ گئے جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ پھر مکہ سے دونوں چلے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لئے بصرہ آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت علی علیہ السلام کو یہ خبر ملی تو وہ مدینہ سے چل کر عراق آئے اور مدینہ میں سہل بن حنیف کو اپنا قائم مقام بنایا پھر ان کو بھی لکھا کہ ان کے پاس آجائیں اور مدینہ پر ابوالحسن المازنی کو والی مقرر کیا، مقام "ذو قار" پر منزل کی اور عمار بن یاسر اور حسن بن علی کو کوفہ والوں کے پاس بھیجا کہ وہ لوگ ان کے ساتھ نکلیں، وہ لوگ آگئے، ان سب کو لے کر بصرہ آئے، وہاں انہوں نے طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے حامیوں سے جو بصرہ میں تھے یوم الجمل کے دن مقابلہ کیا۔

یہ واقعہ جمادی الآخرہ ۳۶ ہجری کو پیش آیا اور علی رضی اللہ عنہ نے ان سب پر غلبہ پایا، مقتولین کی تعداد تیرہ ہزار تک پہنچ گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں پندرہ راتیں گذاریں اور پھر کوفہ واپس آئے"

حضرت علی علیہ السلام کے حامیوں نے حضرت علی علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کے حامیوں کا مال غنیمت ان کے درمیان تقسیم کیا جائے تو حضرت علی علیہ السلام نے اس مطالبہ کو رد کیا۔ سبائیوں نے اعتراض کیا، کہا آپ کس طرح ان کے خون کو حلال کرتے ہیں اور ان کے مال کو ہمارے لئے حلال نہیں کرتے۔ جب یہ خبر حضرت علی علیہ السلام کو ملی تو انہوں نے کہا کہ تم میں کون ہے جو یہ

پسند کرتا ہے کہ ام المؤمنین اس کے حصہ میں آئیں، اس پر سب خاموش ہو گئے۔

جنگ کی ابتداء حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے نہیں ہوئی، انہوں نے اسی وقت قتال شروع کیا جب اہل جمل نے ابتداء کی۔ طحاوی نے اپنی سند سے زید بن وہب سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام وہاں پہنچے اور "ذی قارہ" میں اترے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ کے پاس بھیجا، انہوں نے ان کی بات ماننے میں سستی دکھائی۔ پھر ان کو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بلایا تو وہ نکل پڑے حضرت زید کہتے ہیں کہ نکلنے والوں میں میں بھی تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء سے جنگ کرنے میں پہل نہیں کی۔ جب اہل جمل نے قتال شروع کیا تو پھر ان لوگوں سے حضرت علی علیہ السلام نے قتال کیا"[۱]

ام المؤمنین کا اعزاز و اکرام: ان امور سے فراغت کے بعد امام الاولیاء نے نہایت ہی عزت واحترام کے ساتھ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو بصرہ سے چالیس معزز خواتین اور حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بصرہ سے روانہ فرمایا[۲]۔ اس موقع پر کثیر تعداد میں لوگ موجود تھے، رخصت ہوتے وقت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا "اے میرے بچو! ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کا گلہ شکوہ نہ کرے، ہمارے اور علی کے درمیان پچھلے دنوں اگر کچھ غلط فہمی یا شکوہ شکایت رہی ہے تو صرف اس قدر جتنا ایک خاتون اور اس کے دیوروں کے درمیان کبھی کبھی ہو جایا کرتی ہے اور وہ علی المرتضیٰ علیہ السلام میری عزیزانہ شکایت یا تاثر کے باوجود صلحائے امت میں ہیں اس پر حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا "واللہ ام المومنین نے سچ فرمایا ہمارے اور ان کے درمیان صرف اسی قدر بات تھی اور وہ تمہارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہیں اور امیر المؤمنین

۱: المرتضیٰ، علامہ سید ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۲۳۸۔

۲: تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، صفحہ ۵۰۴۔

حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کئی میل تک ام المومنین رضی اللہ عنہا کو رخصت کرتے وقت ساتھ گئے ا۔ اور اپنے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسن علیہ السلام کو بھی ان کے ساتھ بھیجا جنھوں نے پورا ایک دن حضرت ام المؤمنین کے ساتھ سفر میں گزارا اور پھر واپس تشریف لائے۔ ۲۔

تواتر کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ندامت کا اظہار کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں "کاش میں یوم الجمل سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئی ہوتی" اور جب بھی اس دن کو یاد کرتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا ۳۔

حضرت علامہ ابوالحسن علی ندوی "صحابہ کرام کے اختلافات اور خانہ جنگیوں پر ایک نظر" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"ضرورت ہے کہ بہت ٹھنڈے دل و دماغ سے ان اختلافات کا مطالعہ کیا جائے جو صحابہ کرام کے درمیان پیش آئے اور جن میں سے بعض اختلافات اتنے بڑھے کہ جنگ کی نوبت آگئی۔ جن لوگوں کو ان حالات کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے ان پر جلد بازی میں کوئی حکم لگا دینا اور بے دھڑک ان کو زیغ و ضلال میں مبتلا دنیا پرست جاہ و مال کا طالب اور بد نیت کہہ دینا مناسب نہیں ہے۔ یہ تاریخی تجربات کا تقاضا ہے نیز خالص علمی انداز میں ان حوادث کا ایجابی انداز میں تجزیہ کرنا چاہئے۔ وہ لوگ جو براہ راست ان حالات سے گذرے اور جنگ و جدال تک کی نوبت آگئی ان کے گرد و پیش جو حالات تھے جس پیچیدہ قسم کے معاشرے سے ان کا سابقہ تھا اور اس وقت کا جو ماحول بن گیا تھا بغیر ان سب سے مطالعہ کئے ہوئے عجلت اور جذباتیت میں کسی کے خلاف کوئی بات طے کر لینا صحیح نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ قریب میں جو حوادث پیش آتے ہیں ان کے سمجھنے میں بھی غلطی ہو جاتی ہے کیونکہ ہم حالات اور

ا۔ ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۲۴۶۔

۲۔ تاریخ ابن خلدون، جلد ا، صفحہ ۵۰۴۔

۳۔ ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۲۴۷۔

ماحول کا صحیح اور متوازن اندازہ نہیں کر سکتے لہٰذا اس دور کے حوادث جن پر ایک زمانہ گذر چکا ہے اور وہ ہمارے ماحول سے بہت مختلف ماحول میں پیش آئے اس وقت کے کیا محرکات تھے اور جو افراد ان سے دوچار تھے ان کے لئے کیا دواعی اور جذبات تھے، جب تک ان کو اچھی طرح سمجھا نہ جائے ان کے مقاصد حالات کے صحیح پس منظر، خود ان کے دینی رجحانات، سابقہ خدمات ان سب کو ایک ساتھ رکھ کر اور ایک کو دوسرے سے مربوط کر کے مطالعہ نہ کیا جائے انصاف وعدل کی راہ کا پالینا دشوار ہو گا۔ جنگ جمل کے معاملہ میں یہی صورت حال تھی۔ ایک گروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ طلب کر رہا تھا، دوسرا گروہ اپنے آپ کو اس سے عاجز پا رہا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی ذات اس جنگ و اختلاف کا نشانہ بنی۔

ابو بکر، ابو البختری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ جمل میں ان کا مقابلہ کرنے والوں کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ

کیا وہ سب مشرک تھے؟

فرمایا: شرک سے تو وہ فرار اختیار کر چکے تھے۔

تو کیا وہ منافق تھے؟

فرمایا: منافق اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

تو پھر وہ کیا تھے؟

فرمایا: میرے ہی بھائی تھے، میرے خلاف بغاوت کر رہے تھے۔

اور مزید فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ ہم اور وہ سب ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

و نزعنا ما فی صدورھم من غل اخواناً علی سرر متقابلین

بڑی تعداد میں لوگوں نے اس طرح کی روایات نقل کی ہیں کہ جنگ جمل میں شریک ہونے والے اپنی رائے سے رجوع کر چکے تھے اور انہیں اس پر افسوس تھا۔ خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح کی روایت ہے جیسا کہ ابو بکر اور ان کے علاوہ متعدد راویوں کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے سنا اور الحاکم نے ثور بن مجزاۃ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے جنگ جمل کے موقعہ پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ ان کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ انہوں نے پوچھا تم کس گروہ سے ہو؟ انہوں نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کے لوگوں میں ہوں، اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرلوں میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا، انہوں نے بیعت کی اور اسی لمحے جان جان آفریں سے سپرد کر دی۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آکر یہ ماجرا سنایا، فرمایا اللہ اکبر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد صحیح ثابت ہوا۔ اللہ کو پسند نہیں تھا کہ طلحہ میری بیعت کے بغیر جنت میں داخل ہوں"[۱]۔

"صلح کی دعوت : اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے تاہم اتمام حجت کے لئے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی اور جریر بن عبد اللہ کو قاصد بنا کر بھیجا۔ جریر ایسے وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے کے ان کے دربار میں روسائے شام کا مجمع تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط لے کر پہلے خود پڑھا پھر بآنگ بلند حاضرین کو سنایا۔ بعد حمد و نعت کا مضمون یہ تھا "تم اور تمہارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مہاجرین وانصار میں اتفاق عام سے مجھے منصب خلافت کے لئے منتخب کیا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی انہیں لوگوں نے منتخب کیا تھا اس لئے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائے

---

۱ : مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، المرتضیٰ صفحہ ۲۴۵۔

گا پس تم مہاجرین وانصار کی اتباع کرو، یہی سب سے بہتر طریقہ ہے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو اپنی مقصد براری کا وسیلہ بنایا ہے، اگر تم کو عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو اس کے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکہ اور فریب ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیس بائیس سال سے شام کے والی تھے اس طویل حکومت نے ان کے دل میں استقلال اور خود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی، جس کے حصول کے لئے اس سے بہتر موقع میسر نہیں آسکتا تھا---- حضرت علی علیہ السلام کے معزول کردہ تمام اموی عمال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گرد و پیش جمع ہو گئے تھے۔ بہت سے قبائل عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شاہانہ داد و دہش نے ان کو بھی ان کا طرفدار بنا دیا تھا"۔ ا۔

جنگ صفین : امیر المؤمنین نے آٹھ ہزار اور چار ہزار کے دو لشکر یکے بعد دیگرے شام کی طرف روانہ فرمائے اور پھر ان کے پیچھے اشتر کو ان کی کمان سونپ کر روانہ کرنے لگے تو یوں وصیت فرمائی "خبردار جنگ میں پہل نہ کرنا اور جب تک فریق مخالف حملہ نہ کر دے ہرگز لڑائی نہ کرنا ۲۔ ادھر سے امیر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی ابو الاعور سلمٰی کو ہراول دستے کے ساتھ روانہ کیا۔ دونوں لشکر صفین کے مقام پر ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوئے۔ شامی لشکر نے دریائے فرات پر قبضہ کر کے علوی لشکر کو پانی دینا بند کر دیا۔ ۳۔

امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام جب پہنچے تو فوجیوں نے پانی کی بندش کی شکایت کی۔

ا۔ : سیر الصحابہ، شاہ معین الدین ندوی، صفحہ ۲۷۸-۲۷۹

۲-۳۔ : تاریخ ابن خلدون، جلد ا، صفحہ ۵۱۵۔

امام الاولیاء نے حضرت صعصہ بن صوحان کی معرفت یہ پیغام بھیجا کہ ہم تم سے اس وقت تک نہیں لڑتے جب تک تمہارے عذر نہ سن لیں۔ مگر تمہارے فوجیوں نے دریائے فرات پر قبضہ کر کے ہم پر پانی روک دیا ہے اور لوگوں کا پیاس سے برا حال ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود ہم تمہیں راہ حق کی دعوت دیتے ہیں اور جب تک اتمام حجت نہ کر لیں ہرگز لڑائی شروع نہیں کریں گے، تم اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ جب تک متنازعہ امور کا فیصلہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک ہمیں پانی لینے سے نہ روکیں اور اگر تمہارا یہ مطلب ہو کہ جس غرض سے ہم آئے اسے چھوڑ کر پانی ہی پر لڑیں اور جو شخص غالب ہو تو پانی اپنے تصرف میں لائے تو اس کے لئے بھی تیار ہیں۔ ا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کیا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پانی پر سے قبضہ اٹھا لینے کی رائے دی لیکن بنوامیہ کے دیگر افراد اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بجائے ان کی رائے پر عمل کرتے ہوئے پانی کی بندش کا فیصلہ برقرار رکھا اور ابو الاعور کو حکم دیا کہ امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فوج پانی نہ لینے پائے۔ ۲۔

امیر المؤمنین نے مجبور ہو کر حملہ کیا، شامی فوجی حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی شجاعت کا مقابلہ نہ کر سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ نے دریائے فرات پر قبضہ کر لیا تو علوی لشکر نے شامیوں پر پانی بند کرنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں اس فعل سے باز رکھا ۳۔

مصالحت کی کوشش: امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اتمام حجت کے لئے بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج کر صلح کا پیغام دیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

ا۔ تاریخ ابن خلدون، جلد ا، صفحہ ۵۱۶۔

۲۔ ایضاً صفحہ ۵۱۶

۳۔ ایضاً

"دونوں طرف علماء، فضلاء اور حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جو دل سے اس خوں ریزی کو ناپسند کرتی تھی، اس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکے رکھا اور اس درمیان میں برابر مصالحت کی کوشش کرتی رہی۔ اس اثناء میں دونوں طرف سے پچیاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ غرض ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ تین مہینے صرف صلح کے انتظار میں گذر گئے لیکن اس کی کوئی صورت نہ نکل سکی اور جمادی الآخری کے شروع میں جنگ چھڑ گئی۔

آغازِ جنگ: لڑائی کا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دفعہ یعنی صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوج میدان جنگ میں اترتی تھی اور کشت و خون کے بعد اپنے فرد وگاہ پر واپس جاتی تھی۔ فوج کی کمان حضرت علی علیہ السلام کبھی خود کرتے تھے اور کبھی باری باری سے اشتر نخعی، حجر بن عدی، شبث ربعی، خالد بن المعمرہ، زیاد بن النضر، زیاد بن حصفہ التیمی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہ، معقل بن قیس اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے۔ یہ سلسلہ جمادی الآخری کی آخری تاریخوں سے جاری رہا لیکن جیسے ہی رجب کا ہلال طلوع ہوا، اشھر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعتاً دونوں طرف سے جنگ رک گئی۔ اس التواء سے خیر خواہان امت کو پھر ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کا موقع مل گیا۔ چنانچہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے حسب ذیل گفتگو کی

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ: تم علی علیہ السلام سے لڑتے ہو، کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کے لئے لڑتا ہوں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ: کیا عثمان رضی اللہ عنہ کو علی علیہ السلام نے قتل کیا ہے؟

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ : قتل تو نہیں کیا ہے، قاتلوں کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو میرے سپرد کر دیں تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔

اس گفتگو کے بعد حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرائط سے مطلع کیا۔ اسے سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے علوی فوج سے نکل کر کہا کہ "ہم سب عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں" حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہ نے یہ رنگ دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقے کی طرف چلے گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

غرض پہلی رجب سے اخیر محرم ۳۷ ہجری تک طرفین سے سکوت رہا اور کوئی قابل ذکر معرکہ پیش نہ آیا"۱۔

الغرض جب مصالحت کی کوششیں بالکل ناکام ہو گئیں اور صلح کی کوئی امید باقی نہ رہی تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے لشکر کو جنگ کے لئے تیار کرتے ہوئے درج ذیل ہدایات جاری فرمائیں

"جب تک حریف تم پر حملہ نہ کرے تم لوگ ہر گز حملہ نہ کرنا، جب ان کو شکست ہو تو بھاگنے والوں کا تعاقب اور قتل نہ کرنا، زخمیوں کا اسباب نہ چھیننا، کسی کا ستر نہ کھولنا، نہ ہی مثلہ کرنا (ہاتھ، پاؤں، نہ کاٹنا وغیرہ) نہ کسی کا مال و اسباب لوٹنا اور نہ کسی عورت پر دست درازی کرنا اگرچہ وہ تم کو گالیاں ہی کیوں نہ دے"۲۔

حضرت علامہ شاہ معین الدین ندوی مرحوم اس جنگ کے متعلق لکھتے ہیں :

"اس قدر خوں ریز لڑائیاں پیش آئیں کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے، پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس طوالت سے تنگ آکر اپنی فوج کے سامنے نہایت پرجوش تقریر کی اور اس کو فیصلہ کن جنگ

۱۔ سیر الصحابہ، حصہ اول، مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم، ادارہ اسلامیات لاہور صفحہ نمبر ۲۸۰-۲۸۱

۲۔ تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، صفحہ ۵۲۰۔

کے لئے ابھارا، تمام فوج نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس تقریر کو لبیک کہا اور اپنے حریف پر اس زور سے حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے"۔۱

جنگ صفین کا آغاز: یکم صفر ۳۷ ہجری سے صفین کے میدان میں جنگ شروع ہوئی اور سات دن تک گھمسان کی جنگ جاری رہی۔ یہاں تک کہ سرور کونین ﷺ کے محبوب صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل شام سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" میں لکھتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ صفین کے موقع پر حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی فوج میں تھے اور اسی میں شہید ہوئے"۔۲

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے قبائل ربیعہ، مضر اور ہمدان کے ہمراہ شامی لشکر پر ایسا حملہ کیا جس سے ان کی صفیں الٹ گئیں اور وہ بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنے لگے۔ حیدر کرار انہیں منتشر کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب پہنچ گئے اور للکار کر فرمایا

"اے معاویہ! ناحق لوگوں کی خوں ریزی سے کوئی فائدہ نہیں ہے، آؤ ہم اور تم آپس میں ایک دوسرے سے نپٹ لیں جو اپنے مقابل کو مارے وہی صاحب الامر (امیر) ہو۔ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا یہ فیصلہ تو بہت اچھا ہے، تو (امیر) معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس سے کہنے لگے کیا تم کو معلوم نہیں کہ علی المرتضیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جو جاتا ہے وہ جان بر نہیں ہوتا"۔۳

۱۔ سیر الصحابہ، صفحہ ۲۸۱

۲۔ ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۵۵ حوالہ الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۵۱۲۔

۳۔ تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، صفحہ ۵۲۵۔

الغرض وہ شیر خدا ؑ کے ساتھ دوبدو مقابلہ کے لیے تیار نہ ہوئے کیونکہ اس کا انجام وہ جانتے تھے لیکن اپنی فوج کو برابر جنگ پر اکساتے رہے یہاں تک کہ لشکر امیر المؤمنین ؑ کی فتح واضح طور پر نظر آنے لگی، امیر معاویہ ؓ نے ہزیمت سے بچنے کے لئے قرآن مجید کے اوراق نیزوں پر بلند کرتے ہوئے اعلان کروادیا کہ آؤ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرآن فیصلہ کرے گا۔ ۱؎

امیر المؤمنین ؑ کی فوج میں اختلاف پیدا ہو گیا، ایک حصہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھے دشمن پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا جبکہ دوسرے گروہ نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ امیر المؤمنین ؑ نے انہیں سمجھایا کہ شامی قرآن شریف کو مکروفریب کے لئے درمیان میں لاتے ہیں تم ان کے دھوکہ میں نہ آؤ لیکن وہ کہنے لگے کہ یہ ناممکن ہے کہ ہم کتاب اللہ کی طرف بلائے جائیں اور اس کو منظور نہ کریں تو امیر المؤمنین نے انہیں فرمایا کہ "ہم ان لوگوں سے اسی لئے تو لڑتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ پر عمل کریں کیونکہ انہوں نے تو کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے" ۲؎

فوج کا یہ اختلاف اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ امیر المؤمنین ؑ کو خطرہ محسوس ہوا کہ یہ دونوں کہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریبان نہ ہو جائیں تو آپ نے جنگ روکنے کا حکم دے دیا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے گئے تو اشعث بن قیس امیر المؤمنین کی طرف سے امیر شام کے پاس گئے اور ان کا منشاء معلوم کیا تو وہ کہنے لگے کہ ایک آدمی تمہاری طرف سے اور ایک ہماری طرف سے ثالث مقرر ہو جائے اور پھر کتاب اللہ کے مطابق وہ جو فیصلہ کریں اسے تسلیم کر لیا جائے چنانچہ دونوں فریق اس پر متفق ہو گئے۔ ۳؎

ثالثوں کا تقرر: اہل شام نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاص ؓ کو ثالث (وکیل) مقرر کیا، امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو اپنا ثالث بنانا چاہتے تھے لیکن اشعث بن قیس، مصعر بن فدک تمیمی اور یزید بن حصین مع اپنے فوجی ٹولے کے آڑے آئے اور

۱؎: تاریخ ابن خلدون، صفحہ ۵۲۷۔

۲؎: ایضاً

۳؎: تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، صفحہ ۵۲۸۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کر دیا۔ا؎

اقرار نامہ: ثالثوں کے تقرر کے بعد اقرار نامہ لکھا جانے لگا تو کاتب نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد یہ الفاظ لکھے

ھذا ما تقضی علیہ امیر المؤمنین تو عمرو بن العاص نے فوراً قلم پکڑ لیا اور کہنے لگا، امیر المؤمنین مٹادو، یہ ہمارے امیر نہیں تمہارے امیر ہوں گے جس پر احنف نے مخالفت کی ۲؎ اور معاملہ بڑھنے لگا تو امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا، یہ الفاظ نہ لکھو، صلح حدیبیہ کے موقع پر میرے پیارے محبوب ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ بھی "رسول اللہ" لکھنے پر اہل مکہ نے اعتراض کیا تھا اور پھر حضور ﷺ نے اسے حذف کروا دیا تھا ۳؎ اور اقرار نامہ یوں لکھا گیا

"یہ وہ تحریر ہے جس کو علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان نے باہم بطور اقرار نامہ لکھا ہے۔ علی المرتضیٰ نے اہل کوفہ اور ان لوگوں کی طرف سے جو ان کے ہمراہ تھے حکم مقرر کیا اور معاویہ نے اہل شام اور ان لوگوں کی جانب سے جو ان کے ہمراہ ہیں حکم مقرر کیا بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی کتاب کو منحصر علیہ قرار دیتے ہیں اور اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ سوائے اس کے دوسرے کو کوئی دخل نہ ہوگا اور قرآن شریف شروع سے اخیر تک ہمارے درمیان ہے ہم زندہ کریں گے اس کو جس کو اس نے زندہ کیا اور ماریں گے اس کو جس کو اس نے مارا ہے پس جو کچھ حکمتیں کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل کریں اور وہ حکم (ثالث) ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اور عمرو بن العاص ہیں اور جو کتاب اللہ میں نہ پائیں تو سنت عادلہ جامعہ غیر مختلف فیہا پر عمل کریں" ۴؎

ا؎: تاریخ ابن خلدون، جلد ا، صفحہ ۵۲۹۔

۲؎: ایضاً

۳؎: ابن کثیر جلد ۸، صفحہ ۵۴۱۔

۴؎: ابن خلدون، جلد ا، صفحہ ۵۳۰۔

ثالثوں کا فیصلہ : اس کے بعد دونوں حکم (وکیل یا ثالث) دومۃ الجندل میں فیصلہ کے لئے اکٹھے ہوئے۔ دونوں ثالثوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کی تفصیلات "تاریخ ابن خلدون" میں موجود ہیں، ان کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم میری رائے سے موافقت کرو گے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو امارت کی کرسی پر متمکن کرو گے تو جس شہر کی حکومت تم پسند کرو گے فوراً دی جائے گی۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے عمرو! اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ دین داری، تقویٰ اور ایمانداری کے لحاظ سے امیر و خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے اور اگر شرافت قریش کا پاس کیا جائے تو بھی علی بن ابی طالب اس کے زیادہ مستحق ہیں اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ مہاجرین سابقین اسلام کو چھوڑ کر امارت معاویہ کو دی جائے، خدا کی قسم اگر معاویہ اپنی تمام سلطنت و حکومت مجھے دیں تب بھی میں ہرگز ان کو امیر و خلیفہ نہ بناؤں گا اور میں اللہ تعالیٰ کے کاموں میں رشوت نہیں لیتا، پھر عمرو بن العاص نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرو بن عاص کی دین داری اور تقویٰ کا ذکر کرتے ہوئے اسے خلیفہ بنوانے کے لئے کہا تو پھر بھی حضرت ابو موسیٰ اشعری نے انکار کر دیا آخر کار دونوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیں اور یہ فیصلہ مسلمانوں پر چھوڑ دیں کہ وہ جسے چاہیں اسے اپنا امیر مقرر کریں[1]۔

بعد ازاں دونوں عوام کے سامنے آئے تو عمرو بن العاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا آپ بزرگ اور سن رسیدہ ہیں، آپ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے، پہلے آپ کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان فرمائیں : حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو دنیا کے داؤ پیچ سے واقف نہ تھے۔ سادگی کے ساتھ اٹھے اور حمد و ثناء کے بعد کہا "ہم لوگ ایسے امر پر متفق ہوئے ہیں عجب نہیں کہ اللہ جل شانہ اس کے ذریعہ سے امت مرحومہ میں صلح کرا دے۔ یہ بات سن

---

[1]: تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، صفحہ ۵۳۵، ابن کثیر جلد ۸، صفحہ ۵۵۵-۵۵۶۔

کر فوراً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا اے ابو موسیٰ! تم لوگوں نے جس امر پر اتفاق کر لیا تو اسی کو (عمرو بن العاص) کو پہلے تقریر کرنے دو لیکن حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے توجہ نہ دی اور بولے ہم نے کافی غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم دونوں علی و معاویہ کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کو اختیار دیں کہ وہ جسے چاہیں متفق ہو کر خلیفہ بنائیں۔ چنانچہ میں نے علی و معاویہ کو معزول کر دیا ہے اس کے بعد عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے لوگو! اس شخص (ابو موسیٰ) نے اپنے رفیق (علی المرتضیٰ علیہ السلام) کو معزول کر دیا ہے بے شک میں بھی اسے معزول کرتا ہوں اور معاویہ کو معزول نہیں کرتا اسی کو امیر المسلمین تسلیم کرتا ہوں"۱۔

حضرت عمرو بن العاص کی یہ باتیں سن کر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تلملا اٹھے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر حضرات انہیں ملامت کرنے لگے تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا مجھے عمرو بن العاص نے دھوکہ دیا، اقرار کر کے مکر گیا۲۔ اس دھوکہ دہی اور ناانصافی پر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے عمرو بن العاص سے بڑے سخت الفاظ میں احتجاج کیا، انہوں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور بات تلخ کلامی سے بڑھ کر ہاتھاپائی تک نوبت جا پہنچی لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری بیچارے شرم کے مارے امیر المؤمنین کا سامنا نہ کر سکے اور دومۃ الجندل سے مکہ مکرمہ چلے گئے۔۳

خوارج کا ظہور: گذشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ صفین میں اپنی شکست کے واضح آثار دیکھ کر شامیوں نے قرآن مجید نیزوں پر بلند کیا تو امیر المؤمنین علیہ السلام کی فوج میں سے ایک بڑا گروہ جنگ سے کنارہ کش ہو گیا حالانکہ امیر المؤمنین علیہ السلام جنگ جاری رکھنے کے خواہاں تھے چنانچہ انہی کی خواہش پر امیر المؤمنین نے جنگ روک دی جس سے شامی میدان جنگ میں عبرتناک شکست سے بچ گئے اور اس کے بعد دونوں لشکروں میں فیصلہ کے لئے ثالث مقرر

۱۔: تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، صفحہ ۵۳۵، ابن کثیر جلد ۸، صفحہ ۵۵۶۔

۲۔: تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، صفحہ ۵۳۵۔

۳۔: ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۲۵۹۔

کئے گئے تو انہیں لوگوں کی خواہش پر امیر المؤمنین ؓ کی مرضی کے خلاف حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ ثالث مقرر کئے گئے لیکن جب ثالثوں کے تقرر کے لئے باقاعدہ معاہدہ لکھا گیا تو یہ لوگ بگڑ گئے اور کہنے لگے لا حکم الا للہ (فیصلہ کا حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں) تو امیر المؤمنین نے فرمایا ھذا کلمۃ حق یراد بھا باطل (یہ کلمہ حق ہے مگر اس سے جو مطلب لیا جا رہا ہے اور کہنے والوں کی جو نیت ہے وہ باطل ہے)۔

مگر آٹھ ہزار قرآن مجید کے قاری یہ نعرے لگاتے ہوئے آپ سے الگ ہو گئے اور کوفہ سے باہر ایک گاؤں حروراء میں اکٹھے ہوئے، یہ لوگ تاریخ اسلام میں خارجی مشہور ہوئے اور انہیں حروری بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں سے نکل کر یہ نہروان میں جمع ہوئے بصرہ اور دیگر مقامات میں سے بھی ان کے ہم خیال آگئے اور ان کی تعداد سولہ ہزار تک پہنچ گئی ان کی اکثریت قبیلہ بنی تمیم سے تعلق رکھتی تھی۔ ان خارجیوں نے عبد اللہ بن وہب کو اپنا امیر مقرر کیا اور اپنے عقائد و نظریات سے اختلاف کرنے والوں کے خلاف فتنہ و فساد اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ [۱]

یہ لوگ ظاہری طور پر بڑے دیندار، قاری، عابد، زاہد، روزہ دار اور شب زندہ دار تھے اور کثرت عبادت کی وجہ سے ان کی پیشانیوں اور دیگر اعضاء پر نشانات پڑ جاتے تھے لیکن ان کے قلب زنگ آلود، نفرت، تعصب اور بغض و عداوت سے بھرے ہوتے تھے۔ ان کے خشک دماغ تنگ نظری اور تفرقہ بازی سے پر تھے۔ معاملات میں ان کی افراط و تفریط کا یہ عالم تھا کہ ادنیٰ اور معمولی سے معمولی چیز بھی مالک کی اجازت کے بغیر لینا اور کھانا گوارا نہ کرتے لیکن دوسری طرف ناحق مسلمانوں کا خون بہانے میں نہایت بے باک تھے اور کسی بے گناہ کو جو ان کا عقیدہ نہ رکھتا ہو قتل کرنے میں ان کو ذرا بھی تردد نہ ہوتا تھا۔ [۲]

مفسر قرآن حضرت علامہ ابن کثیر ؒ خوارج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ اپنی جہالت اور عقل و علم کی کمی کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ یہ امر اللہ تعالیٰ

۱۔ :ابن کثیر جلد ۷، صفحہ ۵۴۴-۵۶۰۔

۲۔ :ابو الحسن علی ندوی، صفحہ ۲۶۴۔

رب السمٰوت والارض کو راضی کر دے گا اور انہیں یہ پتہ نہ چلا کہ یہ تباہ کن کبائر میں سے سب سے بڑا گناہ ہے جسے آسمان سے راندے ہوئے ابلیس نے انہیں خوبصورت کر کے دکھایا اور یہ لوگ روز قیامت تک خسارے میں پڑ گئے"۔۱

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد احادیث مبارکہ میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے ان کی نشاندہی کرتے ہوئے بیان فرمایا:

"عنقریب ایک ایسی قوم ہوگی جو قرآن پڑھے گی لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں اور روزوں کو ان کے روزوں اور اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے، ان کی نشانی سر منڈانا ہوگی اور بدترین مخلوق ہوں گے، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے وہ انتشار و اختلاف کے وقت خروج کریں گے اور دونوں گروہوں میں سے وہ گروہ انہیں قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا"۔۲

یہ اور اس قسم کے مفہوم پر مبنی ارشادات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم بخاری و مسلم، صحاح ستہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر معتبر کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں اور علماء کرام، شارحین اور مؤرخین نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ تمام نشانیاں خوارج میں پائی جاتی تھیں۔ نیز جس وقت انہوں نے خروج کیا تو یہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتشار کا زمانہ تھا۔

جنگ نہروان: الغرض قرآن مجید کی تاویل باطلہ کرتے ہوئے خوارج نے فتنہ و فساد برپا کر دیا۔ امیر المؤمنین کی شان میں اس حد تک گستاخی و بے ادبی کا ارتکاب کیا کہ آپ پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۳۔ (نعوذ باللہ) اور اپنے باطل نظریات سے اختلاف رکھنے والوں کو ناحق قتل کرنا شروع کر دیا۔ مدائن اور بصرہ میں امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی فوج کے ساتھ ان کی جنگیں ہوئیں لیکن

۱۔: ابن کثیر جلد ۷، صفحہ ۵۶۱۔

۲۔: امام نسائی، اردو ترجمہ محولہ بالا، ۱۹۸۔

۳۔: ابن کثیر، جلد ۷، صفحہ ۵۹۴۔

جب رات ہوتی تو تاریکی میں خوراج بھاگ جاتے۔ اسی عرصہ میں نہروان کے قریب خوارج کی ملاقات صحابی رسول حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو خوارج نے خلفاء ثلاثہ کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی تو انہوں نے فرمایا وہ بہت اچھے تھے پھر امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بابت حکم مقرر کرنے کے بارے میں پوچھا تو وہ ان سے کہنے لگے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تم لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو سمجھنے والے، جاننے والے اور دین پر چلنے والے ہیں تو خوارج نے کہا تم شخصیت کی پرستش کرتے ہو اور ان کے کارناموں کی وجہ سے ان کو اچھا کہتے ہو اور یہ کہتے ہوئے حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو ذبح کر ڈالا نیز ان کی بیوی جو حاملہ تھیں، ان کا اور قبیلہ طے کی تین عورتوں کا پیٹ چاک کر ڈالا۔ ۱؎

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان ایام میں شام کی طرف روانگی کا عزم کیے ہوئے تھے کیونکہ امیر شام نے مختلف مقامات پر فوجی دستے بھیج کر بے چینی پیدا کر دی تھی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں شروع کر رکھی تھیں کہ انہی ایام میں خارجیوں کے ان مظالم کی اطلاع ملی تو آپ نے تفتیش و تحقیق کے لئے اپنا ایک قاصد روانہ فرمایا، خوارج نے اسے بھی شہید کر دیا۔ ان حالات میں یہ تجاویز سامنے آئیں کہ شامیوں سے پہلے خارجیوں کا سدباب کیا جائے چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند کرتے ہوئے شام کا ارادہ ملتوی کر دیا اور نہروان کی طرف روانہ ہوئے۔ ۲؎

اتمام حجت: امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر خارجیوں کے ساتھ لڑنے سے پہلے اتمام حجت کرتے ہوئے پیغام بھیجا کہ ہمارے بھائیوں کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دو ہم قصاص لے کر شام پر حملہ آور ہوں گے اور تم سے اس وقت تک جنگ نہ کریں گے جب تک ہم شام کی جنگ سے واپس نہ آئیں گے۔ شاید اللہ تعالیٰ اس اثناء میں تم کو راہ راست کی ہدایت کر دے۔

۱؎: تاریخ ابن خلدون، صفحہ ۵۴۰۔

۲؎: تاریخ ابن خلدون، جلد ۷ صفحہ ۵۴۱۔

خوارج نے جواب دیا "ہم سب نے مل کر ان کو مارا ہے اور ہم سب تمہارے خون اور ان کے خون کو مباح سمجھتے ہیں" اس کے بعد بھی امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان کو سمجھانے اور نصیحت کے لئے ابوایوب انصاری اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یکے بعد دیگرے بھیجا، پھر خود تشریف لائے اور ان کے سامنے خطاب فرمایا اور جنگ سے پہلے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو علم بلند کرنے کا حکم دیا اور اعلان کروادیا کہ جو اس علم کے نیچے آجائے اسے امان ہے۔ جو شخص میدان چھوڑ کر کوفہ یا مدائن کی طرف چلا جائے اسے بھی امان دی جائے گی۔ اس طرح آپ کی ان کوششوں سے چار ہزار خارجی الگ ہو گئے اور جو باقی بچے ان کے ساتھ جنگ شروع ہوئی، خوارج زیادہ دیر تک حیدر کرار علیہ السلام کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کے بڑے بڑے سردار میدان جنگ میں مارے گئے اور عبرت ناک شکست کھائی جبکہ دوسری طرف حیدری لشکر کے صرف سات آدمیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ۱؎

امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ ان خارجیوں کی لاشوں میں "ذوالثدیہ" کو تلاش کرو، وہ ایک ہاتھ سے ٹنڈا ہے اور اس کا یہ ہاتھ عورت کے پستان کی طرح ہے۔ اس کو تلاش کیا گیا لیکن نہ ملا تو امیر المؤمنین نے فرمایا "نہ مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھوٹ بولا تھا اور نہ ہی میں تم سے جھوٹ بول رہا ہوں" جاؤ اسے دیکھو اور اچھی طرح تلاش کرو چنانچہ تلاش بسیار کے بعد اس کی لاش ایک گڑھے میں سے ملی جسے دیکھ کر سیدنا حیدر کرار علیہ السلام نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور لوگوں نے بھی نعرہ تکبیر کی صدا بلند فرمائی جس سے نہروان کی فضاء گونج اٹھی پھر امیر المؤمنین علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں سجدہ شکر ادا کیا اور لوگ آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے ان کی بیخ کنی کی تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم ہرگز نہیں وہ مردوں کے اصلاب اور عورتوں کے ارحام میں موجود ہیں اور جب وہ شریانوں سے نکلتے ہیں تو جس کسی سے ملتے ہیں اس پر غالب آنے کے لئے متحد ہو جاتے ہیں۔ ۲؎

۱؎ : تاریخ ابن خلدون، جلد ۷، صفحہ ۵۴۲۔

۲؎ : ابن کثیر جلد ۷، صفحہ ۵۶۷۔

خوارج اس دور کی بدترین مخلوق تھے جیسا کہ امام الانبیاء حضور پاک ﷺ نے حدیث مبارکہ میں تصریح فرمائی اور یہ بدترین مخلوق ہر دور میں پیدا ہوتی رہے گی جس کا اظہار امام الاولیاء ؓ کے ارشاد گرامی سے ہو رہا ہے الغرض امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ ؓ نے خوارج سے نمٹنے کے بعد اپنے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں فتح مندی سے اعزاز بخشا اللہ ابھی بلا کسی وقفہ کے اپنے شامی حریفوں سے نمٹ لو" تو عراقی اس کے جواب میں کھڑے ہو کر کہنے لگے اے امیر المؤمنین! ہمارے تیر سب ختم ہو چکے ہیں، تلواریں کند ہو چکی ہیں، نیزے کے سرے، برچھیوں سے نکل گئے ہیں، ہمیں اپنے گھر واپس لے چلئے تاکہ ہم اچھی طرح تیاری کر کے اور تازہ دم ہو کر آگے بڑھیں۔ ا۔ امیر المؤمنین نے جب عراقیوں کی کمزوری، بزدلی اور سرد مہری ملاحظہ فرمائی تو کوفہ واپس تشریف لے گئے۔ ۲۔

امام الاولیاء ؓ کی شہادت : نہروان کی جنگ سے جو خارجی باقی بچ گئے تھے وہ زیر زمین چلے گئے اور انہوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کیا کہ ہم اپنے خارجی بھائیوں کے خون کا بدلہ لیں گے۔ ان میں سے تین آدمیوں نے کہا کہ ہم اپنی جان بیچ کر بھی گمراہوں کے سربراہوں کو قتل کر دیں گے ان میں عبدالرحمٰن بن عمرو عرف ابن ملجم الحمیری الکندی نے کہا کہ علی کو ختم کرنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، برک بن عبداللہ تمیمی نے کہا معاویہ کا صفایا کرنا میری ذمہ داری ہے، عمرو بن بکر تمیمی نے کہا کہ عمرو بن العاص کو میں دیکھ لوں گا۔ ان تینوں نے آپس میں عہد و پیمان کئے اور ایک دوسرے سے قسم لی کہ کوئی معاہدہ کو نہیں توڑے گا یہاں تک کہ جس کے قتل کی ذمہ داری لی ہے اسے قتل نہ کر دے یا خود ہلاک نہ ہو جائے۔ ان لوگوں نے اپنی اپنی تلواریں سنبھالیں اور ان کو زہر میں بجھایا اور طے کیا کہ یہ کام سترہ رمضان المبارک کو نماز فجر کے وقت انجام دیا جائے۔ ۳۔

۱۔ : ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۲۷۵۔

۲۔ : تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، صفحہ ۵۴۷۔

۳۔ : ایضاً صہ ۲۸۰

ابن ملجم تاریخ مقررہ سے پہلے ہی کوفہ پہنچ گیا اور سترہ رمضان المبارک کو صبح جب حضرت علی المرتضیٰ ؑ "ایھا الناس الصلوٰۃ" (اے لوگو! نماز کے لئے آؤ) کی صدائیں لگاتے مسجد میں داخل ہوئے تو ابن ملجم جو پہلے سے یہاں چھپا بیٹھا تھا تلوار سے آپ ؑ کی پیشانی مبارک پر وار کیا اور چلا کر کہا الحکم للہ لیس لک ولاصحابک یا علی حکومت صرف اللہ کی ہے، علی تمہاری یا تمہارے ساتھیوں کی نہیں) حضرت علی المرتضیٰ ؑ نے فرمایا اسے پکڑو، ابن ملجم پکڑا گیا، آپ ؑ نے حضرت جعدہ بن ھبیرہ کو نماز پڑھنے کے لئے مقرر فرمایا اور آپ کو گھر لایا گیا۔ ۱؎

امام الاولیاء ؑ نے فرمایا اسے فی الحال گرفتار رکھو اور اس کے ساتھ قید میں حسن سلوک کا معاملہ کرو، اگر میں انتقال کر جاؤں تو اسے قتل کر دینا اور مثلہ نہ کرنا ۲؎ یعنی ہاتھ پاؤں اور اعضاء وغیرہ نہ کاٹنا۔ اس عرصہ میں جندب بن عبداللہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یاامیر المومنین ؑ اگر آپ ہم سے جدا ہو جائیں تو کیا ہم امام حسن علیہ السلام کی بیعت کرلیں، ارشاد فرمایا میں نہ حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ پھر حسنین کریمین علیہما السلام کو بلایا اور وصیت فرمائی کہ میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، دنیا میں مبتلا نہ ہو جانا گو وہ تم کو مبتلا کرنا چاہے اور دنیا کی کسی بھی چیز کے حاصل نہ ہونے پر افسوس نہ کرنا، ہمیشہ حق کہنا، یتیم پر رحم کرنا، بے کسوں کی مدد کرنا، ظالم کے دشمن رہنا اور مظلوم کے معین و مددگار، کتاب اللہ پر عمل کرنا، اللہ تعالیٰ کے احکام میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈرنا اور اپنے بھائی محمد بن حنیفہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ پھر محمد بن حنفیہ کو مخاطب کر کے فرمایا میں تمہیں ان دونوں بھائیوں کی تعظیم کی ہدایت کرتا ہوں، ان کا حق تم پر زیادہ ہے کوئی امر ان کی مرضی کے خلاف نہ کرنا۔ ۳؎

آپ کی وصیت تحریری طور پر بھی تاریخ میں ملتی ہے ۴؎ پھر کلمہ طیبہ کے سوا کچھ نہ بولے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کرتے ہوئے واصل حق ہو گئے۔ ۵؎

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۱؎: تاریخ ابن خلدون، صفحہ ۲۸۰۔ ۲؎: ابوالحسن علی ندوی، صفحہ ۲۸۱۔

۳؎: تاریخ ابن خلدون، جلد ۷، صفحہ ۵۴۹۔ ۴؎: ابن کثیر جلد ۷، صفحہ ۶۴۱-۶۴۳۔

۵؎: تاریخ ابن خلدون، صفحہ ۵۴۹، ابن کثیر جلد ۷، صفحہ ۶۴۳۔

منقبت مولائے کائنات علیہ السلام

ادیب شہیر بشیر حسین ناظم (ایم اے)
تمغۂ حسن کارکردگی، سابق مشیر وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان

نشانِ عز و کرامت علی کا وجہ کریم
دفیعِ رنج و مصیبت علی کا اسمِ عظیم

علی ولی و وصی نبی، نگارِ امم
علی کے نام سے پائے حیات عظمِ رمیم

علی جہانِ رضا و وفا و علم و عمل
علی ہے طاقتِ دستِ خدا، وجیہہ و حکیم

علی سپہرِ امامت کا آفتابِ مبیں
علی ہے رونقِ کعبہ، علی چراغِ حطیم

علی مدینۂ علم و عمل کا بابِ حسیں
علی شمیمِ گلِ صفوت و کرم کی نسیم

علی کا ذکر شبِ تار میں فروغِ فواد
علی سے عشق و محبت عطائے ربِ رحیم

علی کے سچے موالی پئیں گے جامِ طہور
عدوئے شیرِ خدا کی غذا ہے آبِ حمیم

کتابِ حبِ علی خلوتوں میں پڑھ غافل!
ہوں تجھ پہ فاش رموزِ کتابِ نورِ قدیم

گدازِ جسم بطاعت مثالِ وِردِ چمن
مگر ہے قالعِ خیبر علی کا عزمِ صمیم

مثالِ موجۂ قلزم علی کا دستِ عطا
حسیفِ ابرِ بہاراں علی کا لطفِ عمیم

ہیں مستنیر ولائے علی سے لیل و نہار
قلوبِ طیبہ عاشقانِ دُرِ یتیم

علی اصولِ حقائق، علی ہے بحرِ کرم
علی ہے نفسِ نبی مالکِ جنان و جحیم

دلیلِ راہِ ہدایت علی کا نقشِ قدم
نفس مثالِ مسیحا، کلام مثلِ کلیم

ہے شمہ بھر جسے ذاتِ علی سے بغض و عناد
مری نظر میں ہے ناظم وہ مردِ شوم و لئیم

ادعیہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعلی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

علامہ مفتی علی احمد سندیلوی

شیخ التفسیر والفقہ منہاج القرآن انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی لاہور

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرے پاس پانی لاؤ۔ وہ ایک لکڑی کے پیالے کی طرف گئیں جو گھر میں رکھا تھا اور اس میں پانی لے کر آئیں۔ آپ نے وہ پانی لیا اور اس میں کلی فرمائی پھر حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا سے فرمایا آگے آؤ، وہ آگے آئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینے اور سر پر پانی کے چھینٹے دیے اور فرمایا

اللھم انی اعیذہ بك و ذریته من الشیطان الرجیم

اے اللہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا میری جانب پشت کر، انہوں نے پشت کی آپ نے ان کی پشت پر پانی کے چھینٹے دیے اور فرمایا

اللھم انی اعیذہ بك و ذریته من الشیطان الرجیم

ترجمہ: اے اللہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر فرمایا پانی لاؤ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ اب میری طرف ہے۔ میں کھڑا ہوا اور پیالہ میں پانی بھر کر پیش کیا۔ آپ نے اس میں بھی کلی فرمائی پھر مجھ سے فرمایا آگے آؤ، میں آگے بڑھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر اور ہاتھوں پر پانی کے چھینٹے دیے اور فرمایا اللھم انی اعیذہ بك و ذریته من الشیطان الرجیم

ترجمہ: اے اللہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر مجھ سے فرمایا پشت کرو میں نے پشت کی، آپ نے میری پشت پر پانی کے چھینٹے دیے اور فرمایا

اللھم انی اعیذہ بك و ذریتہ من الشیطان الرجیم

ترجمہ: اے اللہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر فرمایا ادخل باھلك بسم اللہ والبرکتہ

اللہ کے نام اور اس کی برکت سے اپنی اہلیہ کے پاس جاؤ۔ (ابن حبان بروایت انس حصن حصین ۳۳۶-۳۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی علیہ السلام سے کیا تو جو کچھ کہ آپ نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز دیا، اس میں ایک چارپائی بُنی ہوئی اور ایک تکیہ چمڑے کا کہ روئی اس کی کھجور کا چمڑا تھا اور ایک مشک تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا لوگ میدان سے ریت لائے اور گھر میں بچھائی اور حضرت ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو فرمایا کہ فاطمہ کے نزدیک نہ جائیو، یہاں تک کہ میں تیرے پاس آؤں۔ سو حضور ﷺ تشریف لائے اور دروازے پر دستک دی۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی طرف نکلی حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرا بھائی اس جگہ ہے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ وہ آپ کا بھائی کس طرح ہو گا حالانکہ آپ نے اس سے اپنی بیٹی نکاح کر دی ہے۔ فرمایا وہ میرا بھائی ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ دروازہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک وجود دیکھا، فرمایا یہ کون ہے 'ام ایمن نے عرض کی کہ یہ اسماء بنت عمیس ہے۔ رسول ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو فرمایا کہ تو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کی تعظیم کو آئی تھی۔ اس نے عرض کیا ہاں، تو رسول ﷺ نے اس کے لئے دعائے خیر فرمائی پھر رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اور یہود کا دستور تھا کہ بند کرتے تھے مرد کو اس کی عورت سے جب کہ داخل ہوتا مرد اپنی عورت پر یعنی اس کو اپنی عورت سے جماع کرنے سے منع کرتے تھے"۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

فدعا رسول الله ﷺ بتور من مآء فتفل فيه و عوذ فيه ثم دعا علياً فرش من ذلك المآء على وجهه و صدره و ذراعيه ثم دعا فاطمة فاقبلت تعثر في ثوبها حيآء من رسول ﷺ ففعل بها مثل ذلك ثم قالمها ابنتي والله اني ماوردت ان ازوجك الا خير اهلي ثم قام فخرج (خصائص نسائی حديث ۱۲۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے پانی کا پیالہ منگوایا اور اس میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور اعوذ پڑھا اور پھر حضرت علی ؓ کو بلایا اور اس پانی میں سے اس کے منہ اور سینے اور بازوؤں پر چھڑکا پھر حضرت فاطمہ کو بلایا، وہ حضور ﷺ کی حیاء کی وجہ سے کپڑے میں لپٹی ہوئی حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا یعنی ان کے منہ اور سینے پر پانی چھڑکا، پھر اس کو فرمایا اے میری بیٹی! اللہ کی قسم نہیں ارادہ کیا میں نے مگر یہ کہ تیرا نکاح اپنی اہلبیت میں بہتر کے ساتھ کروں پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے گئے۔

انه مغفور لك

خدا تعالیٰ تجھ کو بخش چکا

حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تجھے وہ کلمے نہ بتلاؤں کہ جب تو ان کو کہے تو تیری مغفرت ہو جائے مع مغفور لك باوجودیکہ اللہ تعالیٰ تیری بخشش کر چکا ہے وہ کلمے یہ ہیں

لا اله الا الله الحليم الكريم لا اله الا الله العلى العظيم سبحان الله رب السموٰت السبع والارضين السبع و رب العرش العظيم الحمد لله رب العلمين

ترجمہ: سوائے اللہ کے کوئی بندگی کے لائق نہیں، وہ حلیم و کریم ہے۔ نہیں کوئی لائق عبادت کے سوائے اللہ کے کہ بلند اور بزرگ ہے۔ پاک ہے رب ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کا اور رب بڑے تخت کا، سب تعریف اللہ کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی شان ہے کہ وہ بخشش اور جنت کی خوشخبری سن کر تکبر و غرور

میں مبتلا نہیں ہوتے نہ ہی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے حضور دعائیں مانگنے میں کمی کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے انکا جذبہ عبادت و اطاعت مزید بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں خود رفتہ و سرشار ہو کر خداوند قدوس کے قرب کی اس بلندی پر پہنچ جاتے ہیں جہاں انہیں اپنی نیکیاں گناہوں کی صورت میں نظر آنے لگ جاتی ہیں تو بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں

اللهم اغفرلی ما قدمت و مآ اخرت و ما اسررت و ما اعلنت و ما اسرفت و ما انت اعلم به منی انت المقدم و انت المؤخر لا اله الا انت (حصن حصین بحوالہ

ابو داؤد ، مسلم ، ترمذی، ابن حبان بروایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: اے اللہ میرے اگلے پچھلے اور مخفی و ظاہر گناہ اور وہ زیادتیاں معاف فرما جو میں نے کی ہیں اور جنہیں آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں آپ آگے کرنے والے بھی پیچھے ہٹانے والے بھی۔ آپ کے علاوہ کوئی قابل عبادت نہیں۔

مگر جاہل کو اگر غیر نبی کی طرف سے جنت کی خوشخبری مل جائے تو وہ عُجب و تکبر میں مبتلا ہو کر عبادت الٰہی ہی چھوڑ دیتا ہے اور سمجھنے لگ جاتا ہے کہ مجھے کسی عبادت کی ضرورت نہیں رہی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے تعوذ و استغفار اور دعا کی ضرورت ہے۔ آج کل جاہل مشائخ اور ان کے مرید اس حماقت میں زیادہ مبتلا ہیں۔

احب خلقك اليك

تیری مخلوق میں سے تجھے سب سے زیادہ محبوب

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بھنا ہوا پرندہ تھا، آپ نے دعا کی

اللهم ائتنی باحب خلقك اليك يا كل معی هذا الطير فجآء ه علی فاكل معه

(مشکوٰۃ مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: اے اللہ ایسے شخص کو لا جو ساری مخلوق سے زیادہ تجھے پسند ہو کہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے تو آپ کے پاس علی آئے، پس آپ کے ہمراہ وہ پرندہ تناول کیا۔

اللھم لا تمتنی حتی ترینی علیا

الٰہی مجھے موت نہ دینا حتی کہ تو مجھے علی دکھادے۔

حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس میں حضرت علی تھے، فرماتی ہیں

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو رافع یدیہ یقول اللھم لا تمتنی حتی ترینی علیا (مشکوٰۃ، مناقب علی کرم اللہ وجہہ)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا حالانکہ آپ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ الٰہی مجھے موت نہ دینا حتی کہ مجھے علی کو دکھادے۔

ف: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا یا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجتے وقت مانگی یا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ چلے گئے تب مانگی یا جب اس لشکر کی واپسی کی خبر پہنچی تب مانگی بہر حال اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے انتہائی محبت تھی ان کی غیر موجودگی بہت شاق تھی

(مرأت ۴۲۲/۸ بحوالہ مرقاۃ وغیرہ)

اللھم من کنت مولاہ فعلی مولا

الٰہی جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولیٰ ہیں

اللھم و ال من والاہ و عاد من عاداہ

الٰہی جو اِن سے محبت کرے تو اس سے محبت کر جو اِن سے دشمنی کرے تو اس کا دشمن ہو

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارکباد: اس دعا کو سننے کے بعد حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ملے، مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا ھنیا یا ابن ابی طالب اصبحت و امسیت مولی کل مومن و مؤمنہ (رواہ احمد، مشکوٰۃ، مناقب علی کرم اللہ وجہہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابو طالب کے فرزند مبارک ہو کہ تم نے صبح کی اور شام کی اس طرح کہ تم ہر مومن مرد و عورت کے مولیٰ ہو۔

ف: معلوم ہوا کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دشمن ہے خدا تعالیٰ کا دشمن ہے، صحابہ کرام کا آپس میں اختلاف رائے تھا، دشمنی نہ تھی، وہ تو رحماء بینھم تھے (مرأت ۸/۴۲۶)

اللھم عافه او اشفه

الٰہی انہیں عافیت دے انہیں شفا دے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بیمار تھا تو مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گذرے میں کہہ رہا تھا

اللھم ان كان اجلي قد حضر فارحني و ان كان متاخرا فارفعني و ان كان بلآء فصبرني

ترجمہ: الٰہی اگر میری موت آگئی ہے تو اب مجھے چین دے اور اگر ابھی دیر ہے تو مجھے صحت دے اور اگر امتحان ہے تو مجھے صبر دے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دوبارہ یہ دعا آپ پر پیش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

فضربه برجله و قال اللھم عافه او اشفه شك الراوی قال فما اشتكيت و جعي بعد (رواه الترمذی مشكوة باب مناقب علی رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں سے ان کو ٹھوکر لگائی اور فرمایا الٰہی انہیں عافیت دے، انہیں شفا دے، یہ راوی کا شک ہے، حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے وہ بیماری نہ ہوئی۔

سبحان اللہ عجیب و غریب دعا ہے جس میں مرض کے ہر پہلو پر دعا کی گئی ہے راحت دینے سے مراد موت دے دینا کہ مؤمن کی موت بھی راحت ہوتی ہے کہ موت کے ذریعہ مومن دنیا کی آفات و تکالیف سے نجات پا جاتا ہے ارفع بنا ہے رفع سے بمعنی وسعت عیش اس سے مراد صحت اور تندرستی ہے کیونکہ زندگی کی بہار تندرستی سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف میں شفا ہے آپ کی ٹھوکروں سے بیمار اچھے ہوتے ہیں بعض صوفیاء بیمار کو

ٹھوکر لگاتے ہیں، ان کے اس عمل کی اصل یہ حدیث ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس ٹھوکر اور دعا کے بعد یہ بیماری مجھے کبھی نہیں ہوئی۔ مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں "سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سے صرف صحت ہی نہیں ہوتی بلکہ درست رہنے کی گارنٹی بھی ہوتی ہے"۔ (مرأت ۴۲۲۸/۸)

سنگریزوں نے حیات ابدی پائی ہے ٹھوکروں میں تیرے اعجاز مسیحائی ہے

قم یا علی فقد بریت لابأس علیك

اے علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کہ تجھے صحت ہوئی اور تجھ پر کوئی خوف نہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ہیں کہ میں سخت بیمار ہوا سو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اپنی جگہ سلایا اور خود نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور اپنے کپڑے کا کنارہ مجھ پر ڈالا پھر فرمایا:

قم یا علی فقد بریت لابائس علیك و ما دعوت اللہ لنفس شیئاً الا دعوت لك بمثله و ما دعوت شیئا الا و قد استجیب لی او قال اعطیت الا انه قیل لی لا نبی بعدی (خصائص نسائی فی مناقب المرتضوی حدیث ۱٤۷)

ترجمہ: فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ کھڑا ہو کہ تو تندرست ہوا اور تجھ پر کوئی خوف نہیں اور میں نے اپنے لئے کوئی چیز نہیں مانگی مگر تیرے لئے بھی اس کی مانند مانگی اور میں نے کوئی دعا نہیں مانگی مگر میری دعا قبول ہوئی یا فرمایا کہ خدا نے مجھ کو وہ چیز دی مگر مجھے یہ کہا گیا کہ تیرے بعد کوئی نبی نہیں

اللهم اذهب عنه الحر و البرد

الٰہی اس سے گرمی و سردی کی تکلیف دور کردے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ سخت گرمی میں تشریف لائے اور ان پر سردی کے کپڑے تھے اور سخت سردی میں ہمارے پاس

تشریف لائے تو ان پر گرمی کے کپڑے تھے۔ پھر انہوں نے پانی منگوا کر پیا پھر اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا، جب عبدالرحمٰن اپنے باپ کے پاس آیا تو کہا اے میرے باپ! بھلا بتلا تو امیر المؤمنین نے کیا کیا کہ ہم پر سردی میں نکلے اور ان پر گرمی کے کپڑے تھے اور ہمارے پاس گرمی میں نکلے، ان پر سردی کے کپڑے تھے۔ ابو لیلیٰ نے کہا کہ کیا تو خوش طبعی کرتا ہے اور اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو میرے پاس میرے بلانے کو بھیجا اور میری آنکھیں بہت دکھتی تھیں۔ آپ نے میری آنکھوں میں لعاب مبارک ڈالا، پھر فرمایا اپنی آنکھیں کھول، میں نے آنکھیں کھولیں اس کے بعد اب تک میری آنکھیں نہ دکھیں اور آپ نے میرے لئے یہ دعا فرمائی

اللهم اذهب عنه الحر و البرد فما وجدت حرا و لابردا حتى يومى هذا

یعنی اے اللہ! اس کی سردی اور گرمی کی تکلیف دور کر دے۔ اس کے بعد آج تک نے مجھے سردی معلوم ہوئی نہ گرمی۔ (خصائص نسائی حدیث ۱۵۰)

حضرت ابی لیلیٰ سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگ تعجب کرتے ہیں آپ سے اس پر کے سردی میں پرانے کپڑوں میں نکلتے ہیں اور گرمی میں روئی کے کپڑوں اور موٹے کپڑوں میں نکلتے ہیں یعنی نہ آپ کو سردی لگتی ہے نہ گرمی۔ آپ نے خیبر کا واقعہ ذکر کیا اور فرمایا

ارسل الى و انا ارمد فقلت انى ارمد فبصق فى عينى و قال اللهم اكفه اذى الحرو البرد قال فما وجدت حرا بعد ذلك ولا برد (خصائص نسائى حديث ١٢)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس آدمی بھیجا اور میری آنکھیں آئی تھیں۔ میں نے عرض کیا کہ میری آنکھیں دکھتی ہیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک میری آنکھوں پر لگایا اور فرمایا الٰہی بچا اس کو اس گرمی و سردی کی تکلیف سے بعد از دعا نہ تو مجھے کبھی گرمی معلوم ہوئی نہ ہی سردی۔

ف: صوفیاء بعض اوقات دم کرتے وقت تکلیف کی جگہ لعاب لگاتے ہیں، اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

منقبت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم

شاعر بے بدل حضرت سید غلام حسنین
المتخلص بہ بیدمؔ شاہ وارثی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

روح روان مصطفوی جانِ اولیاء
مولا علی بہارِ گلستانِ اولیاء

مشکل کشا و قوت بازوئے مصطفیٰ
خیبر کشا و شیر نیستان اولیاء

بابِ علوم، حیدر و صفدر، امامِ دین
شاہ و امیر و قیصر و خاقان اولیاء

داتا، سخی، کریم، ید اللہ، بو الحسن
پر ہے کرم سے آپ کے دامانِ اولیاء

کحل البصر ہے خاکِ قدم بو تراب کی
نقشِ قدم ہے قبلۂ ایمان اولیاء

دیباچۂ کتابِ ولایت ہیں مرتضیٰ
اور غوث پاک مطلعِ ایوانِ اولیاء

بیدمؔ سنائے جا یونہی نغمے بہار کے
خاموش ہو نہ بلبلِ بستانِ اولیاء

رشحاتِ کوثر

حضرت علامہ مولانا کوثر نیازی

جناب مولانا کوثر نیازی خطیب، ادیب، شاعر اور دانشور ہونے کے علاوہ بین الاقوامی سطح کے دینی و مذہبی سکالر رہ چکے ہیں۔ پاکستان کے مذہبی امور اور نشریات و اطلاعات کی وزارت پر بھی فائز رہے۔ پاکستان اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئر مین کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے مولائے کائنات اسد اللہ الغالب علی کل غالب امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ ؑ کی شان میں مختلف مقامات پر جو خطبات ارشاد فرمائے ان میں سے یہ چند نورانی، ایمانی، عرفانی اور فکر انگیز اقتباسات قارئین "الحسن" کی نذر کئے جارہے ہیں (ادارہ)

کوثر مجھے اس جرم سے انکار نہیں ہے   شیدا ہوں دل و جاں سے میں اولاد علی کا

میرے ایک دوست نے کہا یہاں جرم کا لفظ مناسب نہیں تم حب محمد اور آل محمد ﷺ کو جرم کہتے ہو۔ حب علی اور آل علی (ؑ) کو جرم کہتے ہو، میں نے کہا یہ تو شعر کی جان ہے، اسے نکال دو گے تو شعر میں باقی کیا رہ جائے گا۔ میں نے کہا اگر شک ہے کہ یہ جرم ہے کہ نہیں تو آزمائش کرلو تم ان کا یوم پیدائش مناؤ، اس ملک میں لوگوں کے دلوں کے دروازے کھل جائیں گے، تم رام کا جنم دن مناؤ، ٹی وی پر دکھایا جائے گا۔ حب علی اور حب آل علی (ؑ) کی بات کی تو تم پر زمین تنگ کر دی جائے گی۔ تو یہ جرم مجھ سے سرزد ہوا اور میرے نامہ اعمال میں کوئی جرم نہیں یہی جرم ہے کہ جسے میں کل پیش کر کے اپنے آقا اور مولا سے شفاعت کا طلب گار رہوں گا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

جب سرکار (ﷺ) شعب ابی طالب میں نظر بند تھے تو جان نثار مصطفیٰ سیدنا ابو طالب نے کس طرح ان پر پہرہ دیا اور کس طرح ان کی حفاظت کی۔ اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی کتاب "مدارج النبوۃ" جلد دوم میں لکھتے ہیں "ایک لمحہ کے لئے سرکار کی حفاظت سے اور پہرہ داری سے آپ نے تساہل اور تغافل نہیں برتا اور جب آپ ﷺ نیند فرماتے تو اپنی تلوار ہاتھ میں لے کر آپ (ابو طالب) اس جگہ پر پہرہ دیتے جس طرح شمع کے گرد پروانہ طواف کرتا ہے، اس طرح آپ کے گرد طواف کرتے کہ کہیں آپ کو گزند نہ پہنچ جائے" میں اہل دل سے انصاف طلب ہوں، اصحاب کہف نبی نہ تھے، ولی تھے ان کا پہرہ دار کتا تو جنت میں جائے گا مگر جناب ابو طالب تین سال تک امام انبیاء کا پہرہ دیں اور اس کے باوجود لوگ انہیں دوزخی ٹھہرائیں اس سے بڑھ کر ایذائے مرتضیٰ اور ایذائے مصطفیٰ کی صورت کیا ہو گی؟

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں تو یہ کوئی شیعی روایت نہیں، اس پر اہل سنت والجماعت کے بڑے بڑے جلیل القدر علماء و صلحاء نے قلم اٹھایا ہے اور اس کی تائید و تصدیق، تصویب، تفصیل، تفسیر اور تعبیر میں علم و حکمت کے دریا بہادیئے ہیں، بے شمار کتابیں ایسی ہیں جن میں ارشاد رسول کی تشریح میں فکر و نظر کو کتنے ہی مخفی پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے مگر اس کو کیا کہا جائے کہ ریسرچ اور تحقیق کے نام پر یار لوگوں نے اس تابناک حدیث نبوی پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ سچ پوچھئے تو یہ لوگ محقق اور مصنف نہیں ہیں اہل بیت اطہار کے خلاف شمر ذی الجوشن، یزید اور ابن زیاد کے مقدمہ کے وکیل صفائی ہیں۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے بے علم خدا کو نہیں پہچان سکتا تو مقدمہ یہ قائم ہوا کہ نجات کے لئے خدا شناسی ضروری ہے اور خدا شناسی کے لئے علم ضروری ہے اور علم کے لئے مدینۃ العلم جانا ضروری ہے اور مدینۃ العلم میں جانے کے لئے باب مدینۃ العلم پر حاضر دینی

ضروری ہے۔ آج جو یہ خزاں ہے، یہ جو آج دل کی کھیتیاں ویران ہیں، ان میں کوئی بلبل نہیں چہکتا، کوئی غنچہ نہیں چٹکتا، کوئی پھول نہیں کھلتا، کوئی سبزہ نہیں لہکتا یہ اسی لئے کہ ہم نے اس چمنستان کرم سے اپنے آپ کو دور کر دیا ہے۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

آج (۱۳ رجب) تصوف وطریقت، تقویٰ وطہارت، عبادت، کرامت اور ولایت کی عید ہے، آج خلافت وامامت کی عید ہے آج ذہانت وذکاوت کی عید ہے، آج تدبر وشرافت کی عید ہے، آج تہذیب وثقافت کی عید ہے، آج شجاعت وبسالت کی عید ہے، آج عقل اور انسانیت کی عید ہے، آج وہ آیا جو خانہ کعبہ میں پیدا ہوا علی (المرتضیٰ) کو اتارا حق نے تو عین کعبہ میں کھلی جو آنکھ تو پہلے خدا کا گھر دیکھا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

آج کے دن وہ آیا جس کا چہرہ اقدس خورشید کی طرح تاباں ودرخشاں تھا، جس کا ماتھا کبھی غیر اللہ کے آگے نہیں جھکا تھا، جس نے اپنی آنکھیں اللہ کے گھر میں کھولیں اور پرورش آغوش رسالت میں پائی اور "جو پہلا مسلمان نہ تھا پہلے ہی سے مسلمان تھا" اور جس کے چہرے کو اللہ نے عزت وشرف اور کرم عطا کیا اس لئے ہم کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

آج وہ آیا جس نے اسلامی نظام اور غیر اسلامی نظام میں فرق واضح کیا جو خلافت اور ملوکیت میں حد فاصل تھا جس نے بتایا کہ اصول پرستی اور امانت کو اسلامی نظام سیاست میں کیا مقام حاصل ہے؟ جس نے اپنے عمل سے بتایا بھائی اگر دشمن کے پاس چلا جائے تو چلا جائے مگر اس کا وظیفہ بیت المال سے بند نہ ہو، جس نے یہ بتایا کہ لوگ ساتھ چھوڑ دیں تو چھوڑ دیں لیکن ضمیروں کو خریدنے کی کوشش نہ کرو۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

ایک طرف آج انسانی معاشرہ مادیت کے سیلاب کی زد میں ہے، ذہن Materialistic ہو گئے ہیں، دھریت کا فتنہ زوروں پر ہے، دنیا پرستوں کی بن گئی ہے، دوسری طرف تکبر عروج پر ہے، اللہ کو بھول گئے ہیں، ہر شخص بڑائی کا ایک دیو پیکر نظر آتا ہے، عاجزی نہیں رہی، خاکساری نہیں رہی ہے، اخلاق نہیں رہا ہے، مٹی ہوئی طبعیتیں نہیں رہی ہیں۔ ایسے انسانی معاشرہ کے ماحول میں جناب ابو تراب کی سیرت کی ضرورت ہے ان کی دی ہوئی روحانیت کی ضرورت ہے، ان کے قائم کیے ہوئے سلسلہ ہائے تصوف کی ضرورت ہے۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

کہتے ہیں کہ جناب علی کے زمانہ میں فتوحات نہیں ہوئیں۔ قیصر و کسریٰ کے تخت نہیں اٹھے، ایران اور روم بھی فتح نہیں ہوئے۔ میں کہتا ہوں کہ پھر انصاف شرط ہے جو یہ بات کرتے ہیں ذرا سوچو دوستو اگر تاج محل کی بنیاد رکھنے والے نے اس کی بنیاد نہ رکھی ہوتی تو تاج محل کی عمارت بن سکتی تھی؟ اگر بیج بونے والے نے بیج نہ بوئے ہوتے تو کوئی فصل کاٹ سکتا تھا؟ اگر بدر و احد اور خندق و خیبر میں ذوالفقار حیدری نہ چمکی ہوتی، عمرو بن عبدود کو اور مرحب کے پرخچے ذوالفقار حیدری نے نہ اڑائے ہوتے، بدر و احد میں پشتوں کے پشتے نہ لگائے ہوتے تو کیا تمہاری فتوحات ایران اور روم تک پہنچ سکتی تھیں؟۔ جس نے اسلامی فتوحات کی بنیاد رکھی، جس نے تمام مشکلوں کو ختم کیا، جس نے تمام پتھروں کو ہٹایا، جس نے وہ بیج بوئے کہ تم نے فتوحات کی فصل کاٹی اس کے بارے میں کہتے ہو کہ اس کے دور میں فتوحات کا دروازہ نہیں کھولا گیا اور اسلام آگے دوسرے ملکوں تک نہیں پہنچا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

یہ (تصوف) وہ سلسلہ ولایت ہے جو سیدنا علی مرتضیٰ سے چلا اور جس کا اعلان سرکار نے غدیر خم کے موقع پر کیا اور آپ نے اعلان فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں علی اس کے مولا ہیں۔ ایک بات جس کی جانب میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تصوف جو ولایت ہی کی شاخ

ہے ،ولایت ہی کا شعبہ ہے اور ولایت ہی کا سلسلہ ہے ،اس میں جتنے سلسلے ہیں قادریہ ، چشتیہ ، سہروردیہ ،اویسیہ ، قلندریہ مشہور سلسلے یہ ہی ہیں۔ یہ سب کے سب نقشبندیہ کو چھوڑ کر قادریہ ، چشتیہ سہروردیہ ،اویسیہ یہ سب کے سب صوفیاء میں مسلمہ ہیں یہ تمام سیدنا علی علیہ السلام سے ملتے ہیں۔ صرف ایک سلسلہ کے بارے میں اختلاف ہے ، نقشبندیہ کے سلسلہ میں--- نقشبندیہ کے بارے میں دو گروہ ہیں ،ایک سکول ہے سرہندی اور ایک ہے اکبر آبادی سکول :ان دونوں میں اختلاف ہے سرہندی سلسلہ کے جو صوفیاء ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے چلا ہے اور اکبر آبادی صوفیاء کہتے ہیں نہیں یہ سلسلہ بھی منتہی ہوتا ہے حضرت سیدنا علی علیہ السلام پر۔

لا فتیٰ الا علی

حافظ حبیب الرحمٰن نقشبندی

کون لا سکتا ہے دنیا میں پیمبر کا جواب
لا سکے لائے تو کوئی پہلے حیدر کا جواب
ذوق فکر و آگہی کو نسبتیں حیدر سے ہیں
کس میں ہمت ہے کہ لائے علم کے در کا جواب
عمرو ابن عبدود ہو یا کہ ہو عنتر خبیث
لا فتیٰ الا علی، کیا سیف حیدر کا جواب
منقبت لکھنے سے پہلے با وضو ہونا حبیب
ہے سعادت دین کی، ابلیس کے شر کا جواب

مدینۃ العلم

پروفیسر ڈاکٹر محمد عطاء اللہ خان جلوی

(ع) عینِ علی سے علوذاتی ہی ہے مراد (ل) لامِ علی شان لاھوتی پہ دال ہے
(ی) یاء علی یاقوت احدیب سے ہے مراد فقد اسم اعلی کمالات حقی پہ دال ہے

اس رباعی کی تھوڑی سی شرح یہ ہے کہ امام الاولیاء، شرف الاصفیاء، باب مدینۃ العلم، عالم الحکم، عالم علم الخفی و جلی سیدنا و مولانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت امام الانبیاء، سید الاصفیاء، نور قدیم، ذات عظیم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے فرمایا" انا مدینۃ العلم و علی بابھا (او کما قال) یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔ ظاہر ہے دروازہ کے بغیر شہر میں داخلہ ممکن نہیں۔ علم حقیقی و تحقیقی، علم ظاہری و باطنی، علم لدنی و نزولی، علم شریعت و حقیقت، علم اجمالی و تفصیلی، علم حادث و قدیم، علم الخالق والمخلوق، علم الدنیا و برزخ والآخرۃ، علم النبوت والولایت، علم الازل والابد، علم الذات و صفات و اسماء والافعال، علم الوجود والعدم، علم الوحدت و کثرت، علم الحقیقت و مراتب، علم الاعیان ثابتہ و اعیان خارجہ وغیرہا۔

ہر علم کا شہر مظہر نور قدیم احمد بلا میم علیہ التحیۃ والتسلیم ہیں اور اس کا دروازہ اور داخلہ علو ذاتی کے مظہر حضرت علی علیہ السلام ہیں اور علم کی فضیلت اس سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تلقین فرمائی ہے قل رب زدنی علما یعنی آپ (ﷺ) فرمادیجئے اے رب! میرے علم میں زیادتی فرما یعنی زیادہ اور زیادہ فرما۔ عالم جاہل سے افضل ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ بندے کا مرتبہ اس کے علم کے مطابق ہوتا ہے آدم کو فرشتوں پر فضیلت علم کی وجہ سے ہے۔ قرآن پاک میں آیات تین قسم کی ہیں: ایک بینات دوسرے متشابہات اور

تیسرے مقطعات۔ بینات وہ ہیں جو ظاہر ہیں واضح ہیں جیسے اوامر و نواہی کے متعلق، امر کی تعمیل کرو، منہیات سے پرہیز کرو مثلاً نماز قائم کرو، روزہ رکھو، زکوۃ دو، اگر استطاعت ہو تو حج کرو، منہیات سے بچو، مثلاً گناہ کے نزدیک نہ جاؤ، فحش سے بچو وغیرہا۔

متشابہات وہ آیات ہیں جن کا معنی ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ جیسا جیسا بندے کا خدا کے نزدیک مقام و مرتبہ ہوگا اسی طرح اس کا معنی کرے گا۔ اس نے متعلق فرمایا لا یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یعنی ان کا معنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اللہ کے وہ بندے جو علم میں پختہ ہیں جانتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمت اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تیسری آیات ہیں مقطعات، جیسے آلم ، عسق کھیعص وغیرہ۔ اس کے متعلق علماء حق فرماتے ہیں واللہ اعلم و رسولہ یعنی اللہ جانتا ہے یا اس کا رسول ﷺ، یہ ایسا علم ہے اور ایسی زبان ہے جو عاشق اور معشوق کے درمیان ہے۔

میان عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

یعنی عاشق اور معشوق کے درمیان ایسی زبان ہے جو کراماً کاتبین بھی نہیں جانتے۔ یا وہ جانتے ہیں جن کو اللہ یا اللہ کا رسول ﷺ جنوائے اور واضح ہو کہ مرتبہ میں علو دو طرح ہے ایک علو ذاتی یعنی علو فی نفسہ اور دوسرا علو بالغیر۔ جیسا کہ وجود ذاتی اور وجود الغیر حق تعالیٰ موجود ہے بذاتہ و فی نفسہ ہے وہ وجود کے لئے کسی کا محتاج نہیں جبکہ خلق بھی موجود ہے مگر اپنے وجود کے لئے خالق کی محتاج ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ موجود بالذات موجود ہے اور موجود بالغیر حکم عدم میں ہے۔ پس صرف اور صرف حق تعالیٰ ہی موجود ہے۔ خلق بظاہر موجود نظر آتا ہے مگر حقیقت میں موجود نہیں۔ حضرت علی علیہ السلام حق تعالیٰ کے اسم علی کے مظہر ہونے کے ناطے علو ذاتی سے مشرف ہیں۔ آپ کو ذات حق کی احتیاج کے سوا اور کسی کی احتیاج نہیں اور آپ مقام فنا فی اللہ و بقا باللہ پر فائز ہونے کی وجہ سے علو ذاتی سے بھی مشرف ہیں اور اسی شرف کی وجہ سے مقام لاہوت سے فیض یافتہ ہیں۔ واضح رہے کہ مراتب ستہ یعنی مراتب السلوک میں سے ایک

مرتبہ ہے، اور ان مراتب میں سلوک کا آخری مرتبہ احدیت ہے جس کے بعد حالت غیر مدرک ہے۔ ان مراتب کا ادراک بھی سالک کو فضل الٰہی اور رہنمائی پیر کامل سے ہی ممکن ہے۔

حضرت مولیٰ علی ؑ معرفت حق کے متعلق انسان کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں

دائك فيك و ما تشعر دوائك منك و ما تبصر

مرض تیرا تیرے اندر ہے تجھے شعور نہیں، دوا تیری تجھ سے ہے تو نہیں دیکھتا

و تزعم انك جرم صغير و فى ك انطوى العلم الاكبر

تیرا گمان ہے کہ تو چھوٹا سا جسم ہے حالانکہ تیرے اندر بڑا جہان سمٹا ہوا ہے۔

و انت كتاب المبين الذى باحرفه يظهر المضمر

تو وہ کتاب روشن ہے جس کے حروف سے پوشیدہ ظاہر ہو گیا ہے۔

فلا حاجت لك من خارج و فكر ك فيك و ما تفكر

پس نہیں کوئی حاجت واسطے تیرے خارج سے اور فکر تیرا بیچ تیرے ہے اور تو فکر نہیں کرتا یعنی تیرا مرض جہالت لاعلمی اور عدم معرفت ہے۔

(مرأۃ العارفین از حضرت امام حسین علیہ السلام)۔

اقوال حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم

۱: کمزور ستم زدہ میرے نزدیک عزیز و محترم ہے یہاں تک کہ اسے اس کا حق واپس دلا دوں، قوی و ستمگر میرے نزدیک ناتواں ہے تاوقتیکہ حقِ مظلوم اس سے چھین لوں۔

۲: بے شک جہاد جنت کا دروازہ ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ دروازہ اپنے خاص دوستوں کے لئے کھولا ہے اور وہ پرہیزگاری کا لباس ہے اور اللہ کی مضبوط زرہ اور اس کی مضبوط ڈھال ہے جو جہاد کو اس سے بے پرواہ ہو کر چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلت کا لباس اور مصیبت کی چادر پہنا دے گا۔

۳: ایمان کے چار ستون ہیں: صبر، یقین، عدل اور جہاد۔

۴: دین کی پہلی بنیاد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور معرفت کا کمال تصدیق ہے اور کمال تصدیق توحید ہے اور کمال توحید اللہ تعالیٰ کو ہر سے برتر ماننا ہے۔ (نہج البلاغہ)

حاجت روائی کیجئے

مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

گمرہوں کی رہنمائی کیجئے
یا علی مشکل کشائی کیجئے

کچھ ہمیں بھی اے امیرِ اولیاء
دیجئے پاسِ گدائی کیجئے

خواہشِ ظاہر ہے باطن کی طرف
اہلِ دل کی دلربائی کیجئے

کر کے ہم کو واقفِ اسرارِ عشق
فارغِ زہدِ ریائی کیجئے

با عطائے دولتِ قرب و حضور
چارۂ دردِ جدائی کیجئے

اور تو سنتا ہے میری کون عرض
آپ ہی حاجت روائی کیجئے

جانِ حسرتؔ ہے گرفتارِ مجاز
حکمِ انعامِ رہائی کیجئے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور علمِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت علامہ مفتی خلیل الرحمٰن قادری گلوزوی
مہتمم دارالعلوم سبحانیہ حنفیہ حاجی آباد شکر پورہ روڈ پشاور

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انا مدینة العلم و علی بابھا -- الحدیث

خلیفہ چہارم حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔ والدہ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔ آپ کی کنیت ابو الحسن اور ابو تراب ہے اور لقب مرتضیٰ، اسد اللہ، حیدر اور کرار ہے۔ آپ نے نابالغ، نو عمر لڑکوں میں سب سے پہلے بعمر آٹھ سال یا گیارہ سال دین اسلام قبول کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فخریہ انداز میں فرمایا کرتے۔

سبقتکم علی الاسلام طراً غلاماً ما بلغت اوان حلم

یعنی میں نے دین اسلام قبول کرنے میں تم سب پر سبقت کی اس حال میں کہ ابھی نابالغ تھا اور جوانی کو نہ پہنچا تھا۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد ۱، صفحہ ۱۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان گنت اوصاف حمیدہ عالیہ کے مالک ہیں اور کیوں نہ ہوں جبکہ آپ کے بارے میں آقائے دوعالم، باعث ایجاد عالم، امام الانبیاء، فخر موجودات، محبوب رب کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انا مدینة العلم و علی بابھا -- الحدیث (تفسیر روح البیان جلد ٤ صفحہ ۲۷۲) یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے

یہ فضیلت اور علوم ظاہری باطنی میں ارفع و اعلیٰ مقام جو آپ کو رب ذوالجلال نے عطا فرمایا

ہے اس کی مثال نہیں ملتی اور ایک وجہ اس کی حضور شافع یوم النشور ﷺ کے ساتھ انتہائی قرب بھی ہے جو اس امت مرحومہ میں علاوہ ان کے کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ آپ صغر سنی میں ایمان لانے سے پہلے اور بعد بھی آغوش نبوی ﷺ میں پرورش پاتے رہے۔ اجتماعی طور پر آپ کے فضائل بہت زیادہ اور لامحدود ہیں، صرف علمی پہلو پر اگر آپ کے کارنامے یکجا کئے جائیں تو اس سے بہت بڑی ضخیم کتاب معرض وجود میں آجائے گی، آپ کی علمی شان بہت بلند ہے۔ تمام صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین میں حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بخشا اور فرمایا و اقضا ھم علی (رضی اللہ عنہ) الحدیث مرآۃ جلد ۸، صفحہ ۴۳۸)

یعنی اگرچہ تمام صحابہ کرام حضور ﷺ کے علمی فیوضات سے مستفیض تھے لیکن علمی مسائل، تنازعات اور مقدمات کا فیصلہ کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب میں افضل و اعلیٰ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں آپ کی رائے لئے بغیر کوئی فیصلہ نہ فرماتے تھے۔ اس فرمان نبوی ﷺ میں جو و اقضاھم علی (رضی اللہ عنہ) ہے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت زیادہ فضائل ہیں کیونکہ صحیح فیصلہ وہی کر سکے گا جس کا علم کامل ہو، اس کو اپنے نفس پر پورا اعتماد ہو، طبیعت میں اجتہادی ملکہ ہو اور یہ تمام صفات حضرت علی رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ اپنا قرب جتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و عن علی رضی اللہ عنہ قال کنت اذا سالت رسول اللہ ﷺ اعطانی و اذء سکت ابتدانی

(رواہ الترمذی، مرآۃ صفحہ ۴۱۹)

ترجمہ: روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے مانگتا تو آپ مجھے عطا فرماتے اور جب میں خاموش ہوتا تو آپ مجھ سے کلام کی ابتدا فرماتے۔

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس واقعہ سے اپنا قرب رسول ﷺ بیان فرما رہے ہیں کہ مجھے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں بہت زیادہ قرب حاصل تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آغوش رسول ﷺ میں پرورش پائی تھی اور آپ ہی کے بارے میں آقائے دو عالم ﷺ کا ارشاد عالی ہے

و عنه قال قال رسول الله ﷺ انا دار الحکمة و علی بابها. (رواه الترمذی، باب فضائل علی، مرأة المناجیح، شرح مشکوٰة صفحه ٤٢٠)

ترجمہ: روایت ہے انہی (علی علیہ السلام) سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میں علم کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

تشریح: یعنی جیسے گھر کی جو چیز ملتی ہے دروازہ ہی سے ملتی ہے۔ ایسے ہی میرے علم سے جس کو جو کچھ ملے گا علی علیہ السلام کے ذریعہ سے ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو علوم شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت سے مالا مال فرمایا۔ پھر اس کا اندازہ کون اور کیسے کر سکتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کو رب ذوالجلال نے تمام علوم اولین و آخرین عطا فرمائے تھے۔ جیسے کہ شب معراج کے واقعات بیان فرماتے ہوئے خود حضور انور ﷺ فرماتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ سألنی ربی فلم استطع ان اجیبه فوضع یده بین کتفی بلا تکیف ولا تحدید فوجدت بردها فاورثنی علم الاولین والآخرین -- الخ

(تفسیر روح البیان جلد ٥، صفحه ١٢٢)

ترجمہ: فرمایا حضور ﷺ نے کہ شب معراج رب ذوالجلال نے مجھ سے سوال کیا تو میں جواب نہ دے سکا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا بلا کیف و بلا تحدید تو میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی پس مجھے اللہ تعالیٰ نے علوم اولین و آخرین عطا فرمائے اور علاوہ اس کے تین علم عطا فرمائے، ایک علم کے بارے مجھ سے فرمایا کہ اس کو کسی پر ظاہر نہ کرنا کیونکہ میرے بغیر اس کا متحمل کوئی بھی نہیں ہو سکتا ہے اور وہ علم نبوت ہے، دوسرے علم کے بارے میں مجھے اختیار ہے کہ جسے دوں یا نہ دوں اور وہ ہے علم معرفت اور تیسرے علم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا کہ اس کو ہر خاص و عام تک پہنچاؤ اور وہ ہے علم شریعت۔ الحمد للہ کہ نبی رؤف رحیم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو مؤخر الذکر دونوں علوم سے مالا مال فرمایا ہے اور اس کی تائید اسی تفسیر کی اس عبارت سے ہوتی ہے

فالعلم الظاهری یتعلق بظواهر الشریعة و صورها و العلم الباطنی بمنزلة الباب من البیت و من اراد دخول البیت فلیأت من باب و بیت العلم و مدینة هو النبی ﷺ

قال علیه الصلوة و السلام انا مدینة العلم و علی بابها -- الحدیث

(روح البیان جلد ۵ ، صفحہ ۲۷۲)

ترجمہ: علم ظاہر کا تعلق احکام و مسائل شریعت سے ہے اور باطنی علم گھر کے دروازہ کے مانند ہے اور جو کوئی گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے تو وہ دروازہ ہی سے آتا ہے علم کا گھر اور شہر ذات اقدس حضور نبی کریم ﷺ کی ہے اور اس علم کے شہر کا دروازہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ فرمایا حضور نبی کریم ﷺ نے انا مدینة العلم و علی بابها - الحدیث- یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔

مصنف "سیف المقلدین" فرماتے ہیں کہ علم وہ بحر ناپید اکنار ہے جس تک رسائی محال اور ناممکن ہے الاماشاء اللہ---- فرماتے ہیں کہ

چوں ایں حدیث نبوی ﷺ انا مدینة اعلم و علی بابها بسمع فرقہ خوارج در آمد بر ایشان شاق گذشتہ بر علی رضی اللہ عنہ حسد بر وندو برائے امتحان دہ نفر از کبرائی ایشان متفق شدہ گفتند کہ ماہمہ از وے (علی رضی اللہ عنہ) بطاریق مسئلہ واحدہ رامی پرسیم ومیبینیم کہ جواب مارا چگونہ میدہد، اگر جواب ہر یکی رااز ماطرز نو و طور علحدہ دہد ہر آئینہ وے آن چنانست کہ فرمود نبی علی الصلوٰۃ والسلام والافلا ---بطولہ (سیف المقلدین جلد ۲، باب ۷، فصل ۲ صفحہ ۶۵۶)

نوٹ: بوجہ طوالت عبارت فارسی کے اردو ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

ترجمہ: مصنف "سیف المقلدین" فرماتے ہیں کہ حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ کی مذکورہ حدیث شریف جب خوارج کے کانوں تک پہنچی تو ان پر بہت زیادہ شاق گذری اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسد کی وجہ سے برائے امتحان دس سر کردہ کبراء آپس میں اس بات پر متفق ہوئے کہ ہم دس آدمی علیحدہ علیحدہ جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک ہی مسئلہ پوچھیں گے، اگر انہوں نے ہم میں

سے ہر ایک کو الگ الگ مختلف طریقہ سے جواب دیا تو واقعی وہ ویسے ہیں جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اور اگر اس ایک مسئلہ کا جواب سب کو ایک ہی قسم کا دیا تو پھر وہ ویسے نہیں جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ اس مشورہ کے بعد ان دس آدمیوں میں سے پہلا آدمی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ یا علی علم افضل است یا مال یعنی علم افضل ہے یا کہ مال (دولت) ؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا العلم افضل من المال یعنی علم مال سے افضل ہے۔ سائل نے کہا اس کی کیا دلیل ہے ؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس لئے کہ علم انبیاء کی میراث ہے اور مال قارون، ھامان، فرعون اور شداد کا متروکہ ہے۔ وہ خارجی یہ جواب لے کر خوارج کے پاس گیا، پھر دوسرا آدمی آیا اس نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا کہ العلم افضل ام المال یعنی علم بہتر ہے یا کہ مال ؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے کو بھی وہی جواب دیا کہ علم مال سے افضل ہے۔ سائل نے کہا اس کی کیا دلیل ہے ؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مال تیری حفاظت کا محتاج ہے کہ تو اس کی حفاظت کرے اور علم صاحب علم کی خود حفاظت کرتا ہے اور اس کو علم کی حفاظت نہیں کرنی نہیں پڑتی۔ اس کے بعد تیسرا آدمی اسی سوال کے ساتھ آیا جس کا جواب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے علم کی افضلیت میں دیا، اس نے دلیل مانگی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس لئے کہ مالدار شخص کے دشمن بہت ہوتے ہیں اور صاحب علم کے دوست بہت ہوتے ہیں، وہ خارجی بھی چلا گیا۔ پھر چوتھا آیا اور وہی سوال دہرایا جس کے جواب میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دہرایا جو کہ پہلے تین کو دیا تھا، سائل نے کہا اس کی کیا دلیل ہے ؟ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس لئے کہ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور علم میں تصرف کرنے سے وہ زیادہ ہوتا ہے۔ پھر پانچواں آدمی آیا اس نے وہی سوال کیا، مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا، سائل نے دلیل مانگی تو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس لئے کہ مالدار آدمی لوگوں میں بخیلی اور لئیمی کے نام سے شہرت پاتا ہے اور صاحب علم لوگوں میں اشرف اور الطف کے نام سے شہرت پاتا ہے۔ اس کے بعد چھٹا آدمی لیا اور وہی سوال دہرایا جواب میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے حسب سابق علم کو افضل قرار دیا، سائل کے دلیل کے مطالبہ پر فرمایا المال یحفظ من

السارق والعلم لا یحفظ من السارق یعنی غنی مال سے اس وقت تک غنی ہے جب تک مال اس سے چوری نہ ہو اور علم کا غنی ہمیشہ غنی رہتا ہے کہ اس کے لئے چور کا ڈر نہیں۔ اس وجہ کی بجائے یہ وجہ بھی بتائی گئی کہ مال تیرے ساتھ لب گور تک جائے گا اور بس اور علم مرنے کے بعد بھی ہمیشہ آدمی کے ساتھ رہے گا اور یہی وجہ دیوان حضرت علی علیہ السلام کے ان اشعار میں مذکور ہے:

رضینا قسمة الجبار فینا لنا علم و للجهال مال

فان المال یفنی عن قریب و ان العلم یبقی لا یزال

یعنی اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصہ میں علم آیا اور جاہلوں کے لئے مال اس لئے کہ مال جلد ہی فنا ہو جائے گا اور علم باقی رہے گا فنا نہ ہو گا۔ اس کے بعد ساتواں آدمی آیا اور اس نے حضرت علی علیہ السلام سے یہی سوال کیا، حضرت علی علیہ السلام نے بھی وہی جواب دہرایا تو سائل نے دلیل مانگی، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا اس لئے کہ صاحب مال کے ساتھ قیامت میں حساب ہو گا اور صاحب علم دوسرے لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ پھر وہ گیا اور آٹھواں آدمی آیا اور اس نے بھی ماسبق کی طرح سوال کیا اور اس کو بھی مولیٰ علی علیہ السلام نے وہی سابقہ جواب دیا، سائل نے دلیل مانگی تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ مال پر زمانہ گذرنے سے وہ مندرس اور بوسیدہ ہو جاتا ہے اور علم پر طویل زمانہ گذرنے سے بھی وہ فنا نہیں ہوتا بلکہ اس میں انجلاء بڑھتی جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد نواں آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے بھی وہی سوال کیا کہ اے علی علیہ السلام علم افضل ہے یا کہ مال؟ اس کو بھی مولیٰ علیہ السلام نے وہی جواب دیا، سائل نے کہا اس کی کیا دلیل ہے؟ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا مال دل کو سیاہ اور سخت کرتا ہے اور علم دل کو منور کرتا ہے اس کے بعد دسواں آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے بھی وہی سوال کیا کہ اے علی علیہ السلام علم افضل ہے یا کہ مال؟ مولیٰ علی علیہ السلام نے اس کو بھی وہی جواب دیا کہ علم افضل ہے، سائل نے کہا کونسی دلیل ہے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اصحاب مال نے خدائی کا دعویٰ کیا مال کی وجہ سے اور صاحب علم نے ایسا کبھی نہیں کیا بلکہ مصنوعات سے صانع کو پہچانا۔ بعد ازاں حضرت علی علیہ السلام فرمود پر سید از من

ازیں یک مسئلہ تاحیات من وبفضلہ تعالیٰ من آنرا جواب جداگانہ خواہم گفت پستر آں فرقہ نزد امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ در آمدند وہمہ مشرف باسلام شدند۔

ترجمہ: ان دس آدمیوں نے فرداً فرداً آکر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک ہی سوال پوچھا اور ہر ایک کو الگ الگ جواب دیا اور پھر فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ پوچھتے رہو مجھ سے ایک ہی مسئلہ کے بارے تاحیات من یعنی جب تک میں زندہ رہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں ہر ایک سائل کو نیا نیا جواب دیتا رہوں گا پھر اس کے بعد وہ تمام فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور سب توبہ تائب ہوئے--- سبحان اللہ والحمد للہ علی ذالک

یہ ہے اثر اس ارشاد نبوی ﷺ کا کہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس طرح اپنے محبوب ﷺ کے علمی فیوضات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مالا مال فرمایا اسی طرح علمی مغلقات کو حل کرنے کی استعداد بھی انہیں حاصل تھی نیز جو کوئی بھی آپ سے کسی قسم کا مسئلہ پوچھتا آپ بلا تاخیر مدلل جواب سائل کو دیکر اسے مطمئن فرمادیا کرتے تھے۔

اسی کتاب "سیف المقلدین" کے صفحہ ۲۵۸ پر ہے

"کسے از امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ پرسید کہ علم را بر متاع دنیاوی چہ فضیلت است؟ فرمود- الخ"

ترجمہ: یعنی کسی نے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دنیاوی مال و متاع پر علم کو کیا فضیلت حاصل ہے؟ آپ نے فرمایا جو چیز کہ تھوڑی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل متاع الدنیا قلیل باوجود قلیل ہونے کے متاع دنیا کے ہمیں اس کی کمیت اور مقدار کا تدارک نہیں پھر کیا خیال ہے تمہارا اس چیز کے بارے جسے اللہ تعالیٰ نے کثیر فرمایا ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و من یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً یعنی جس کو علم دیا گیا اس کو خیر کثیر سے نوازا گیا۔ انتھی

ابن عساکر نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی انہوں نے کہا مدینہ منورہ والوں میں سب سے زیادہ وراثت کے مسائل اور قضاء کے مسائل جاننے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

(تنویر الازہار صفحہ ۲۸۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علمی میدان میں کبھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ ایک لطیف واقعہ آپ کے بارے منقول ہے۔

"مشہور است کہ بارے علی رضی اللہ عنہ درمیان خلیفہ اول و خلیفہ ثانی براہے میر فتند رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایشان ہر دو بلند و بالا و وی درمیان پست قد بود یکے از ایشان بطریق ظرافت فرمود۔یا علی انت وفینا کالنون بین لنا یعنی تو درمیان ما ہر دو چناں کوتاہ قدی باشی کہ حرف نون درمیان لفظ لنا علی رضی اللہ عنہ تبسم کنان جواب فرمود لولا انا فیکم لکنتما لا۔ الخ (سیف المقلدین، جلد ۲ صفحہ ۵۳۰)

ترجمہ: مشہور ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک راستہ پر جارہے تھے چونکہ یہ دونوں حضرات یعنی خلیفہ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلحاظ قدو قامت اونچے تھے اور ان دونوں حضرات کے درمیان، حضرت علی رضی اللہ عنہ قدو قامت کے لحاظ سے پستہ قد تھے۔ ان دونوں حضرات میں سے ایک نے فرمایا، اے علی! آپ ہم دونوں کے درمیان ایسے ہیں جیسے حرف نون لفظ لنا کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تبسم فرماتے ہوئے جواب دیا کہ اگر میں دونوں کے درمیان میں نہ رہوں تو پھر آپ دونوں لا ہو گے یعنی لفظ لنا سے اگر حرف نون نکال دیا جائے تو لفظ لنا صرف لا رہ جائے گا جو حرف نفی ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا وسعت علمی ہے مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی اور کیوں نہ ہو ان کو یہ وسعت علمی جبکہ وہ علوم اولین و آخرین کے شہر کا دروازہ ہیں اور وہ شہر علوم اولین و آخرین محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فقطرت علی لسانی قطرۃ کانت احلی من العسل و ابرد من الثلج فعلمت علم الاولین والآخرین -- الخ (تفسیر روح البیان، جلد ۳ صفحہ ۳۸۶)

ترجمہ: پس ڈالا گیا ایک قطرہ میری زبان پر جو شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا پس جان لیا میں نے علوم اولین و آخرین کو۔ سبحان اللہ۔

الغرض اس علوم اولین و آخرین ﷺ کے شہر کا دروازہ ہونے کے ناطے حضرت علی ؓ کے علم کی حد کو معلوم کرنا کسی شخص کی بس کی بات نہیں جس کا اندازہ حضرت علی ؓ کے اس ارشاد سے خوبی لگایا جاسکتا ہے۔

و عن علی ؓ لوحدثتکم ما سمعته من فم ابی القاسم ﷺ لخرجتم من عندی و تقولون ان علیاً اکذب الکذابین --- الحدیث (تفسیر روح البیان، جلد ٤ ، صفحه ٢٠٧)

ترجمہ: روایت ہے حضرت علی ؓ سے فرماتے ہیں اگر میں بیان کروں تمہارے سامنے وہ علمی باتیں جو میں نے محبوب خدا ابوالقاسم ﷺ کی زبان مبارک سے سنی ہیں تو تم اس پر یقین نہ کرو گے اور میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ گے اور کہو گے علی (ؓ) جھوٹ بولنے والوں میں بہت بڑا جھوٹا ہے۔
تنبیہ: مقام غور ہے کہ مولیٰ علی ؓ کا مقام تمام صحابہ کرام پر اچھی طرح واضح تھا اور ان کے قرب نبوی ﷺ سے ہر کوئی واقف تھا اور ان کے متعلق کسی کے دل میں جھوٹ بولنے کا شائبہ تک بھی نہ آسکتا تھا لیکن ان کے پاس علوم نبوی ﷺ کے سربستہ اور مخفی علوم میں سے وہ خزانہ تھا جو انہی مولائے کائنات ﷺ سے عطا ہوا تھا اگر وہ اس کو ظاہر فرماتے تو لوگ تعجب میں پڑ جاتے اور یہ بات ممکن تھی کہ بعض منافقین اور شر پسندوں کو شرارت کرنے کا موقع ہاتھ لگتا، اسی لئے تو آپ ؓ نے یہ بات فرمائی کہ آپ لوگ میرے پاس سے چلے جائیں گے اور مجھے جھوٹا کہیں گے۔ یہ تھا وہ مقام مولیٰ علی ؓ کا جو علم کے شہر کے دروازہ کی نسبت سے انہیں حاصل تھا۔

ایسا ہی ایک واقعہ "نزھۃ المجالس" میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ عمر ابن الخطاب ؓ اہل جنت کے سراج ہیں، یہ بات جب حضرت عمر ؓ تک پہنچی تو انہوں نے حضرت علی ؓ سے دریافت فرمایا کہ آپ نے یہ بات کہی ہے کہ میں اہل جنت کا سراج ہوں، کیا یہ درست ہے؟ حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ ہاں میں نے یہ بات کہی ہے تو حضرت عمر ؓ نے ان سے فرمایا کہ آپ اپنے دست مبارک سے ایک ضمانت نامہ لکھ کر مجھے دیں تو حضرت علی ؓ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا

هذا ما ضمن علی ابن ابی طالب لعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ عن جبرئیل علیه السلام عن ربه عز و جل ان عمر بن الخاطب سراج اهل الجنة فاخذها عمر رضی اللہ عنہ و قال اجعلوها فی کفنی حتی القی بهار بی ففعلوا (نزهة المجالس جلد ۲ صفحه ۱۶۷)

ترجمہ: یہ وہ تحریر ہے جبکہ ضامن ہوا ہے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ واسطے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے لئے کہ سنا ہے علی (رضی اللہ عنہ) نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اور سنا ہے حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اور جرائیل علیہ السلام نے سنا ہے اپنے رب عزوجل سے کہ عمر بن الخطاب اہل جنت کے سراج ہیں، پس لیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمانت نامہ کو اور فرمایا اپنے گھر والوں کو کہ اس ضمانت نامہ کو میری رحلت کے بعد میرے کفن میں رکھنا اور پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس نایاب علمی معلومات تھیں جس سے دوسرے اولوالمرتبت صحابہ کرام واقف نہ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مغلق مسائل حل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی۔ ایک دفعہ لوگوں نے ایک آدمی کو پکڑ کر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس آدمی کا کہنا تھا کہ میں فتنہ کو دوست رکھتا ہوں اور اس سے محبت کرتا ہوں اور حق کو مکروہ جانتا ہوں اور یہود و نصاریٰ کو سچا کہتا ہوں اور جس کو نہیں دیکھا اس پر ایمان لاتا ہوں اور جو پیدا نہیں ہوا اس کا اقرار کرتا ہوں۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو جیل بھیج دیا۔ جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو وہ تشریف لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ نے بے قصور آدمی کو جیل بھیج دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی باتیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنائیں تو انہوں نے فرمایا کہ وہ آدمی سچ کہتا ہے اور وہ صحیح مسلمان ہے، وہ کہتا ہے کہ میں فتنہ کو دوست رکھتا ہوں اور اس سے محبت کرتا ہوں تو یہ سچ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے "تمہارا اموال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہے" انما اموالکم و اولادکم فتنه. وہ کہتا ہے کہ حق کو مکروہ جانتا ہوں تو وہ موت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وجأت سکرة الموت بالحق یعنی آئی موت کی

تحتی حق لے کر اور یہود و نصاریٰ کو سچا کہتا ہے تو اس قول میں کہ یہود کہتے ہیں نصاریٰ کا مذہب کوئی شے نہیں اور نصاریٰ نے کہا یہود کا مذہب کوئی شے نہیں اور جس کو نہیں دیکھا اس پر ایمان رکھتا ہے۔ تو یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور جو پیدا نہیں ہوا اس کا اقرار کرتا ہے تو یعنی قیامت کا اقرار کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا لولا علی لھلك عمر اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے اور پھر اس آدمی کو جیل سے رہا فرمادیا۔ کئی کتابوں میں یہ روایت مذکور ہے (تنویر الازہار ترجمہ نور الابصار، جلد ۱، صفحہ ۷۵-۲۷۶)

اسی طرح ایک مشکل مسئلہ مولیٰ علی علیہ السلام کے وقت میں رونما ہوا اور وہ یہ کہ ایک شخص نے ایک خنثیٰ سے نکاح کیا اور مہر میں خنثیٰ کو اپنی لونڈی دی، اس شخص نے خنثیٰ سے جماع کیا اور وہ حاملہ ہو گیا اور اس نے بچہ کو جنم دیا اور خنثیٰ نے اس لونڈی سے جماع کر لیا جو اسے مہر میں دی گئی تھی تو وہ لونڈی بھی حاملہ ہو گئی اور یہ واقعہ لوگوں میں مشہور ہو گیا۔ بڑے بڑے اہل علم حضرات حیران تھے۔ آخر کار یہ واقعہ جب مولیٰ علی علیہ السلام کے پاس پہنچا تو آپ نے خنثیٰ کا حال پوچھا تو آپ کو بتایا گیا اس خنثیٰ کو ماہواری بھی آتی ہے اور جماع بھی کرتا ہے اور اس کے ساتھ بھی جماع کیا جاتا ہے اور وہ خود حاملہ ہے اور اس نے حاملہ بھی کیا ہے اور اس کے دونوں طرف سے مادہ منویہ خارج ہوتا ہے، لوگوں کی عقلیں اس کے جواب میں حیران ہیں۔

مولیٰ علی علیہ السلام نے خنثیٰ کے اس مشکل مسئلہ کو یوں حل فرمایا کہ آپ نے دو غلام بلائے اور انہیں حکم دیا کہ تم دونوں اس خنثیٰ کے پاس جاؤ اور اس کی دونوں طرف سے پسلیاں شمار کرو، اگر پسلیاں برابر ہیں تو وہ عورت ہے اور اگر بائیں طرف کی پسلیاں دائیں طرف کی پسلیوں سے ایک کم ہے تو وہ مرد ہے۔ دونوں غلام واپس آئے اور حضرت علی علیہ السلام کو حال بتایا تو حضرت علی علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ وہ خنثیٰ مرد ہے اور اس کے شوہر اور اس کے درمیان تفریق کر دی اور اس کی دلیل یہ بتائی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو وہ تنہا تھے تو ان پر احسان کیا اور مخفی حکمت کے مقتضی کے مطابق ان کی جنس سے ان کی بیوی پیدا کی تاکہ ہر ایک دوسرے سے

انس پکڑے جب حضرت آدم علیہ السلام سوئے تو ان کے بائیں طرف کی چھوٹی پسلی سے حوا علیہا السلام کو پیدا کیا جب حضرت آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو حوا علیہا السلام کو اپنے پاس جو بیٹھی ہوئی تھی دیکھا جو بہت خوب صورت تھی اس لئے مرد کے بائیں طرف سے ایک پسلی کم ہے اور عورت کی دونوں طرف کی پسلیاں پوری ہیں اور پوری پسلیاں چوبیس ہیں اور مرد کی ۲۳ پسلیاں ہیں، بارہ دائیں اور گیارہ بائیں طرف فصول مہمہ (فتاوی عبدالحئی جلد ا صفحہ ۷۶ ترجمہ "نور الابصار")

یہ وضاحت بھی کر دینا ضروری ہے کہ جس طرح مولیٰ علی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علوم احکام و شریعت سے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے نوازا تھا اسی طرح علوم باطنی سے بھی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو مالا مال فرمایا تھا۔ طریقت میں تلقین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو فرمائی۔

قال سیدی یوسف ثم ان علیا رضی اللہ عنہ طلب التلقین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اغمض عینیك واسمع منی ثلاث مرات ثم قل انت لا الہ الا اللہ ثلاث مرات و انا اسمع و اسمع -- الخ (الانوار القدسیۃ تالیف امام علامہ عبدالوھاب الشعرانی ، جلد ۲ صفحہ ۲۸)

ترجمہ: حضرت علامہ سید یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تلقین کی طلب فرمائی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا آنکھیں بند کر لو اور ہم سے تین مرتبہ سنو۔ لا الہ الا اللہ پھر تم تین مرتبہ کہو لا الہ الا اللہ اور ہم سنیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھیں بند فرما کر تین مرتبہ اونچی آواز سے لا الہ الا اللہ کا ورد فرمایا اور علی علیہ السلام سنتے تھے پھر حضرت علی علیہ السلام آنکھیں بند فرما کر اونچی آواز سے تین بار لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے تھے۔

اور "خزینۃ الاصفیاء" میں ہے کہ خرقہ فقر و ولایت بھی حضور نے حضرت علی علیہ السلام کو عطا

فرمایا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی ؓ کو فرمایا

بگر ایں خرقہ فقر الٰہی کہ حق تست بپوش کہ شاہنشاہ ولایت و پیشوائے اولیاء امت شدی۔ و بروایات صحیحہ ثابت است کہ چوں آن حضرت پائے مبارک بر رکاب می نہاد افتتاح تلاوت قرآن میکرد و چوں پائے دیگر بر رکاب دیگری برد ختم قرآن کریم می نمود (خزینۃ الاصفیاء جلد ۱، صفحہ ۱۶)

ترجمہ: لو یہ فقر الٰہی کا خرقہ کہ تمہارا حق ہے، پہن لو اس کو کہ شہنشاہ ولایت اور اولیاء امت کے پیشوا ہیں آپ، اور بروایات صحیحہ ثابت ہے کہ جب حضرت علی ؓ اپنے پیر مبارک کو رکاب میں رکھتے تو قرآن کریم کی تلاوت شروع فرماتے اور جب اپنے دوسرے پیر مبارک کو دوسرے رکاب میں رکھتے تو اس درمیان پورے قرآن کریم کو ختم فرما لیتے تھے۔

اور اسی کتاب میں یہ روایت موجود ہے اسماء بنت عمیس ؓ فرماتی ہیں کہ فرمایا حضرت خاتون جنت ؓ نے کہ جس رات میری رخصتی ہوئی حضرت علی ؓ کے گھر تو مجھے ان سے ڈر محسوس ہونے لگا کیونکہ زمین ان کے ساتھ کلام کرتی تھی، تو میں نے صبح ہونے پر یہ حقیقت اپنے ابا جان حضور ﷺ سے ظاہر کر دی تو حضور نبی کریم ﷺ نے میری بات سنی تو سر بسجود ہو گئے، پھر سجدہ سے سر مبارک اٹھا کر مجھ سے فرمایا "اے فاطمہ بشارت باد ترا پاکیزگی نسل بدرستی کہ خدائے تعالیٰ فضیلت نہاد شوہر ترا بر سائر خلائق و زمین را فرمود کہ اخبار خود باوی بگوید آنچہ بروے میگزرد و خواہد گذشت از مشرق تا مغرب۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد ۲، صفحہ ۱۸)

ترجمہ: کہ اے فاطمہ تمہیں بشارت ہو تیری نسل کی پاکیزگی پر بتحقیق اللہ تعالیٰ نے تیرے شوہر کو تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ اپنے حالات جو اس پر گذر رہے ہیں اور گذریں گے مشرق سے مغرب تک تیرے شوہر کو کہہ دے اور اس پر ظاہر کر دے۔

اس کتاب میں یہ واقعہ بھی تحریر ہے کہ

"وقتے علی مرتضیٰ در بعضے سفر بادشت کربلا رسید وبہ راست و چپ نگریست و گریان گریان از آں دشت پر او بار بگذشت و گفت واللہ ہمیں است جائے خوابانیدن شتران ایشاں و محل کشتہ شدن

ایشان اصحاب عرض کردند یا امیر المؤمنین این چہ جائے است فرمود دشت است و اینجا قومی کشتہ شوند کہ بے حساب در بہشت روند و قاتلان ایشان راندہ درگاہ الٰہی باشند" (خزینۃ الاصفیاء، جلد ۱ صفحہ ۱۸)

ترجمہ: ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے بعض سفر کے دوران دشت کربلا پہنچے تو اپنے دائیں بائیں طرف دیکھتے اور روتے روتے اس غم آلود دشت سے گذر گئے اور فرماتے خدا کی قسم یہی جگہ ہے ان کے اونٹوں کے بیٹھنے کی اور یہی جگہ ہے ان کے قتل ہونے کی، ساتھیوں نے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ یہ کون سی جگہ ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ایک دشت ہے اور یہاں ایک قوم قتل ہو گی جو بغیر حساب جنت میں جائے گی اور اس قوم کے قاتل راندہ درگاہ الٰہی ہوں گے۔

ان روایات سے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے علوم باطنی کا ثبوت ظاہر ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ایک عجیب و غریب واقعہ جو حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے علوم باطنی کی قوی دلیل ہے

"نقل است کہ روزے جناب ابو تراب رضی اللہ عنہ بعد ادائے نماز بامداد در مسجد کوفہ نشستہ بود شخصے را فرمود کہ بفلاں محلہ برو در آنجا مسجدے است و متصل مسجد خانہ است و دران خانہ زن و مرد باہم جنگ و نزاع میدارند آں ہر دو را پیش من حاضر کن ---بطولہ الخ" (خزینۃ الاصفیاء جلد ۱، صفحہ ۱۶)

ترجمہ: منقول ہے کہ ایک دن جناب ابو تراب (علی رضی اللہ عنہ) صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد کوفہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک آدمی سے فرمایا کہ فلاں محلّہ میں جاؤ اس محلّہ کی مسجد کے متصل ایک گھر ہے اس گھر میں ایک مرد اور ایک عورت آپس میں جنگ و جدل کر رہے ہیں۔ ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ، وہ آدمی چلا گیا اور ان دونوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے دونوں کو مخاطب فرمایا کہ آج رات تم دونوں آپس میں کیوں جنگ و جدال کرتے رہے؟ مرد نے کہا کہ اے امیر المؤمنین گذشتہ رات میرا نکاح اس عورت سے ہوا جب میں اس کے پاس آیا اور اسے دیکھا تو میری طبیعت میں اس سے نفرت پیدا ہوئی اور میں نے اپنی جان کو اس سے الگ تھلگ رکھا اور میں نے چاہا کہ اس کو طلاق دیدوں۔ اسی وجہ سے

یہ عورت پوری رات میرے ساتھ جھگڑا فساد کرتی رہی کہ کیوں طلاق دو گے؟ پھر حضرت ؑ نے اس عورت کو تنہائی میں کہا کہ میں تم کو ایک بات کہتا ہوں تم اس کا صحیح جواب دو گی اور کسی قسم کا حیلہ نہ کرو گی اور جھوٹ بالکل نہ بولو گی اور وہ یہ ہے کہ تم جوانی کے دوران اپنے چچازاد سے محبت کرتی تھی اور وہ بھی تم سے محبت کرتا تھا اور تمہارا والد تمہاری شادی تمہارے اس چچا کے بیٹے سے کرنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر کار تم دونوں نے ایک رات موقع پا کر مجامعت کی جس سے تمہارا حمل ٹھہر گیا اور یہ راز پھر تم نے اپنی والدہ کو بتایا اور اپنے والد سے چھپایا، جب تمہارے وضع حمل کا وقت آیا تو رات تھی اور والدہ تم کو گھر سے باہر لے گئی، تم نے لڑکے کو جنم دیا، تمہاری والدہ اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر دیوار کے پاس رکھ کر تمہارے پاس چلی آئی۔ اسی اثناء میں ایک کتا آیا اور اس نے اس بچہ کو سونگھا اس دوران تم نے ایک چھوٹا پتھر اٹھایا اور اس سے کتے کو مارا لیکن وہ اس نوزائیدہ بچے کو لگا جس سے اس کے سر میں چوٹ آئی اور خون بھی نکلا پھر تمہاری والدہ نے اپنے آزار سے کپڑا اپھاڑ کر بچے کے سر کو باندھا۔ پھر تم نے اس بچہ کو وہاں چھوڑا اور اپنے گھر چلی گئی اس کے بعد تم کو یہ خبر نہ ہوئی کہ بچہ کا کیا ہوا؟ اور تم کو آج تک اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔ عورت نے کہا بالکل ٹھیک ہے یا امیر المؤمنین، آپ نے جو کچھ فرمایا حرف بہ حرف صحیح اور درست ہے۔ اب میں یہ چاہتی ہوں کہ حضور آپ یہ بتادیں کہ میرے اس لڑکے کو کون لے گیا اور وہ زندہ ہے یا کہ مر گیا ہے؟ حضرت مولائی علی ؑ نے فرمایا خدا کی قسم یہ آدمی جس سے تم نے نکاح کیا ہے اور اس کو اپنا شوہر بنایا ہے یہ وہی تمہارا لڑکا ہے۔ اسے ایک سوداگر اٹھا کر لے گیا تھا اور اس نے اس کی پرورش کی حتیٰ کہ یہ جوان ہو گیا اور محنت مزدوری کے لئے یہاں کوفہ آیا یہاں تک کہ تمہارے ساتھ اس کا نکاح ہو گیا۔ لیکن رب ذوالجلال نے اس پر کرم فرمایا اور تمہارے ساتھ مجامعت سے اس کو باز رکھا عورت نے کہا کہ حضور کا فرمانا سراپا درست ہے اور صحیح ہے لیکن میرے دل کے اطمینان کے لئے کوئی دلیل چاہئے۔ حضرت علی ؑ نے اس آدمی سے کہا کہ اپنا سر ننگا کرو جب اس نے سر ننگا کیا تو عورت سے فرمایا کہ دیکھو

پتھر کی چوٹ کا نشان اب بھی موجود ہے۔ عورت نے جب اس آدمی کے سر پر پتھر کے چوٹ کا نشان دیکھا تو اس نے حضرت مولیٰ علی ؓ کے پاؤں کو چوما اور استغفار کرتے ہوئے اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر روانہ ہو گئی۔ یہ ہے وہ باطنی علم حضرت علی ؓ کا جو انہیں آقائے دو جہاں مولائے کل محبوب کبریا ﷺ سے عطا ہوا تھا۔۔۔انتہی۔

یہ واقعہ اسی طرح "شواہد النبوت" صفحہ ۲۸۱ میں بھی موجود ہے چاہنے والے دیکھ سکتے ہیں حق اور احق بات یہ ہے کہ جب حضرت علی ؓ کو حضور ﷺ نے اپنا وارث ٹھہرایا تو پھر ان کی نگاہ دوربین سے کون سی چیز اوجھل ہو سکتی ہے اور ان علوم باطنی سے کونسی چیز پنہاں رہ سکتی ہے؟۔الخ۔ "تفسیر روح البیان" میں ہے

قال علیہ السلام لعلی ؓ انت اخی و وارثی قال و ما ارثک قال ما ورث الانبیاء قبلی کتاب اللہ و سنتی (روح البیان جلد ٦ صفحہ ۳۷۲)

ترجمہ: فرمایا حضور ﷺ نے حضرت علی ؓ کو کہ اے علی تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ آپ کا ورثہ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام جو ورثہ چھوڑ گئے ہیں وہی ورثہ میرا ہے یعنی میرا ورثہ کتاب اللہ ہے اور میری سنت۔ سبحان اللہ جب اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب ﷺ نے قرآن و سنت کو بطور میراث حضرت علی ؓ کے لئے مختص فرمادیا تو اسے بڑی سعادت اور کیا ہے۔ علم شریعت میں بھی علی المرتضیٰ ؓ کا مقام بہت ارفع تھا۔ آپ سرچشمہ ہدایت ہیں اور اسی طرح علم باطنی میں آپ کا ثانی کوئی نہ تھا۔ آپ شہنشاہ ولایت ہیں، منبع کرامات و فیوضات ہیں، تمام اولیاء کرام آپ ہی کے آستانہ عالیہ کے فیوضات سے مستفیض ہیں۔ آپ ؓ کے چھ خلفائے کاملین ہیں اول امیر المؤمنین حسن علیہ السلام، دوسرے امیر المومنین حسین علیہ السلام تیسرے کمیل بن زیاد، چوتھے خواجہ اویس قرنی پانچویں قاضی ابو المقدام شریح بن ہانی بن زید الحارثی چھٹے خواجہ حسن بصری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ سلسلہ ہائے عالیہ مشائخ ذوی الاکرام و فقرائے عظام تمام روئے زمین

انہی خلفائے ستہ سے پہنچتے ہیں۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد ا صفحہ ۳۵)

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعض ارشادات:

۱: لوگ سو رہے ہیں جب فوت ہوں گے تو بیدار ہوں گے۔

۲: جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

۳: ہر انسان اپنی زبان کے تحت مخفی ہوتا ہے۔

۴: جس نے اپنی زبان میٹھی کی اس کے دوست زیادہ ہوئے۔

۵: نیکی کے ساتھ آزاد کو غلام بنالیا جاتا ہے۔

۶: بخیل کا مال حوادثات یا وارثوں کی نذر ہوتا ہے۔

۷: کلام کرنے والوں کو نہ دیکھو اس کے کلام کو دیکھو۔

۸: مصیبت کے وقت گھبرانا مصیبت ہے۔

۹: سرکش شخص کامیاب نہیں ہوتا۔

۱۰: متکبر کی تعریف نہیں ہوتی۔

۱۱: بخیل نیکی نہیں کر سکتا۔

۱۲: غم کے ساتھ صحت درست نہیں رہ سکتی۔

۱۳: بے ادب بزرگی حاصل نہیں کر سکتا۔

۱۴: حریص شخص حرام سے پرہیز نہیں کرتا۔

۱۵: حسد کرنے والا آرام نہیں پا سکتا۔

۱۶: انتقام لینے والا شخص سردار نہیں ہو سکتا۔

۱۷: ریاکار محبت نہیں کر سکتا۔

۱۸: مشورہ کے بغیر کام درست نہیں ہو سکتا۔

۱۹: جھوٹا شخص باعزت نہیں ہو سکتا۔

۲۰: بد خلق شخص کی کوئی زیارت نہیں کرتا۔

۲۱: تنگ دل شخص میں وفا نہیں۔

۲۲: تقویٰ سے بڑھ کر کوئی بزرگی نہیں۔

۲۳: اسلام سے زیادہ اعلیٰ کوئی شرافت نہیں۔

۲۴: عقل سے زیادہ کوئی حفاظت کرنے والا نگہبان نہیں۔

۲۵: توبہ سے زیادہ کامیاب کوئی شفاعت کرنے والا نہیں۔

۲۶: جہالت سے زیادہ کمزور کوئی بیماری نہیں۔

۲۷: تیری زبان وہی فیصلہ کرے گی جو تیری عادت ہے۔

۲۸: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرتا ہے جو اپنے نفس کو پہچانتا ہے اور اپنے طور طریق سے آگے نہیں بڑھتا ہے۔

۲۹: جب عقل پوری ہو جائے تو کلام کم ہو جاتا ہے۔

۳۰: نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔

وصال مبارک: ایک روز حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا مجھے کل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں ملے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی امت کی تمام سختیاں اور دشمنیاں مجھ پر آپڑی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دعا کرو، میں نے کہا اے خداوند عالم مجھے ان سے بہتر لوگ عطا فرما اور انہیں مجھ سے بدتر حاکم، آپ اسی روز شہید ہوئے۔

امیر المومنین مولیٰ علی علیہ السلام جب صبح کی نماز کے لئے مسجد تشریف لائے ابن نباح آپ کے آگے اور حضرت امام حسن علیہ السلام پیچھے آرہے تھے۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم اور شیب بن بجرہ اسلمی اسی دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان کے ساتھ ایک شخص وردان نام سے بھی تھا جوں ہی مولیٰ علی دروازہ سے باہر آئے۔ آپ پر دو آدمیوں یعنی ابن ملجم اور شیب نے حملہ کر دیا، شیب کی تلوار تو طاق پر واقع ہوئی اور اس کا وار ضائع گیا اور ابن ملجم کی تلوار آپ کے چہرے اور سر پر لگی

اور دماغ تک پہنچ گئی اور وردان بھاگ گیا حتی کہ اپنے گھر میں داخل ہو گیا اور ایک شخص اس کے پیچھے داخل ہوا اور اسے قتل کر دیا اور شبیب اندھیرے میں کہیں بھاگ گیا، ابن ملجم کو مغیرہ بن نوفل نے اسے کمبل کے ساتھ اس طرح پکڑا کہ اس پر کمبل ڈال دیا اور اسے اٹھا کر زمین پر پٹخا پھر اس کے سینے پر بیٹھ گئے اور اس سے نے تلوار چھین لی اور اس کو امیر المؤمنین مولیٰ علی ﷺ کے پاس لے آئے جب آپ نے اسے دیکھا فرمایا نفس کا بدلہ نفس ہے اگر میں فوت ہو جاؤں تو اسے قتل کر دو، اگر میں زندہ رہا تو معاف کرنا یا اس سے قصاص لینا میرے اختیار میں ہے آپ کی تاریخ وفات میں مختلف روایات ہیں۔ تنویر الازہار ترجمہ نور الابصار صفحہ ۱۷۳ پر ہے حضرت امیر المؤمنین ﷺ جمعہ اور ہفتہ بقید حیات رہے اور ۴۰ ہجری میں ۱۳ رمضان کو بروز اتوار بعمر پینسٹھ برس وفات پائی اور "خزینۃ الاصفیاء" جلد اصفحہ ۲۵ پر ہے۔

وفات آں جامع الکمالات بقول صحیح بتاریخ ہفدہم ماہ رمضان المبارک سنہ چہلم از ہجرت شاہ نبوت بوقوع آمدہ و بیست و یکم ماہ رمضان نیز گفتہ اندو آں حضرت از دست عبد الرحمٰن بن ملجم شربت شہادت چشید و عمر آنحضرت باتفاق اکثر اہل سیر شصت و سہ سال است۔

ترجمہ: یعنی وفات حضرت مولیٰ علی ﷺ صحیح قول کے مطابق ۱۷ تاریخ ماہ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو واقع ہوئی تھی اور بعض علماء کرام نے ۲۱ رمضان المبارک کی تاریخ وفات کہی ہے اور آپ ﷺ نے عبد الرحمٰن ابن ملجم خارجی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمایا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون.

بندہ　پروردگارم　امت　احمد　نبی

دوست　دارم　چار　یار　تا　بہ　اولاد　علی

مذہب　حنفیہ　دارم　ملت　حضرت　خلیل

خاکپائے　غوث　اعظم　زیر　سایہ　ہر　ولی

گل ہائے منقبت

بحضور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

شاعر بے نظیر محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری

ابن عم شافع محشر علی المرتضیٰ نسبتی فرزند پیغمبر علی المرتضیٰ

شہر علم و معرفت کا در علی المرتضیٰ شیر یزداں، ضیغم سرور علی المرتضیٰ

کاروان عشق کے رہبر علی المرتضیٰ فقر کے ہیں مرکز و مصدر علی المرتضیٰ

بو تراب و تاجدار ہل اتیٰ ، زوج بتول نور چشم ساقی کوثر علی المرتضیٰ

نام ان کا لرزہ خیز اعدائے ملت کے لئے مردافگن، صف شکن، صفدر علی المرتضیٰ

تاجدار کشور عرفاں، اما م الاولیاء قاسم فیض شہ کوثر علی المرتضیٰ

مقتدائے اہل ایماں، جانشین مصطفیٰ مرشد اہل صفا، حیدر علی المرتضیٰ

قانع و صابر ، کشادہ ظرف ،جواد و کریم مونس سائل گدا پرور علی المرتضیٰ

وہ نگاہ مصطفیٰ کا انتخاب آخریں کامیاب غزوہ خیبر علی المرتضیٰ

لاکھ مرحب بھی اسے مغلوب کر سکتے نہیں ڈھال ہیں اسلام کے سر پر علی المرتضیٰ

لحمک لحمی سے طارقؔ ان کی عظمت ہے عیاں
مصطفائی شان کے مظہر علی المرتضیٰ

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بحضور امام الاولیاء کرم اللہ وجہہ الکریم

سید یاسر بخاری

اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کے علمی کارناموں کو نہ صرف اپنوں بلکہ غیروں بھی تسلیم کیا ہے۔ دیگر علوم کی طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صنف شاعری پر بھی قلم اٹھایا اور خصوصاً نعتیہ شاعری میں مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس خوبصورتی اور ندرت کلام سے بیان فرمایا جس کی نظیر نہ دور حاضر کے شعراء کے اشعار میں ملتی ہے اور نہ متقدمین شعراء کے کلام میں۔

نبی کریم روف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثناء اس بات کی متقاضی ہے کہ ان عظیم، مقدس و مطہر ہستیوں کی بھی تعریف و توصیف کی جائے جن کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے "اہل بیت" کے خصوصی اعزاز و اکرام سے نوازا اور جو درود شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کے متصل ہی مذکور ہیں۔

الھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد و بارک وسلم

اس بات کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ملحوظ خاطر رکھا اور اپنے نعتیہ کلام "حدائق بخشش" میں جابجا اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت کا؟ اظہار کیا ہے اور ان اہل بیت میں سر فہرست مولائے کائنات، سید السادات، ولایت مآب امام الاولیاء امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات کی مدح و ستائش میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو مستقل منقبتیں تحریر فرمائی ہیں اور اس کے علاوہ مولائے علی رضی اللہ عنہ کی شان میں متفرق اشعار بھی "حدائق بخشش" کے صفحات کی زینت بنے نظر آتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں جو شہرہ آفاق "سلام" تحریر کیا ہے اس میں خلفائے راشدین علیہم الرضوان پر بھی سلام کہا گیا ہے اور

بالترتیب خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں چار اشعار، خلیفہ ثانی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تین اشعار، خلیفہ ثالث حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تین اشعار اور خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان میں پانچ اشعار تحریر فرمائے ہیں، آپ فرماتے ہیں

مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش، مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور صفحہ ۱۶۱)

یعنی سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات اقدس پر لاکھوں سلام جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے شیر ہیں اور بہادروں کے بہادر (اشجع الاشجعین) ہیں اور ساقی شیر وشربت ہیں۔

اصل نسل صفا وجہ وصل خدا باب فصل ولایت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش صفحہ ۱۶۱)

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات والا صفات ہی وجہ وصل خدا ہے اور کوئی شخص بھی جو کہ سلوک کی منازل طے کرنا چاہتا ہو اس کے لئے حب علی کرم اللہ وجہہ الکریم شرط ہے اس لئے ولایت کا آغاز آپ ہی کی ذات سے ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ نے خرقہ خلافت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست سے حاصل کیا۔ اور لاتعداد بندگان خدا کو مطلوب حقیقی تک پہنچایا۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی فارسی منقبت بحضور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم میں ارشاد فرماتے ہیں

سینہ ام را مشرقستاں کن بنور معرفت اے کہ نام سایہ ات خورشید خاور آمدہ

(ایضاً صفحہ ۱۷۶)

سلسلہ عالیہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ و سہروردیہ آپ ہی سے مستفیض ہیں۔ جیسا کہ حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی تحریر فرماتے ہیں

ہو چشتی قادری یا نقشبندی سہروردی ہو ملا سب کو ولایت کا انہی کے ہاتھ سے ٹکڑا

(دیوان سالک، نعیمی کتب خانہ گجرات صفحہ ۳۶)

مزید فرماتے ہیں

اولیں دافع اہل رفض و خروج | چارمی رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش صفحہ ۱۶۱)

رافضی وہ فرقہ ہے جو کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں بے تحاشہ مبالغہ اختیار کرتے ہیں جو کہ مولائے علی رضی اللہ عنہ کو زیبا نہیں۔ اسی طرح خارجی وہ فرقہ ہے جو کہ حیدر کرار رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت رکھتا ہے اور ان دونوں فرقوں کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے سے ہی مولا علی رضی اللہ عنہ کو خبر دے رکھی تھی۔ آپ نے ہی ان دونوں فرقوں کا قلع قمع کیا اور اس فساد کو دفع کیا جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا

ماحئ رفض و تفضیل و نصب و خروج | حامی دین و سنت پہ لاکھوں سلام

(ایضاً صفحہ ۱۶۱)

ماحئ یعنی مٹانے والا۔ فرقہ ناصبیہ بھی حضور شیر خدا رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخیاں کرتے اور آپ کے ساتھ بغض و عداوت رکھتے تھے لہٰذا آپ نے تمام فتنوں کو ختم کر کے صحیح طور پر دین اسلام اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قائم کیا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے فارسی کلام میں بھی اسی مضمون کو یوں پیش فرما رہے ہیں

اے عدوئے کفر و نصب و رفض و تفضیل و خروج | اے علوئے سنت و دین ہدیٰ امداد کن

(ایضاً صفحہ ۱۶۶)

آپ اپنی فارسی منقبت میں ناصبیوں اور رافضیوں دونوں کو جہنمی قرار دے رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں

ناصبی را بغض تو سوئے جہنم رہ نمود | رافضی از حب کاذب در سقر در آمدہ

(ایضاً صفحہ ۱۷۶)

جناب شیر خدا رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے جس شان سے موتی

پروئے ہیں وہ انہی کا خاصہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

شیر شمشیر زن، شاہ خیبر شکن | پرتو دست قدرت پہ لاکھوں سلام

(ایضاً صفحہ ۱۶۱)

غزوہ خیبر کے موقع پر شجاعت حیدری رضی اللہ عنہ کی جو نادر مثالیں سامنے آئیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اعلیٰ حضرت اسی کو بیان فرمارہے ہیں کہ مولائے علی رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس نے ہی قلعہ خیبر فتح کیا اور جنگ میں شمشیر زنی کے جوہر دکھائے۔ اس ذات گرامی پر لاکھوں سلام جو کہ پرتو دست قدرت ہے۔

حدیث قدسی میں ارشاد ہوتا ہے کہ جب میرا بندہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نوافل میں بھی میری قربت حاصل کرلیتا ہے تو پھر میں (ذات باری تعالیٰ) اپنی شان کے مناسب بلاکیف اس کی آنکھوں کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے ---الخ بطولہ (مشکوٰۃ المصابیح)

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "پرتو دست قدرت" کے الفاظ تحریر کرتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث قدسی کے مفہوم کو جس خوبصورتی سے اپنے شعر میں باندھا ہے انہی کی خصوصیت ہے۔ نیز مولائے علی رضی اللہ عنہ کی عبادت و ریاضت، اور مجاہدات کے واقعات آپ کے سیرت نگاروں نے نقل کیے ہیں جو کہ مضمون کی طوالت کے پیش نظر درج نہیں کیے جاسکتے۔ نیز فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امیر المؤمنین جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فارسی مناقب میں بھی آپ کی شجاعت و بسالت پر روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں

ضیغما، غیظ و غما زیغ و فتن را راغما | پہلوان حق امیر لا فتیٰ امداد کن
اے خدا را تیغ وائے اندام احمد را سپر | یا علی یا بوالحسن یا بوالعلیٰ امداد کن

(ایضاً صفحہ ۱۶۶)

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بعض احباب نعرہ "یا علی" پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ یہ اہل تشیع کا امتیازی نعرہ ہے حالانکہ دیکھا جائے تو یہ نعرہ حقہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا شعر میں بنفس نفیس بلند کیا ہے بلکہ تاکید مزید کے طور پر "یا بوالحسن یا بوالعلی" بھی تحریر فرمایا ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں

مرحبا اے قاتل مرحب امیر الاشجعین — در ظلال ذوالفقارت شور محشر آمدہ

(ایضاً صفحہ ۱۷۶)

یعنی اے مرحب کے قاتل اور اے بہادروں کے سردار آپ پر آفرین، آپ کی تلوار ذوالفقار جب کفار پر چمکتی تو ان کی صفوں میں شور محشر بپا ہو جاتا۔

مولائے علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان مشکل کشائی پر بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے گل افشانی کی ہے، فرماتے ہیں

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو — جب پڑے مشکل، شہ مشکل کشا کا ساتھ ہو

(ایضاً صفحہ ۶۶)

علاوہ ازیں "شجرۂ علیہ حضرات عالیہ قادریہ برکاتیہ" کے دوسرے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں

مشکلیں حل کر شہ مشکل کشا کے واسطے — کر، بلائیں رد شہید کربلا کے واسطے

(ایضاً صفحہ ۷۴)

اسی طرح اپنے فارسی کلام میں (صفحہ ۱۶۶) پر ارشاد فرماتے ہیں

مرتضیٰ شیر خدا مرحب کشا خیبر کشا — سرورا لشکر کشا مشکل کشا امداد کن

اور دوسری منقبت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم میں ارشاد فرمایا

حل مشکل کن بروئے من در رحمت کشا — اے بنام تو مُسلّم فتح خیبر آمدہ

جبکہ آیہ تطہیر نازل ہوئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"یہ آیت پنجتن پاک کے بارے میں نازل ہوئی، میرے بارے میں نیز علی، حسنین

کریمین اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں" (یہ روایت امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے"

(مقام اہل بیت، علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی، مطبوعہ شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور، صفحہ ۱۴)

جناب مولائے علی رضی اللہ عنہ کی اسی شان کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اے رخت را غازۂ تطہیر و اذہاب نجس اے لبت را مایہ فصل القضا امداد کن

(ایضاً صفحہ ۱۶۶)

یعنی اے مولائے کائنات رضی اللہ عنہ! میری امداد فرمائیے۔ آپ تو وہ ذات ہیں جن کا روئے انور غازہ تطہیر سے چمک رہا ہے اور آپ سے تمام آلائشیں بھی دور کر دی گئی ہیں اور آپ کے لب مبارک جب گویا ہوتے ہیں تو مسائل و مقدمات کا مناسب و صحیح حل اور فیصلہ ہو جاتا ہے۔

جناب مولائے کائنات امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خرق عادت کے طور پر کئی کرامات بھی ظہور پذیر ہوئیں نیز خاتم الانبیاء نبی کریم جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی آپ کو کئی اعزازات ملے جس سے آپ کی شان اظہر من الشمس ہے۔ خاص کر آپ کی محبت رسول و عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں درج ذیل واقعہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔

"خیبر سے واپسی میں منزل صہبا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھ کر مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر اقدس رکھ کر آرام فرمایا۔ مولیٰ نے نماز نہ پڑھی تھی، آنکھ سے دیکھتے رہے کہ وقت جاتا ہے مگر اس خیال سے کہ زانو سرکاؤں تو شاید حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب مبارک میں خلل آئے، جنبش نہ کی۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔

چشم اقدس کھلی، مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز کا حال عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا فوراً ڈوبا ہوا آفتاب پلٹ آیا، عصر کا وقت ہو گیا، مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کی، آفتاب ڈوب گیا"۔

(حدائق بخشش مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور، صفحہ ۱۰۲-۱۰۳)

اس واقعہ کی طرف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اشارہ کرتے ہوئے اپنے نعتیہ کلام

میں (صفحہ ۱۰۲-۱۰۳) پر یوں رقمطراز ہیں

مولا علی نے واری تیری نیند پر نماز اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
ہاں تو نے ان کو جان انہیں پھیر دی نماز پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

نماز عصر کو اس لئے "اعلیٰ خطر" کی نماز کہا گیا ہے کہ اس کا ذکر خصوصی طور پر قرآن مجید میں تاکیداً وارد ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

حفظوا علی الصلوت والصلوٰۃ الوسطیٰ (البقرہ: ۲۳۸)

ترجمہ: حفاظت کرو سب نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی۔

جمہور مفسرین نے صلوٰۃ وسطیٰ (درمیانی نماز) سے مراد نماز عصر لی ہے۔

غروب شدہ آفتاب واپس لوٹنے کا دوسرا واقعہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف "شواہد النبوت" میں تحریر فرمایا ہے جو کہ نبی کریم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد واقع ہوا۔ "حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء کے ہمراہ بابل کے سفر پر تھے۔ آپ نے عصر کی نماز ادا کر لی تھی جب کہ کچھ ہمراہیوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ نے نہر فرات عبور کرنے کا حکم دیا اسی اثنا میں سورج غروب ہو گیا۔ ساتھیوں نے نماز قضاء ہو جانے پر اظہار تاسف کیا۔ آپ نے بارگاہ عالیہ میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے سورج واپس پھیر دیا۔ آپ کے ساتھیوں نے نماز ادا کر لی تو سورج دوبارہ غروب ہو گیا"۔ (شواہد النبوت۔ مدینۃ المطابع دہلی صفحہ ۲۸۴)

غرضیکہ آپ رضی اللہ عنہ کے کئی خصائل و شمائل کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں یکجا کر رکھا ہے۔ خصوصاً ان کا فارسی کلام تو مدحت مولائے علی رضی اللہ عنہ کا شاہکار اور منہ بولتا ثبوت ہے جو آپ کے کلام "حدائق بخشش" میں بہ عنوان "فغان جان غمگین بر آستاں تمکین اسد اللہ المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الاسنے امداد کن" اور "در منقبت حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ" قارئین کے قلوب و اذہان میں محبت اہل بیت کی شمع روشن کرتے ہیں جن کے چیدہ چیدہ اشعار با ترتیب مندرجہ ذیل ہیں

یا ید اللہ یا قوی یا زورِ بازوئے نبی	من ز پا افتادم اے دست خدا امداد کن
اے نگار راز دار قصر اللہ انجی	اے بہارِ لالہ زارِ انما امداد کن
اے تنت در راہ مولیٰ خاک و جانت عرش پاک	بو تراب اے خاکیاں را پیشوا امداد کن

السلام اے احمدت صہر و براور آمدہ	حمزہ سردار شہیداں عم اکبر آمدہ
بنت احمد رونق کاشانہ و بانوئے تو	گوشت و خون تو ملجش شیر شکر آمدہ
کے رسد مولیٰ ہمبر تابناکت نجم شام	گو بود صحبت او ہم صبح انور آمدہ
تشنہ کام خود رضائے خستہ را ہم جرعۂ	شکر آں نعمت کہ نامت شاہ کوثر آمدہ

مولا علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنا عین محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میں جس کا محبوب ہوں علی بھی اس کا محبوب ہے۔ اے اللہ! جو اس سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ (راوہ النسائی فی الخصائص علی)

لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت و عقیدت رکھنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنا ہے اور مولیٰ علی سے عداوت رکھنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھنا ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے کہ عشق اہل بیت بھی دل میں موجزن ہو۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ناصبیوں، رافضیوں اور خارجیوں کا رد فرمانے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ سے مولائے علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے خواستگار ہیں، فرماتے ہیں

من ز حق می خواہم اے خورشید حق آں مہر تو کز ضیائش عالم ایماں منور آمدہ

(ایضاً صفحہ ۱۷۶)

یعنی اے خورشید حق! میں حق تعالیٰ جل جلالہ سے آپ کی وہ مہر و محبت چاہتا ہوں جس کی ضیاء پاشیوں اور کرنوں سے سارا عالم ایمان منور ہے۔ لہٰذا رسول کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت سے عقیدت و محبت ہر مسلمان کے ایمان کا جزو لاینفک ہونا چاہئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی اور اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت واتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم غالبؔ کی نظر میں

سید یاسر بخاری

آہ بعشق فاتح خیبر کشم طرح در گنبد سپہر مگر در کشم طرح

(فاتح خیبر حضرت علی علیہ السلام کی محبت میں ایک آہ کھینچیں شاید اس آہ سے گنبد آسمان میں (دروازہ واہو جائے)، شگاف پڑ جائے۔

امام الاولیاء امام المشارق والمغارب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات بابرکات پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے کیونکہ

آفتاب آمد دلیل آفتاب

کی مصداق خود نبی کریم، رحمت للعالمین، سید عالم و عالمیان، شفیع المذنبین، امام المتقین جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امام الاولیاء کی نسبت ایسے عالی شان ارشادات بیان فرمائے ہیں جن کی روشنی میں جناب امام الاولیاء کی محبت ہر مسلمان کے ایمان کا جزولاینفک قرار پاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"یقیناً علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور میرے (وصال کے) بعد (بھی) وہ ہر ایک مؤمن کا ولی ہے"

استاذ گرامی مرشدی و معظمی جناب حضرت علامہ مولانا سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی دام ظلہ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

"(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ) کیا تم نے اس کے مرتبہ و مقام کو نہیں سمجھا، اس کو تو میرے قرب کی وجہ سے وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے جو مجھے تم پر ہے اور میرے وصال کے بعد بھی وہ ہی ہر ایک مؤمن کا ولی ہے، جب وہ ولی برحق ہے تو اسے ہر قسم کا تصرف بھی حاصل ہے"

حجۃ الوداع کے موقع پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"اے بنی نوع انسان میں تم میں وہ چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم اسے پکڑے رہو تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن حکیم) اور میری عترت اہلبیت"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِن اور اِس جیسے کئی ارشادات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اور ان کو اپنا رہنما بناتے ہوئے ہر زمانہ میں لوگوں نے مدحت اہل بیت اطہار علیہم السلام کو اپنا شیوہ و شعار بنائے رکھا اور ان کے ساتھ اپنے عشق و محبت کا رشتہ استوار رکھا۔

ہر دور کے شعراء، ادباء، مصنفین اور محررین نے چاہے نظم ہو یا نثر اپنے اپنے انداز اور طریق پر جناب امام الاولیاء علیہ السلام کی مدحت و منقبت بیان کی ہے۔ جناب شہنشاہ ولایت کے دربار میں نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ، استاذ الاساتذہ میرزا اسد اللہ خان غالب مرحوم نے فصیح و بلیغ اسلوب و طرز بیان میں جو عقیدت کے موتی نچھاور کیے ہیں، ان سطور میں ان کا احاطہ کرنا مقصود ہے تاکہ اردو ادب کی اس تاریخ ساز شخصیت کا وہ پہلو بھی عام قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جو مولائے کائنات علیہ السلام کی ذات مبارکہ سے متعلق ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا اور مولیٰ کائنات علیہ السلام کے مابین معمولی شکر رنجی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام گھر کی بجائے مسجد میں جاکر سو رہے، آپ کے جسم مبارک پر مٹی لگ گئی تھی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی تلاش میں وہاں پہنچے تو آپ کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا قم یا ابا تراب اٹھ اے مٹی کے باپ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو خصوصی لقب سے نوازا جو آپ کو نہایت ہی عزیز تھا، آپ کے اسی وصف کو مد نظر رکھتے ہوئے مرزا غالب فرماتے ہیں

طفیل اوست عالم غالبا دیگر نمیدانم گر از خاک است آدم پایۂ نام بوتراب استے

"پہلے مصرعہ میں "او" کی ضمیر کا مرجع "بوتراب" ہے جو حضرت علی علیہ السلام کا لقب ہے۔ تراب خاک کو کہتے ہیں اور پائے نام سے مراد نام کا آخری حصہ ہے۔

غالب میں اور کچھ نہیں جانتا، اتنا جانتا ہوں کہ یہ عالم اسی کے طفیل ہے۔ اگر آدم خاک سے ہے تو وہ حضرت ابو تراب کے نام کا آخری حصہ یعنی "ابو تراب" ہے۔

اسی طرح اپنے اردو دیوان میں امام الاولیاء علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ تحریر کیا ہے جس میں فرماتے ہیں

نسبت نام سے اسکی ہے یہ رتبہ کہ رہے ابداً پشت فلک، خم شدہ ناز زمیں

چونکہ زمین تراب (مٹی) سے بنی ہے اور ان کی کنیت "ابو تراب" ہے اس لئے زمین کو ان کے نام اور لقب سے نسبت حاصل ہو گئی بدیں وجہ یہ زمین، آسمان کی نگاہ میں اس قدر محترم ہو گئی ہے کہ وہ ابد تک اس کے سامنے اپنی پشت تعظیماً خم کئے رہے گا۔

جناب امام الاولیاء علیہ السلام کے ساتھ محبت رکھنا عین ایمان ہے اور احادیث نبویہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے۔ اسی محبت میں سرشار ہو کر میرزا غالب فرماتے ہیں

عالم توفیق را غالب سواد اعظم مہر حیدر پیشہ دارم حیدر آباد خودم

مرزا فرماتے ہیں کہ میں تائید الٰہی کی دنیا کا سواد اعظم (بڑا شہر) ہوں۔ عشق علی علیہ السلام پیشہ ہے، میں نے اپنی ذات کو حیدر آباد یعنی مقام حیدر بنالیا ہے۔ یعنی محبت امام الاولیاء علیہ السلام میری رگ رگ اور نس نس میں رچ بس گئی ہے، اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں

بہ دشمنان مخالف و بدوستان ز حسد بحکم مہر تو باروزگار کیں دارم

امام الاولیاء کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تیری محبت کے باعث زمانہ مجھ سے برسرپیکار ہے۔ دشمن اس لئے مخالف ہیں کہ میرے دل میں حضرت علی علیہ السلام کی اتنی محبت کیوں ہے اور دوست اس لئے حسد کرتے ہیں کہ وہ اس جذبہ محبت سے محروم ہیں۔ چونکہ حب علی علیہ السلام باعث نجات دنیوی و اخروی ہے اور میرزا غالب بھی اس پر اعتقاد کامل رکھتے ہیں۔ لہٰذا فرماتے ہیں

علی عالی اعلیٰ کہ در طواف درش خرام بر فلک و پائے بر زمیں دارم
از آنچہ بر لب او رفتہ در شفاعت من فسانہ بہ لب جوئے انگبیں دارم

آپ فرماتے ہیں کہ وہ علی عالی کہ جن کے دروازے کا طواف کرتے ہوئے میرے پاؤں تو زمین پر ہوتے ہیں لیکن خرام آسمان پر (پھرتا آسمان پر ہوں) اور میری شفاعت کے بارے میں جو کچھ ان کے لبوں پر آیا ہے اس کے مقابلہ میں جنت کی انگبیں (شہد) ایک افسانہ ہے۔ اسی طرح اپنے اردو دیوان میں فرماتے ہیں

جنس بازارِ معاصی، اسد اللہ اسد که سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
شوخی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب ہے ترے حوصلہ فضل پر از بس کہ یقیں
دے دعا کو میری وہ مرتبہ حسن قبول کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمیں

پہلے مصرع کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ اول: اگر اسد اللہ کو غالب کا نام قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ میں اسد اللہ نام اسد تخلص جنس بازار معاصی ہوں۔ دوم: اگر اسد اللہ کو حضرت علی ؑ کا لقب قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ کے شیر! میں اسد جنس بازار معاصی ہوں اور گناہوں سے آلودہ تیرے سوا میرا کوئی خریدار (پرسان حال) نہیں ہے۔ چونکہ مجھے تیرے فضل و کرم پر یقین ہے اس لئے میں عرض مطالب میں اس درجہ گستاخ ہو گیا ہوں تو میری دعا کو ایسا حسن قبول عطا کر کہ خود اجابت (قبولیت) میری دعا کے ہر لفظ بلکہ ہر حرف پر آمین کہے۔

جناب میرزا غالب مولائے کائنات کی محبت میں اس قدر مست و سرشار اور فخر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ خود کو مولائے علی ؑ کے پیروکار کی حیثیت سے پہچانے جانے کو پسند کرتے ہیں

غالب نام آورم، نام و نشانم مپرس هم اسد اللہ ام و هم اسد اللهیم

آپ فرماتے ہیں کہ میں مشہور معروف غالب ہوں میرا نام و نشان کیا پوچھتے ہو، میں اسد اللہ (غالب کا نام) بھی ہوں اور اسد اللہی یعنی حضرت علی ؑ کا پیروکار بھی ہوں۔ عشق و محبت میں مست والست ہوتے ہوئے ایک شعر میں اپنا اور شیخ حسین بن منصور ؒ حلاج کا موازنہ کرتے ہیں

منصور فرقۂ علی اللہیاں منم آوازہ انا اسد اللہ در افگنم

"منصور" سے مراد حسین بن منصور حلاج ہے، روایات کے مطابق ان پر معرفت حق کا اتنا غلبہ طاری ہوا کہ وہ اپنے آپ کو ذات خداوندی سے واصل محسوس کر کے انا الحق پکار اٹھے علمائے ظواہر کے فتوے کے مطابق انھیں دار پر چڑھا دیا گیا۔ منصور کا لفظ ہمارے اردو اور فارسی ادب میں ایک علامت بن چکا ہے۔ میرزا غالب کہتے ہیں کہ میں "علی اللہیان" کے گروہ (پیروان حضرت علی علیہ السلام) کا منصور ہوں میں اسد اللہ کا نعرہ لگاتا ہوں یعنی اسد اللہ پکارتا ہوں۔ یعنی میں حضرت علی علیہ السلام کا عاشق ہوں اور ان کی ذات میں واصل ہوں۔ منصور نے انا الحق کہا تھا میں انا اسد اللہ کا نعرہ لگاتا ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام کا لقب مبارک اسد اللہ اور شاعر کا نام بھی اسد ہے چنانچہ "انا اسد اللہ" کے الفاظ میں بڑی معنوی لطافت ہے اسی طرح اردو کلام میں فرماتے ہیں

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں

دوست سے مراد خدا اور ندیم دوست سے حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں اور "بوتراب" مولائے کائنات کی کنیت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اے غالب! چونکہ مجھے حضرت علی علیہ السلام کی ذات میں صفات ایزدی کا جلوہ نظر آتا ہے اس لئے ان کی عبادت کرتا ہوں تو مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ خدا کی عبادت کرتا ہوں یعنی حضرت علی علیہ السلام کے دربار میں جبیں سائی کرنا ان کے دوست اللہ تعالیٰ جل شانہ کے دربار میں جبیں سائی کرنا ہے۔ میرزا غالب مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے قدموں پر اپنا سرمایہ حیات نچھاور کرنے کو ایک بہت بڑا شرف اور سعادت عظیمہ سمجھتے ہیں آپ فرماتے ہیں

از زندہ گوھرے چوں من اندر زمانہ نیست خود را بخاک رہگزر حیدر افگنم
غالب بہ طرح منقبت عاشقانہ رقم کہ کہنگی ز تماشا بر افگنم

یعنی میرے جیسا قیمتی موتی کوئی اور زمانہ میں نہیں۔ میں اپنے آپ کو امام الاولیاء علیہ السلام کی خاک راہ میں ڈالتا ہوں۔ کہتے ہیں غالب! میری تحریر منقبت کا انداز عاشقانہ ہے، میں نے اس انداز بیان سے پرانے اسلوب کے طرز کہن کو بدلنا چاہا ہے۔ اس غزل کے چند آخری اشعار

حضرت علی علیہ السلام کی منقبت میں ہیں اور ان کا اسلوب بیان عاشقانہ ہے۔ جیسا کہ ہم شروع میں تحریر کر چکے ہیں کہ حضرت امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد تمام امت کا ولی (مددگار) فرمایا ہے اور تمام امت سے مراد تا قیام قیامت امت محمدیہ اسلامیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ لہٰذا اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے مرزا غالب بھی جناب مولائے کائنات سے استغاثہ و استمداد طلب کرتے ہیں جیسا کہ یہ شعر ہے

ورد من بود غالب یا علی بو طالب   نیست مثل با طالب، اسم اعظم از من پرس

غالب! میں جناب علی ابن ابو طالب علیہ السلام کے نام نامی و اسم گرامی کا ورد کرنے والا ہوں یعنی "یا علی یا علی" کرنے والا ہوں۔ یہی ورد اسم اعظم کی حیثیت رکھتا ہے جس سے طالب کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے اور خواہش پوری کرنے والا کبھی مثل سے کام نہیں لیتا۔ نیز اپنے اردو دیوان میں فرماتے ہیں

نقش لاحول لکھ اے خامہ ہذیاں تحریر   یا علی عرض کر اے فطرت وسواس قریں

مظہر فیض خدا، جان و دل ختم رسل   قبلہ آل نبی، کعبہ ایجاد یقیں

پہلا شعر گریز کا ہے فرماتے ہیں کہ اے بے ہودہ باتیں لکھنے والے قلم! تو دفعِ ہذیان (بے ربط تحریر یا گفتگو) کے لئے لاحول کا نقش لکھ تاکہ تو فضول باتیں لکھنا چھوڑ دے اور اے وہم اور وسوسہ کرنیوالی طبیعت تو "یا علی" کا وظیفہ کر تاکہ تجھ سے وہم اور وسوسہ دور ہو جائے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں

اسد جہاں کہ علی برسر نوازش ہو   کشاد عقدہ دشوار کار آساں ہے

یعنی اے اسد! جبکہ مولائے علی علیہ السلام مجھے اپنی عنایات و نوازشات سے نواز رہے ہیں تو پھر مشکل سے مشکل گتھی کا سلجھنا نہایت ہی آسان کام ہے۔ جیسا کہ ایک اور شاعر مولائے کائنات کی کشائش مشکلات کے متعلق فرماتے ہیں

ہر اک مشکل کو پڑ جاتی ہے مشکل   اگر مشکل کشا مولیٰ علی ہو

اس طرح کے کئی دیگر اشعار مرزا غالب مرحوم کے اردو و فارسی دواوین کی زینت ہیں جن میں مولا علی علیہ السلام سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا گیا ہے۔ خصوصاً اردو دیوان میں جو قصیدہ جناب علی علیہ السلام کی مدحت و منقبت میں تحریر کیا ہے حب علی علیہ السلام کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اپنی جگہ ایک شاہکار قصیدہ ہے۔

یاد رہے کہ اولیاء کرام سے استعانت واستمداد طلب کرنا اہل سنت وجماعت کا مسلمہ عقیدہ ہے جس پر علماء مسترشدین نے ضخیم کتب تحریر کی ہیں اور قرآن وحدیث سے اس کا جواز ثابت کیا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب لبیب سید عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں اس عقیدے پر ثابت قدمی عطا فرمائے، فاسد عقائد سے محفوظ رکھے اور اسی عقیدہ حقہ پر خاتمہ فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصادر و مراجع

۱: یادگار غالب (نثر) شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی مرحوم، مطبوعہ عشرت پبلشنگ ہاؤس اردو بازار لاہور۔

۲: شرح غزلیات غالب (فارسی) جلد اول و دوم از صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، مطبوعہ وبجز لمیٹڈ لاہور۔

۳: دیوان غالب (اردو) یک جلدہ، مطبوعہ فضلی سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ اردو بازار کراچی۔

۴: شرح دیوان غالب (اردو) مؤلفہ (پروفیسر) یوسف سلیم چشتی، یک جلدہ مطبوعہ عشرت پبلشنگ ہاؤس اردو بازار لاہور۔

۵: شرح دیوان غالب (اردو) مؤلفہ جوش ملیسانی یک جلدہ مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

۶: ارجح المطالب، مؤلفہ مولانا عبید اللہ امرتسری یک جلدہ، مطبوعہ ادارہ علوم آل محمد شادباغ لاہور۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اقبال کی نظر میں

سیدہ رجیعہ بخاری

اس کائنات کی بنیاد عشق و محبت پر قائم ہے اسی لئے کائنات کا ذرہ ذرہ محبت کے رشتے میں بندھا نظر آتا ہے۔ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنا کر اس دنیا میں بھیجا اس کا مقصد حیات بھی اپنے خالق کی رضا کا حصول ہے۔ وہ جوں جوں اس مقصد کے حصول میں آگے بڑھتا ہے اس کے جذبہ عشق میں شدت اور دل میں ہمت بڑھتی جاتی ہے۔

علامہ محمد اقبال نے بھی عشق کو ایک پر زور طاقت قرار دیا ہے جو پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہے اگرچہ موجودہ زمانہ میں سائنس بھی ایک عملی طاقت بن گئی ہے لیکن سائنس میں اخلاق کی آمیزش نہیں اس لئے وہ زندگی کے ایک ضروری عنصر سے خالی ہے۔ سائنس کے لئے غیر معمولی آلات کے مصارف، غیر معمولی ساز و سامان اور غیر معمولی آلات کی ضرورت ہے اور عشق کے لئے ان لوازمات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ بے سر و سامانی کے ساتھ بھی دنیا کو تہ و بالا کر سکتا ہے بقول اقبال

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

ڈاکٹر صاحب نے اسی غرض سے حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عشق کو بطور نمونہ (مثال) کے سامنے رکھا ہے جنہوں نے باوجود بے سر و سامانی کے تمام دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، اسی عشق نے قرون اولیٰ میں غلامان نبی ﷺ کے دلوں میں ایمان کی ابدی شمعیں روشن کیں، اسی عشق کی بدولت چند نہتے جاں نثاروں نے ایران و روما کی عظیم الشان سلطنتوں کی دھجیاں اڑا دی تھیں، یہ اسی عشق کا صدقہ تھا کہ چند بے سر و سامان مجاہدین سے قیصر و کسریٰ کے تخت لرزاں تھے، یہی وہ جذبہ عشق ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنے کا حوصلہ عطا کیا تھا۔ یہ عشق علامہ کے نزدیک غیر مختتم قوتوں کا

مالک ہے جو انسان کو اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں بندے کی رضا اللہ کی رضا بن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کائنات کے ساتھ ساتھ لوح و قلم تک بندے کے اختیار میں دے دیتا ہے

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

حضور ﷺ عشق مجسم تھے آپ ابتداء ہی سے دین ابراہیمی پر تھے۔ بعثت نبوت نے آپ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اور بھی مستحکم کر دیا۔ آپ ﷺ نے اپنی مرضی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی اور یہاں تک اطاعت بجالائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"(محمد ﷺ) نہیں کہتے اپنے نفس سے کچھ مگر وہی جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے"

علامہ محمد اقبال اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ہر صالح مسلمان کا دل محمد ﷺ کے قیام کی جگہ ہے۔ آپ خود بھی شروع ہی سے رسول اسلام ﷺ کے ساتھ بے اختیار جذبہ شوق اور والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ آپ کی نظر میں یوم آخر آپ ﷺ ہمارے شفیع ہوں گے۔ عشق کی ابتداء بھی آپ کی ذات سے اور انتہا بھی۔ آپ ﷺ کی مقدس ذات ہی قرآن ناطق ہے، آپ ﷺ نے ہی حق وباطل کا فرق ظاہر فرمایا۔

علامہ محمد اقبال کا حضور ﷺ سے والہانہ جذبہ عشق کا اظہار آپ کے کلام میں بھی موجود ہے بلکہ یوں کہئے شروع سے لے کر آخر تک اقبال کی شاعری کا سوز و گداز "عشق رسول ﷺ کا بڑی حد تک مرہون منت ہے۔ شمع نبوت ﷺ کے اس پروانے کے نزدیک حضور پر نور ﷺ کی غلامی پر ہزاروں آزادیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ اس متاع گرانمایہ کے سامنے ارضی و سماوی نعمتیں بے حقیقت ہیں اسی جذبہ عشق نے ان کے کلام کو وہ رنگ اور اثر بخشا جس نے انہیں اپنے ہم عصروں سے ممتاز کر دیا، بقول اقبال

تیری الفت کی اگر ہو نہ حرارت دل میں آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
یہی اسلام ہے میرا، یہی ایمان ہے میرا تیرے خندہ رخسار سے حیراں ہونا

اقبال عشق نبی ﷺ کو ہی سب روحانی و جسمانی خامیوں کا علاج جانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں

کہ اس سے قوم کے مردہ جسم میں ایک نئی روح پھونکی جاسکتی ہے اور امت کی بیداری کے لئے اس سے زیادہ کوئی حربہ کارگر نہیں

سوز صدیق و علی از حق طلب ذرہ عشق نبی، از حق طلب
ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست بحر و بر در گوشہ دامان اوست

علامہ محمد اقبال کو جہاں حضور ﷺ سے والہانہ عشق تھا وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں مست نظر آتے ہیں۔ آپ نے مدح تو دیگر صحابہ کرام کی بھی کی ہے تاہم اس کلام میں وہ وارفتگی وہ جوش وخروش نہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے اظہار بیان میں تو وہ یہاں تک سرمست و بے خود ہو جاتے ہیں کہ مدح کی آخری حدوں کو چھوتے دکھائی دیتے ہیں جس سے پڑھنے والے کو یوں محسوس ہوتا ہے

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا تفضیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی

علامہ محمد اقبال نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صفاتی ناموں اور ان کی خصوصیات کا تذکرہ اپنے کلام میں بار بار کیا ہے لیکن بقول اقبال وہ عقل مند جو زندگی کے بھید جانتا ہے وہی جان سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ناموں کے بھید کیا ہیں

ہر کہ دانائے رموز زندگی ست سر اسمائے علی داند کہ چیست

علامہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ کامل واکمل اور ہمارے لئے نمونہ ہے۔ لہٰذا آپ کی شان کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اسرار حیات سے آگاہ ہو، عام شخص آپ کے مقام سے ناواقف اور آپ کی معرفت سے نابلد ہے۔

مرتضیٰ کز تیغ او حق روشن است بوتراب از فتح اقلیم تن است

علامہ کی نظر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ اس لئے اعلیٰ وارفع ہے کہ آپ کی شمشیر آہن گداز سے دین اسلام کو استحکام اور ترقی نصیب ہوئی۔ معرکہ خندق میں اور معرکہ خیبر میں عمر بن عبدود اور مرحب کو واصل جہنم کر کے مسلمانوں کی لاج رکھ لی۔ احد کے دن آپ نے

مشرکین کے آٹھ علمبرداروں کو قتل کیا۔ انہیں اسلامی خدمات کے باعث آپ کو مرتضٰی (پسندیدہ و منتخب) کا لقب ملا، مملکت تن کو فتح کرنے کے بعد بوتراب کا خطاب ملا۔ بقول اقبال بوتراب کا شرف پانے والا شخص آفتاب کو مغرب سے واپس لوٹانے پر قادر ہو جاتا ہے

ہر کہ در آفاق گردد بو تراب باز گرداند ز مغرب آفتاب

علامہ اقبال حضرت علی ؑ کے صفاتی نام "ابو تراب" کا تذکرہ ایک اور مقام پر اس انداز میں کرتے ہیں

مرسل حق کرد نامش بوتراب حق ید اللہ خواند در ام الکتاب

حضرت محمد ﷺ پیار سے حضرت علی ؑ کو بوتراب کہتے۔ "ابو تراب" کے لغوی معنی مٹی کا باپ ہیں۔ اقبال کے نزدیک حضرت علی ؑ کو ابو تراب اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ آپ خواہشات سفلی جو جسم خاکی کا حصہ ہیں کو ترک کرنے پر قادر ہیں۔ آپ کی ذات خواہشات نفسانی سے یہاں تک پاک تھی کہ آپ ؑ نے ایک زیر کئے ہوئے کافر پہلوان کو محض اس لئے چھوڑ دیا کہ اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوکا تھا۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ انتقامی جذبہ کار فی سبیل اللہ میں شریک ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ اس لئے قرار دیا کہ آپ ﷺ نے اپنی رضا، رضاء الٰہی کے سپرد کر دی۔ لہٰذا آپ نے حضرت علی ؑ کو مجازی طور پر "ید اللہ" کے لقب سے ملقب کیا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت علی ؑ فنافی رسول ہونے کے سبب ید اللہ قرار پائے ہیں

از خود آگاہی ید اللّٰہی کند از ید اللّٰہی شہنشاہی کند

جو شخص معرفت نفس حاصل کر لے اسے معرفت الٰہی حاصل ہو جاتی ہے۔ خود امام اولیاء سیدنا علی المرتضٰی ؑ نے فرمایا کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اسی خود آگاہی نے آپ کو معرفت رسول ﷺ اور معرفت الٰہی

عطا کی، معرفت نے ترقی کی تو عشق کا وہ درجہ حاصل ہوا کہ "ید اللہ" کہلائے۔ اقبال اسی لئے حضرت علی ؑ کو سرمایہ ایمان بھی قرار دیتے ہیں۔

مسلم اول شہہ مرداں علی عشق را سرمایہ ایماں علی

آپ مسلم اول اس لئے ہیں کہ حضور ﷺ پر ایمان لانے والے آپ کے ہمراہ نماز قائم کرنے والے اولاً مکہ کی گھاٹیوں اور بعدہ خانہ کعبہ میں حضرت علی ؑ ہی ہیں۔ علامہ اقبال نے حضرت علی ؑ کی دوسری خوبی شہہ مرداں قرار دی ہے۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ؑ نے ہر غزوہ میں امتیازی خدمات انجام دیں۔ بدر، احد، خندق، خیبر غرض ہر معرکہ میں اپنی تلوار ذوالفقار کے جوہر دکھائے اور فتح حاصل کی۔ اقبال کے نزدیک آپ کی تیسری امتیازی خوبی آپ کا عشق حقیقی کے لئے سرمایہ ایمان ہونا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے دعوت ذوالعشیرہ میں کار تبلیغ دین میں نصرت کی درخواست کی تو وہ واحد شخصیت جس نے اعلان نصرت حق کرتے ہوئے کہا "یارسول اللہ ﷺ! گو میری ٹانگیں پتلی ہیں، میری عمر کم ہے اور میں آشوب چشم کا مریض ہوں تاہم میں آپ کی مدد کے لئے حاضر ہوں تو وہ حضرت علی ؑ ہی کی ذات تھی۔ آپ نے عشق رسول ﷺ میں کئے گئے تمام وعدے پورے کرنے کے سلسلے میں اپنی جان ہمیشہ ہتھیلی پر رکھی۔

از رخ او فال پیغمبر گرفت ملت حق از شکوہش فر گرفت

اسی لئے حضور ﷺ نے آپ کو ایمان کل فرمایا اور تمام مسلمانوں کو بتا چکے تھے کہ "علی کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت میں داخل ہے" جب آپ ؑ پیدا ہوئے تو حضور ﷺ نے سب سے پہلے گود میں لیا۔ حضور ﷺ نے آپ کے رخ روشن میں اثبات دین حق کے آثار پائے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے حضرت علی ؑ کو بچپن سے ہی اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ حضرت علی ؑ بھی حضور ﷺ کی تمام توقعات پر نہ صرف کامیابی سے پورا اترے بلکہ اپنی قوت بازو سے دین حق کی بنیاد مستحکم کر کے اس کو شان و شوکت بھی عطا کر دی۔ اقبال کے

نزدیک انسان اسی وقت کامیابی حاصل کرتا ہے جب وہ متواتر کوشش جاری رکھے، پیچھے نہ پلٹے، حوصلہ نہ ہارے، تب فتح نصیب ہوتی ہے۔

مرد کشور گیر از کراری است گوہرش را آبرو خودداری است

غزوہ خیبر میں حضرات شیخین باری باری مسلمانوں کے لشکر کو لے کر گئے لیکن ناکام لوٹے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرمایا "میں کل ایسے شخص کو علم دوں گا جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہو گا اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔ وہ کرار غیر فرار ہو گا، وہ پیٹھ نہیں پھیرے گا، خدا اس کے ہاتھ پر فتح دے گا۔ (تذکرۃ الغیوب ترجمہ ارشاد القلوب)

اگلے روز حضرت علی ؑ کو علم ملا۔ آپ ؑ نے قلعہ فتح کر کے مسلمانوں کو نصرت سے ہمکنار کر دیا۔ علامہ محمد اقبال کے کلام میں جا بجا امت مسلمہ کی مردہ روح کو ایک بار پھر زندہ کر کے عروج حاصل کرنے کی خواہش کار فرما نظر آتی ہے اور یہ بھی علامہ کا ہی خیال ہے کہ مسلمان اپنا کھویا ہوا مقام صرف اسی صورت میں پا سکتے ہیں کہ وہ عدل، مساوات اور یک جہتی کو فروغ دیں، خود کو ایک لڑی میں پرو دیں اور حضرت علی ؑ کا طریق زندگی اپنا کر اندرونی فرحت یعنی نفس امارہ کو مغلوب کریں

جوں علی در ساز با نان شعیر گردن مرحب شکن خیبر بگیر

حضرت علی ؑ ہمیشہ فقر پر قانع رہے۔ جنابہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے گٹھے پڑ گئے تھے۔ حضرت علی ؑ یہودی امیروں کے باغوں کو پانی دے کر معمولی مزدوری حاصل کر کے کھانا پکانے کا سامان لاتے جب کھانا پکتا تو کوئی نہ کوئی سائل آ جاتا۔ آپ سارا کھانا اٹھا کر دے دیتے اور خود گھر والے اللہ کا شکر ادا کر کے بھوکے سو رہتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صاحب ثروت تھے لیکن ان کا فیض بھی عام تھا لیکن آج کل کے زمانہ میں نہ تو فقر حیدری ہے کہ ناداری میں بھی اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور نہ امراء میں دولت کو غرباء میں خرچ کرنے کا احساس

،وہ تودن رات دولت بڑھانے کے چکر میں لگے رہتے ہیں۔

حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے　　تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟

ہم اپنے ان نیک بزرگوں سے روحانی رشتے کے دعویدار اس وقت تک نہیں ہوسکتے جب تک اپنے عمل صالح نہیں کر لیتے۔ اقبال ایک اور مقام پر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فقر کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری
خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کراری

اقبال کے نزدیک توانائی اور عزت نفس جیسی نعمتیں انسان کو اشرف المخلوقات کے مرتبے پر فائز کرتی ہیں۔ بادشاہ چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا زور ہمت اور فقر نہیں رکھتا، دنیاوی جاہ و حشمت بے کار ہے۔ علامہ اقبال ایک اور مقام پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی خودداری کو بھی موضوع سخن بناتے ہوئے اسی خیال کو کچھ یوں بیان فرماتے ہیں

امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل　　نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

اقبال اس مرد درویش کو دارا و سکندر جیسے شاہان باوقار سے افضل قرار دیتے ہیں جو فقر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قائم کردہ راستے پر چلے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمان فقر کے ہوتے ہوئے بھی خودداری کو اپنائے رکھیں کہ یہی بلند مرتبہ کی نشانی ہے

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ　　ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی
دلوں کو مرکز صبر و وفا کر　　حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نان جویں بخشی ہے تو نے　　اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

یہ عشق الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خشک نان جویں پر

زندگی گزار کر تمام غزوات میں فتح حاصل کی اور ہمیشہ اپنے مالک حقیقی اور محبوب خدا سے محبت کا اٹوٹ رشتہ قائم کرنے کی کوشش کی اور انہی کے حکم سے تمام دنیا میں علم دین الٰہی کو پھیلایا۔
علامہ محمد اقبال نے احادیث نبوی ﷺ کے بغور مطالعہ کے بعد اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ حضور ﷺ مدینۃ العلم تو حضرت علی ؑ باب مدینۃ العلم ہیں۔ آنحضور ﷺ دار الحکمت تو حضرت علی ؑ باب دار الحکمت ہیں، حضور ﷺ کا بھی ارشاد مبارک ہے "میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں" گویا حضرت علی ؑ علم کا سرچشمہ ہوئے۔ حجاز سے چین و روم تک آپ کی روحانی حکومت قائم ہے۔

ذات او دروازۂ شہر علوم زر فرمانش حجاز و چین و روم

اقبال اسی لئے خاک مدینہ و نجف کو اپنی آنکھوں کے لئے سرمہ قرار دیتے ہیں

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

اقبال کہتے ہیں اہل مغرب کے علوم و فنون مجھے متاثر نہیں کر سکے کیونکہ میں حضور ﷺ اور حضرت علی ؑ کے شہروں کی خاک آنکھوں میں لگائے بیٹھا ہوں جو میرے لئے سرمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سرمہ کے اثر نے مجھے اہل مغرب کے کمالات سے بے نیاز کر دیا ہے۔
حضور ﷺ اور حضرت علی ؑ سے جو علوم میں نے حاصل کئے ہیں ان کے سامنے دنیا کے تمام علوم بے کار ہیں۔ ایک اور مقام پر بھی اقبال اپنے علم کو آپ ہی کا فیض قرار دے کر آپ کی غلامی میں شاداں ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ میرے بلند تخیل جس کی رسائی بارگاہ الٰہی تک ہو چکی ہے وہ حضرت علی ؑ کے نام نامی کی یاد کے فیض ہی کا مرہون منت ہے

یہ ہے اقبال فیض یاد نام مرتضیٰ جس سے نگاہ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے

"باقیات اقبال" (عرض بہ جناب نظام الدین اولیاء ؒ) میں بھی اقبال حضرت نظام الدین اولیاء ؒ کے حضور عرض پرداز ہیں

سینہ پاک علی جن کا امانت دار تھا اے شہہ ذی جاہ! تو واقف ہے ان اسرار سے

آپ کے نزدیک اسرار معرفت الٰہی جو آنحضور ﷺ پر ظاہر ہوئے تھے وہی حضرت علی ؑ کے سینے میں محفوظ تھے۔ چنانچہ یہی رازہائے سربستہ حضرت علی کی بارگاہ سے صوفیاء عظام اور اولیاء کرام کو ان لوگوں کے ظرف کو مدنظر رکھتے ہوئے تقسیم ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا آپ حضرت نظام الدین اولیاء کو بھی ان رموز کا واقف گردانتے ہیں۔ اقبال ایک اور مقام پر اہلبیت اور خاص طور پر حضرت علی ؑ سے اپنے والہانہ عشق کا اظہار اس انداز میں کرتے ہیں

دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغ عشق اہل بیت
ڈھونڈتا پھرتا ہے ظل دامن حیدر مجھے

بقول ان کے وہ بے عمل سہی لیکن اہل بیت کی محبت سے اتنی سعادت حاصل کر چکے ہیں کہ حضرت علی ؑ اپنی پناہ میں لینے کے لئے ان کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے جہاں اپنے کلام میں جابجا حضرت علی ؑ سے اپنی بے پناہ چاہت کا اظہار کیا ہے وہاں اپنی نظم "سپاس جناب امیر" (جنوری ۱۹۰۵ء میں رسالہ "مخزن" میں شائع ہوئی جو بعد میں باقیات اقبال میں شامل کرلی گئی) میں تو حضرت علی ؑ کے عشق میں سرشار ہو کر ان تمام کیفیات کا اظہار کھل کر کیا جو ایک سچا عاشق محسوس کرتا ہے، نظم کا آغاز آپ کے جوش عشق کا واضح ثبوت ہے

اے محو ثنائے تو زبانہا　　اے یوسف کاروان جانہا

فرماتے ہیں حضرت علی ؑ کی ذات مبارک اور آپ ؑ کی صفات مبارک اتنی اعلیٰ و ارفع ہیں کہ مومنین کی زبانیں آپ ؑ کی مدح میں لگی رہتی ہیں۔ آپ کاروان حیات کے لئے گرانقدر سرمایہ ہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو اگرانمایہ چیز سمجھ کر ساتھ لے لیا گیا تھا بالکل اسی طرح آپ کی محبت ہر مومن کے دل میں گھر کیے ہوئے ہے

اے باب مدینہ محبت　　اے نوح سفینہ محبت
اے مذہب عشق را نمازے　　اے سینہ تو امین رازے
اے، سر نبوت محمد　　اے وصفِ تو مدحت محمد

اقبال حضرت علی ؑ کو سرمایہ ایمان عشق قرار دیتے ہیں۔ آپ نے آنحضور ﷺ کو

مدینہ محبت گردانتے ہوئے آپ علیہ السلام کو محبت کا دروازہ قرار دیا ہے چونکہ حضرت علی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے مثالی محبت تھی اس لئے اقبال نے آپ کو محبت کی کشتی کا ناخدا کہا ہے۔ اقبال کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام مذہب عشق کے رکن اعظم ہیں اور ان کا سینہ اسرارِ الٰہیہ کا محفوظ خزینہ ہے۔ علامہ اقبال حضرت علی علیہ السلام کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور آپ کی منقبت کو نعت رسول قرار دیتے ہیں۔ سچ ہے پھل کی تعریف در حقیقت درخت کی ہی خوبی کا بیان ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شجر نور ہدایت تھے اور علی علیہ السلام اس کا پھل تھے۔ اسی نظم میں ہی اقبال جوش عشق سے سرشار ہو کر کہتے ہیں، میں تو ٹوٹا ہوا پیالہ تھا، شراب کی تلاش میں تھا اور میری حالت بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ صبح کی جب کہ وہ نسیم سحری سے بے بہرہ ہو۔ میں نامرادی کی وجہ سے سمندر کی طرح مضطرب تھا اور بگولے کی طرح مارا مارا پھرتا تھا، آبلوں میں درد کی ناپختگی کی وجہ سے تھک کر ہمت ہار چکا تھا کہ اچانک یا علی المرتضیٰ علیہ السلام! آپ کے عشق نے میرے دل کو اچک لیا اور میرا مقصد بر آیا۔ آپ ہی کی وجہ سے مجھے سرگردانی سے رہائی ملی، آپ نے مجھے راز حیات سے آگاہ کیا، میری عقل کے بت کدے کو بتوں سے پاک کر کے محترم بنا دیا۔ میری باطل ہستی کو مٹا کر شراب معرفت کا پیالہ نوش جاں کر لیا۔ اب جبکہ میری روح کی کشتی کنارے لگ چکی ہے، برائیاں اچھائیوں میں بدل چکی ہیں، عشق نے مجھے مقصد حیات پر دسترس عطا کر دی ہے میں سوائے عشق علی المرتضیٰ علیہ السلام کے کوئی کہانی بیان نہیں کر سکتا اور اس فسانے کے بیان پر مجھے کوئی ملامت نہیں۔ میرا مقصد عام معشوقوں کے جلووں سے بے نیاز صرف معشوق خاص (علی المرتضیٰ علیہ السلام) کے عشق میں جلنا، آہ و زاری کرنا، تڑپنا اور پگھلنا رہ گیا ہے۔

کتابیات

۱: اقبال کا تصور دین از پروفیسر شفیق الرحمن۔

۲: اقبال کامل از مولانا عبد السلام ندوی مرحوم۔

۳: علامہ اقبال اور تصوف از پروفیسر سید عبد الرشید فاضل۔

۴: اقبال اور حب اہل بیت اطہار از سید محبوب علی زیدی۔

۵: اقبال --- شعاع صد رنگ از ڈاکٹر سلیم اختر۔

منقبت بحضور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

علامہ سید مکرم علی سیفی فرید آبادی مرحوم

نبی کے اوج معارف کا فیض یاب علی
عروج عرش الٰہی کا آفتاب علی
فشار قبر کے ہیں ضامن عذاب علی
ابوتراب علی ہیں، ابوتراب علی
نبی مدینہ ہیں عرفان حق تعالیٰ کا
اور اس مدینے میں جانے کا ایک باب علی
علی کے فیض حقیقت کی خوشہ چیں دنیا
نبی کے فیض حقیقت سے کامیاب علی
علی کو لحمک لحمی نبی نے فرمایا
بحکم خیر بریہ ہیں لاجواب علی
علیم علم الٰہی، نقیب وحی نبی
امیر اتقیاں، صاحب رقاب علی
علی پہ ختم ہیں ساری سخاوتیں سیفی
علی وہیب، علی واہب و وہاب علی

اہل بیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن وحدیث کی روشنی میں

سید شجاعت علی شاہ گیلانی
لیکچرر گورنمنٹ کالج مانسہرہ

سید عربی زبان کا لفظ ہے جو عام طور پر سردار، صاحب حیثیت اور بڑے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ تین مقامات پر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے:

سورہ آل عمران آیت نمبر ۳۹

ان اللہ یبشرک بیحیی مصدقا بکلمۃ من اللہ و سیداً وحصوراً و نبیا من الصلحین

ترجمہ: بے شک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ کا جو اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور ہمیشہ کے لئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے۔ (کنزالایمان)

۲: احزاب: آیت نمبر ۶۷ قالوا ربنآ انا اطعنا سادتنا و کبرآء نافاضلونا السبیلا

ترجمہ: اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں اور بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں راہ سے بہکا دیا۔ (کنزالایمان)۔

۳: سورہ یوسف آیت نمبر ۲۵ والفیا سیدھا لدالباب

ترجمہ: اور دونوں کو عورت کا میاں دروازہ کے پاس ملا (کنزالایمان)

پہلے دو مقامات پر تو خالصتاً سردار اور پیشوا کے لئے ہے اور تیسرے مقام پر خاوند یا حاکم کے لئے "سید" کا لفظ آیا ہے اسی طرح احادیث میں سردار قوم کے ئے لفظ سید آیا ہے۔ بنو قریظہ سے متعلق ایک حدیث جو حضرت ابو سعید خدری نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے قوموا الی سید کم (یعنی اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ)، یہاں سید سے سردار قبیلہ مراد ہے۔ لغت میں لفظ سید س (سین) مفتوح اور یا (ی) مفتوحہ مشددہ کے ساتھ سردار کے علاوہ حضرت

فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا اور ان کی نسل کے معنی میں ہے سید ان حضرت حسنین کے لئے آیا ہے ۔ محولہ بالا حدیث میں لفظ سید سردار قوم کے لئے بولا گیا ہے مگر متعدد احادیث میں لفظ "سید" خصوصیت سے حضرات اہل بیت نبی کریم ﷺ کے لئے خود رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا، حضرات حسنین کریمین علیہما السلام کے لئے ارشاد فرمایا انہما سیدا شباب اہل الجنۃ

ترجمہ : بے شک یہ دونوں نوجوانان جنت کے سردار ہیں۔

حضرت حسن علیہ السلام کے لئے ارشاد فرمایا :

ان ابنی ھذا سیدٌ عسیٰ ان یبقی حتی یصلح بین فئتین عظیمتن من المسلمین

ترجمہ : بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے، فیصلہ کرے گا مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے لئے ارشاد فرمایا

الا ترضین انک سیدۃ نساء العلمین

ترجمہ : (اے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیا تم اس بات کو پسند کرتی کہ تمام جہانیوں کی عورتوں کی سردار ہو۔

اسلامی انسائکلوپیڈیا مطبوعہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کے صفحہ ۹۶۷ پر "سید" کے بارے میں مذکور ہے کہ یہ لفظ سردار، حاکم، شہزادہ یا مالک جو اپنے اوصاف، املات یا کسی اور وجہ سے ممتاز ہو، آخری معنی میں یہ لفظ بلا شرکت غیرے آنحضرت ﷺ کی اولاد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

الغرض لفظ سید حدیث میں اہلبیت النبی ﷺ کے لئے خود جناب رسالت مآب ﷺ نے استعمال فرمایا۔ ذریت اہل بیت کے ساتھ بغض وعداوت اقتدار کے حوالے سے بہت پہلے زمانہ میں شروع ہوئی جو تاریخ کی کتب میں مندرج ہے تاہم ان کی فضیلت وبڑائی بھی قرون اولیٰ سے مسلم ہے۔ امت مسلمہ میں ان کے شرف وتکریم کو جانا پہچانا گیا بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وتابعین کے دور میں ان کو باعث فخر اور ذریعہ نجات سمجھنے کی مثالیں ذخیرہ حدیث وتاریخ میں اظہر من الشمس ہیں۔ بلاد عرب میں حضرات اہل بیت وذریات کے لئے

اشراف کا لفظ بھی مستعمل رہا ہے اور ہے۔ اشراف اہل بیت کا ذکر ان کی تکریم و تعظیم اور ان کا نسب دور قدیم کی مستند کتابوں کی زینت ہے۔ عجم بالخصوص پاک و ہند میں ان حضرات کے لئے لفظ سید ہی استعمال ہوتا ہے اور ہو رہا ہے۔ اور یہاں تو یہ لفظ انہی حضرات کا امتیاز ہے لفظ سید سے فقط اولاد حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا ہی مراد ہے، سید اہل بیت اطہار رسالت مآب ﷺ ہیں۔

اہل بیت : بعض لوگ لفظ اہل بیت کے لغوی استعمال کا فائدہ لے کر متنازع فیہ بنانے کی سعی میں مشغول ہیں مگر ان کی کوشش بسیار کے باوجود ناکامی کا سبب خود رسالت مآب ﷺ کی گواہی اور ارشادات و فرامین ہیں جن کی موجودگی میں یہ کوشش بے سود اور رائیگاں ہے اور حضرات اہل بیت النبی ﷺ کے علو درجات کا سبب ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید میں لفظ اہل بیت ازواج کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ ھود کی آیت نمبر ۷۲ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے کہ جب فرشتوں نے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی خوشخبری سنائی تو ان کی زوجہ محترمہ کو اپنے بڑھاپے کے سبب حیرانی ہوئی تو وہ بولے

اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ و برکاتہ علیکم اھل بیت

ترجمہ :کیا اللہ کے کام کا اچنبا کرتی ہو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تم پر اس گھر والو! (کنزالایمان)

گویا گھر والوں سے مراد بیویاں ہیں۔ گھر کی نسبت عورتوں سے کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

بلا تخرجوھن من بیوتھن (الطلاق آیت ۱) یعنی عدت میں انہیں ان کے گھروں سے مت نکالو۔ (کنزالایمان)

سورہ احزاب میں اہل بیت نبی ﷺ کو خطاب ہے

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا (الاحزاب ۳۳)

ترجمہ :اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر

کے خوب ستھرا کر دے۔(کنز الایمان)

ایک طبقہ اہل علم میں سے یہ گمان کرتا ہے کہ اس آیت میں اہل بیت سے صرف ازواج النبی ﷺ ہی مراد ہیں اور وہ آیت کے شان نزول اور پہلے اور بعد والی آیات کو مضمون کے یکجا کر کے اہل بیت کی تطہیر سے صرف ازواج مطہرات ہی مراد لیتے ہیں۔ تابعین میں سے حضرت عکرمہ کا قول اسکے لئے قوی دلیل مانا جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے تفسیر ابن جریر کے حوالے سے حضرت عکرمہ سے یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ بازاروں میں منادی کرتے پھرتے تھے کہ یہ آیت ازواج نبی ﷺ کے بارے میں خاصۃً نازل ہوئی ہے اور اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن ابی حاتم کا ایک قول بھی یونہی نقل کیا ہے۔

تاہم دوسرا طبقہ اہل علم میں وہ بھی ہے جو اس سے مراد اہل بیت کی تطہیر کے حوالے سے صرف خاندان نبوی ﷺ لیتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج گردانتے ہیں بطور دلیل ایک حدیث جسے ابن کثیر ہی نے اسی آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے پیش کی جاتی ہے کہ حضرت حصین بن سرہ اور ان کے ساتھی حضرت ارقم کے پاس گئے اور ان سے حدیث سننا چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے مقام خم پر جو خطبہ دیا تھا اس میں ارشاد فرمایا تھا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں : پہلی بات اللہ اور دوسرے میرے اہل بیت۔ حضرت حصین نے پوچھا آپ کے اہل بیت کون ہیں، کیا بیویاں ان میں داخل ہیں یا نہیں ؟ کہا قسم ہے خدا کی بیوی کا تو یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے پاس عرصہ دراز سے ہو لیکن پھر وہ اگر طلاق دے دے تو وہ اپنے میکے میں اور اپنی قوم میں چلی جاتی ہے ؟ آپ کے اہل آپ کی اصل اور عصبہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ یہ حدیث نقل کر کے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنداً صحیح نہیں کیونکہ دوسری سند کے ساتھ یہ ہی حدیث امام مسلم نے روایت کی ہے اس میں حضرت زید بن ارقم نے حضرت حصین کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ آپ کی بیویاں تو آپ کے اہل بیت ہی ہیں لیکن آپ کی اہل بیت وہ بھی ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ امام ابن

کثیر نے اسی دوسری بات کو زیادہ راجح قرار دیا ہے اور یہی بات صحیح اس لئے بھی ہے کہ قرآن کی دیگر مثالیں اور لغوی معنی چونکہ بیویوں کو اہل بیت ثابت کرتے ہیں اور متعدد صحیح احادیث میں حضور سرور کائنات ﷺ نے حضرت فاطمہ، حضرت علی اور حضرات حسنین کریمین علیہما السلام کو اہل بیت قرار دیا ہے اور ساتھ ہی بہت ساری صحیح احادیث میں اس آیت سے مراد یہی حضرات خود رسالت مآب ﷺ نے لئے ہیں۔

لہٰذا ہر تین اقوال میں دو اقوال یعنی صرف ازواج مطہرات اہل بیت ہیں اور یا ازواج مطہرات اہل بیت سے خارج ہیں، افراط و تفریط کا شکار نظر آتے ہیں اور راجح قول جو لغت قرآن اور حدیث صحیحہ کے عین مطابق ہے وہ یہ کہ شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں آیت مذکورہ کے ذیل میں بطور خلاصہ کے یوں نقل کیا ہے

"اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اولاً انہی سے ہے لیکن چونکہ اولاد اور داماد بھی بجائے خود اہل بیت (گھر والوں) میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں جیساکہ مسند احمد کی ایک روایت میں "احق" کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے آپ کا حضرت فاطمہ، علی، حسن، حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ایک چادر میں لے کر اللھم ھؤلاء اھل بیتی (اے میرے اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں) وغیرہ فرمانا یا حضرت فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے الصلٰوۃ اھل البیت یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس سے خطاب کرنا ہی اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ گو آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہو لہٰذا انہی سے مخاطب ہو رہا ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لفظ کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں۔ ایک اور علمی نقطہ جس کی طرف علامہ مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب نے اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں آیت مذکورہ کے حوالے سے توجہ دلائی ہے۔

لفظ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں کیونکہ شان نزول اس آیت کا وہی ہے اور

شان نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا متحمل نہیں ہے اور حضرت فاطمہ و علی و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نسآء النبی کے عنوان سے خطاب اور ان کے لئے صیغے مؤنث کے استعمال فرمائے گئے۔ سابقہ آیات میں فلا تخضعن بالقول سے آخر تک سب صیغے مؤنث کے استعمال ہوئے اور آگے پھر و ذکرن ما یتلی میں بصیغہ تانیث خطاب ہوا ہے اس درمیانی آیت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر بصیغہ مذکر عنکم اور یطھرکم فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازاوج ہی داخل نہیں کچھ مرد بھی داخل ہیں۔

اہل بیت میں حضرت علی، حضرت فاطمہ اور ان دونوں کی مشترکہ نرینہ اولاد حضرت حسن اور حسین علیہم السلام شامل ہیں لہٰذا مصداق حدیث ولغت انہما سیدا یہ دونوں شہزادے سید اور ان کی اولاد نرینہ سید ہے۔

علامہ موسیٰ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "النہج السہل الیٰ مباحث الذل ولاھل" میں صفحہ ۲۸۳ پر اہل علم کے ایک قول پر جو بحث تحریر فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آل اور اہل علیہ السلام سے مراد حضرت فاطمہ، حضرت علی، حسن، حسین اور ان کی اولاد ہیں ، جمہور کا قول بھی یہی ہے اور بحوالہ "نور الابصار" تابعین کی ایک جماعت جن میں حضرت مجاہد اور قتادہ شامل ہیں، بھی یہی مراد لیتے ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی کی تفسیر اور زمخشری کی تفسیر کے مطابق جب یہ آیت قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃفی القربیٰ- سورہ شوریٰ آیت ۲۳ (تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت) نازل ہوئی تو پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کے قرابت دار کون ہیں جن کی دوستی مطلوب ہے؟ فرمایا حضرت علی، حضرت فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا اور ان دونوں کے بیٹے۔

مختلف راویوں کی روایت کردہ ایک مشہور حدیث جو مختلف الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی، کا خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت نازل ہوئی

تو آپ ﷺ حضرت ام سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ کے گھر میں تھے اور حضرت فاطمہ، علی، حسن و حسین موجود تھے۔ آپ کو رسالت مآب ﷺ نے چادر سے ڈھانپ کر ارشاد فرمایا

هولاء اهل بيتي فاذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهيرا

عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ کے لئے بھی حضرت رسالت مآب ﷺ انہی چار برگزیدہ چہروں کے ساتھ تشریف لائے جسے قرآن نے آیت مباہلہ میں قیامت تک محفوظ کر لیا۔ تفسیر خازن اور دیگر تفاسیر میں ہے ابناء سے حسن و حسین اور نساء سے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ اور انفس سے خود رسالت ماب ﷺ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔ آل نبی اور اہل بیت النبی اور ذریت نبی ﷺ سے اولاد حضرات حسنین مراد ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ جب ایک شخص نے آپ کو سجدہ کی حالت میں خنجر مار کر زخمی کیا جب وہ زخم کے اچھا ہونے پر مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا تو فرمایا اے عراقیو! ہمارے بارے میں خوف خدا کرو ہم تمہارے حاکم ہیں، مہمان ہیں اور ہم اہل بیت ہیں جن کے بارے میں آیت انما یرید اللہ نازل ہوئی اس پر آپ نے خوب زور دیا اور بار بار مضمون دہرا لیا۔ ایک مرتبہ علی بن حسین نے ایک شامی سے فرمایا تھا کیا تو نے سورہ احزاب کی آیت تطہیر نہیں پڑھی، اس نے کہا ہاں، کیا اس سے تم مراد ہو؟ تو فرمایا ہاں۔

حضرات حسنین کریمین علیہما السلام اور ان کی ذریت اولاد رسول ﷺ ہیں اور سورہ کوثر میں ان شانئك هو الابتر میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ ابتر اسے کہا جاتا ہے جس کی اولاد نہ ہو مگر آپ کو اولاد والا اور دشمن کو ابتر گردانا گیا۔ سورہ احزاب کی آیت نمبر ۴۰ میں ارشاد ہے

ما كان محمد ابا احد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين

ترجمہ: محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے۔ (کنزالایمان)

اس ارشاد گرامی نے وضاحت کر دی کہ آپ کی نرینہ اولاد اب نہیں اور سورہ کوثر میں فرمایا

آپ اولاد والے ہیں اور اولاد آپ کی حضرت فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا سے آگے چلی ہے باقی دختران گرامی کی اولاد موجود نہیں، وضاحت آگے آئے گی۔

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عموماً اولاد نرینہ اولاد ہی سے شمار کی جاتی ہے، اس عقدہ کو خود قرآن مجید نے حل کر دیا۔ حضور ﷺ کے اور معجزات کی طرح یہ بھی آپ کا اعجاز ہے اور اس کی ایک مثال پہلے سے موجود ہے کہ گاہے بگاہے غیر نرینہ اولاد آگے ذریت شمار ہو جایا کرتی ہے۔ کہتے ہیں حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما ذریت نبی ﷺ ہیں حالانکہ وہ علی اور ابو طالب کی ذریت سے ہیں اور پھر یہ بھی دعویٰ کرتے ہو کہ اس کا ثبوت قرآن سے ہے، میں نے قرآن کو اول سے آخر تک پڑھا کہیں اس کو نہ پایا تو ابن یعمر نے کہا کیا تم نے سورہ انعام کی آیت نمبر ۸۴-۸۵) میں نہیں پڑھا کہ ومن ذریتہ سے لے کر یحییٰ و عیسیٰ تک پڑھتے چلے گئے اور کہا کہ عیسیٰ کو ذریت ابراہیم میں بتایا گیا حالانکہ وہ باپ نہیں رکھتے تھے صرف بیٹی کے تعلق سے ذریت میں شامل ہیں تو پھر حسن و حسین ذریت نبی ﷺ میں سے کیوں نہ ہوں، تو حجاج نے مان لیا۔ پس حسنین اور ان کی اولاد، اولاد نبی ﷺ ہیں اور اسلاف نے ان کو یوں ہی تسلیم بھی کیا ہے اور ان کو کما حقہ تکریم و تعظیم دی ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد کہ اولاد نبی ﷺ اور اہل بیت اطہار میں اب ذریت حضرت فاطمہ و حسین باقی ہیں اور وہی اس منصب جلیلہ کے اہل ہیں۔

یہ سوال بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ بنات نبی ﷺ کی تعداد ایک نہیں چار ہے اور ان کی اولاد کا کیا منصب ہے؟ بعض فتنہ پسند نواصب یہ الجھاؤ پیدا کر کے سادہ لوح اہل ایمان کو حضرات سادات کرام کی توہین و تنقیص پر آمادہ کرتے ہیں ان کے ایمان کا سودا کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اولاد رسول اللہ ﷺ کا حال مختصراً اس مضمون کا حصہ بنالیا جائے۔

سورہ احزاب کی آیت نمبر ۴۰ میں یہ صاف ارشاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں گویا آپ ﷺ کی نرینہ اولاد سن بلوغت کو نہیں پہنچی تاہم آپ ﷺ

ﷺ کی کل اولاد تین فرزند اور چار دختران طاہرات تھیں۔ ابناء میں حضرت قاسم جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور جب پاؤں پر چلنا سیکھ گئے تھے کہ عازم راہ عدم ہوئے دوسرے صاحبزادے عبداللہ علیہ السلام جن کا لقب طیب و طاہر ہے مکہ معظمہ میں بعثت نبوت کے بعد پیدا ہوئے اور مکہ معظمہ ہی میں وفات پائی۔ انہی کی وفات پر سورہ کوثر نازل ہوئی تھی، تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ایام رضاعت ابھی باقی تھے کہ خلد بریں جا سدھارے۔

بنات النبی ﷺ کے دو سے زیادہ ہونے کی گواہی سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۵۹ میں موجود ہے بنات کا لفظ جو جمع کے لئے بولا جاتا ہے دو سے زیادہ پر شاہد ہے۔ اس سورہ احزاب کی آیت نمبر ۵ میں ایک حکم ربی ہے کہ ان کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔

مطلب یہ کہ جب قرآن مجید نے باپوں کی طرف نسبت کا حکم دیا اور خود جن بیٹوں کی نسبت حضور ﷺ سے کی وہ آپ ہی کی حقیقی بیٹیوں کی اولاد ہیں نہ کہ حضرت خدیجہ کی پہلی اولاد کیونکہ بیوی کی پہلے خاوند کی اولاد سے اولاد کے لئے عربی میں لفظ ربائب ہے جو قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے اور حضرت سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ چاروں حضور ﷺ کی صاحبزادیاں ہیں جو حضرت خدیجۃ اکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن اطہر سے ہیں۔ ان سب کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی۔ حضور ﷺ نے یہاں ربائب کا ذکر بھی کتب تاریخ میں موجود ہے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کے ہاں تین لڑکیاں درہ، زینب، اور ام کلثوم تھیں اور ام المؤمنین ام حبیبہ کی دختر حبیبہ تھیں۔

حضرت سیدہ زینب کا نکاح ابو العاص بن ربیع سے ہوا جو کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی سگی بہن حضرت ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے، سیدہ زینب کا انتقال ۸ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ ان کے بطن سے ایک فرزند حضرت علی اور ایک دختر امامہ تولد ہوئے۔ فتح مکہ کے وقت یہی علی سبط رسول حضور ﷺ کے ساتھ ناقہ پر سوار تھے۔ سن بلوغت تک پہنچنے سے پہلے ہی رفعت

بخش علیین ہوئے، ان کی وفات حضرت سیدہ زینب کی حیات میں ہوئی۔

حضرت امامہ بنت زینب حضور نبی کریم ﷺ کی انتہائی پیاری نواسی تھیں۔ سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام سے نکاح میں آئیں اور ان کے بعد مغیرہ بن نوفل جو حارث عم نبی ﷺ کے پوتے تھے، سے حضرت حسن علیہ السلام کی اجازت سے نکاح ثانی پڑھا گیا، ان کے بطن سے ایک فرزند یحییٰ پیدا ہوئے جن کی نسل آگے نہیں چلی۔

حضرت سیدہ رقیہ کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ۲ ہجری میں چیچک کی وجہ سے ارتحال فرمایا۔ یہ جنگ بدر کا زمانہ تھا اور انہی کی تیمارداری کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنگ میں رسالت مآب ﷺ کے حکم سے شرکت نہ فرمائی۔ ان کے یہاں ایک فرزند حضرت عبداللہ تولد ہوئے اور اپنی والدہ کے دو سال بعد چھ سال کی عمر میں آنکھ میں زخم کے پک جانے کی وجہ سے آغوش مادر میں جا سوئے۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا : ۳ ہجری میں ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان کی کوئی اولاد نہ تھی، ۹ ہجری میں انتقال ہوا۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا : واقعہ بدر کے بعد، احد سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ سیدہ کا نکاح ہوا۔ سیدہ کے بطن سے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے علاوہ سیدہ ام کلثوم اور سیدہ زینب پیدا ہوئیں۔ بعض مؤرخین نے سیدہ کی اولاد میں محسن اور رقیہ کے نام لکھے ہیں مگر ان کی صغر سنی میں وفات کی شہادت بھی دی ہے۔ حضرات حسنین کی اولاد بلاد عرب میں دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ پاکستان میں مختلف واسطوں سے اولاد فاطمہ و علی سادات عظام کے نام سے ہر گوشے میں بصد تکریم و اعزاز موجود ہے۔

سادات بلاشک وشبہ قابل تعظیم ہیں مگر ان کی اس علوشان اور عظمت و تکریم کے ساتھ ساتھ ان پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہیں جن سے غفلت نہ صرف حضرات سادات کے دینی و دنیاوی نقصان کا باعث ہے بلکہ قرابت رسالت مآب ﷺ ہونے کے ناطے انتہائی باعث شرم

بھی ہے اور توہین آمیز بھی۔ سادات کرام جہاں بزرگی اور عظمت کے دعوید ار یا خواہاں ہیں وہاں ان کو قرآن کریم کا یہ حکم جو اہل بیت کے لئے ہے، سامنے رکھنا چاہئے کہ لھا العذاب عفین ان کو عذاب بھی دگنا ہو گا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ سورہ احزاب کی یہ آیت نمبر ۳۰ نساء النبی کے خطاب پر ہے کہ اے نبی کی عورتو! جو کوئی تم میں کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی تو اس کو عذاب دوہرا ہو گا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

اکثر مفسرین یہ خطاب ازواج مطہرات کے لئے بتاتے ہیں کہ پہلے ان کی بات چل رہی تھی اور عموماً نساء کا خطاب بیویوں کے لئے ہے۔ سورۃ العمران میں آیت مباہلہ کا لفظ نساء سے سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا مراد ہیں اور سورہ احزاب کی آیت نمبر ۲۸ میں ازواج مطہرات کے لئے ازواج کا لفظ استعمال ہو رہا ہے تو پھر اس آیت نمبر ۳۰ میں مذکورہ خطاب نساء کو اگر ازواج کے ساتھ ساتھ اولاد رسول ﷺ یعنی سادات کرام کی عورتوں کو شامل کر لیا جائے تو یہ عین دستور قرآنی کے مطابق ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس نساء کے خطاب کو ازاوج کے لئے مختص کریں بجا مگر اس کو اگر اس کے علاوہ نساء اہل بیت کے لئے شامل جانا جائے تو بھی درست اور حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ اس استدلال کے بعد حکم پر غور فرما کر تمام سید زادیاں غور فرمائیں من یات منکن بفاحشہ مبینۃ

یعنی جو کوئی تم میں سے کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے اس کو دوہرا عذاب ہے۔

لہٰذا عظمت و تکریم کے متمنی سادات و سید زادیاں عام لوگوں کے مقابلے میں دوہرے عذاب کے لئے خود کو تیار کریں یا پھر اپنی اصل ذمہ داری حیاء و عفت، تقویٰ و ورع اور ذکر و عبادت اور دنیا سے بے رغبتی کو لازم پکڑیں تا کہ آیت تطہیر کے ثمرات سے بہرہ مند ہو سکیں۔

منقبت بحضور امام الاولیاء کرم اللہ وجہہ الکریم

پروفیسر خاطر غزنوی

ہے جس قدر جہاں پہ مہر آفتاب کا
دنیا پہ اس سے بڑھ کے ہے سایہ جناب کا

جو خانہ خدا میں کھلا رنگ و بو لئے
ثانی نہیں جہاں میں کوئی اس گلاب کا

آغوش مصطفیٰ میں ملا آگہی کو حسن
وہ شہر علم اور شرف اس کے باب کا

تا زندگی نبی کی رفاقت قبول کی
دنیا میں کیا جواب ہے اس انتخاب کا

میدانِ کارزار میں جو ذوالفقار تھی
چرچا جہاں میں آج بھی ہے اس کی آب کا

وہ ماہِ نو، تقدم ایمان و حسن ضو
پھیلا شبوں میں نور اسی ماہتاب کا

وہ زندگی کہ ایک سراپا عمل رہی
سوچیں تو عالم اس کا لگے ایک خواب کا

میں خاکسار اڑنے لگا ہوں ہواؤں پر
خاطر یہ فیض مجھ پہ ہے سب بوتراب کا

مقام اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مدیر اعلیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت ﷺ کی محبت واطاعت اور تکریم وتعظیم قرآن وحدیث کی رو سے ہر مسلمان پر فرض ہے اور پھر رسالت مآب ﷺ کی اولاد پاک یعنی اہل بیت عظام کی محبت اور عزت واحترام بھی ایک لازمی امر ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور احادیث مبارکہ میں خود پیارے محبوب ﷺ نے اہل بیت کے مقام ومنصب کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حضرت امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد منظم طور پر اہل بیت عظام کی شان گھٹانے کی کوششیں شروع ہوگئیں اور اس کے بعد حضور پاک ﷺ کی اولاد کو جن مشکلات، مصائب اور ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا وہ تاریخ اسلام کا ایک سیاہ باب ہے۔

بنوامیہ کی طرف سے منبر رسول ﷺ پر اہل بیت عظام کی طعن وتشنیع اور ہتک وتوہین کے واقعات کو مسعودی، ابن خلدون اور شاہ معین الدین ندوی کے علاوہ دیگر مؤرخین اسلام نے اپنی تاریخوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ظلم واستبداد کے اس تاریک دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تابعین، تبع تابعین، اولیائے کرام اور علمائے مسترشدین نے امت محمدیہ ﷺ کو اہل بیت عظام کی عظمت ورفعت اور قدر ومنزلت سے آگاہ کرنے کے لئے جو خدمات سرانجام دیں وہ ہماری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "صواعق محرقہ" صفحہ ۲۱۴ پر اہل بیت عظام کی شان میں گستاخیوں اور بے ادبیوں کے آغاز پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بنی امیہ کا ایک گروہ آپ کی تنقیص کرنے لگا اور منبروں پر آپ کو گالیاں دینے لگا اور ملعون خوارج نے ان کی موافقت کی بلکہ انہوں نے آپ کو کافر تک کہا تو اہل سنت کے جلیل القدر حفاظ امت کی خیر خواہی اور حق کی نصرت کے لئے آپ کے فضائل کی نشر واشاعت میں لگ گئے"

حضرت علامہ اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں اپنی کتاب "برکات آل رسول" صفحہ ۱۲۹ پر رقمطراز ہیں

"بنو امیہ نے آپ کی تنقیص کی تو صحابی جس کو آپکے مناقب کا علم تھا اس نے بیان کر دیا۔ جوں جوں انہوں نے آپ کے لئے ذکر کو مٹانے کی کوشش کی اور آپ کے مناقب بیان کرنے والے کو سرزنش کی آپ کے مناقب اتنے ہی زیادہ پھیلتے رہے"

چنانچہ آج پھر دشمنان اہل بیت کا ٹولہ سرگرم ہو کر محراب و منبر پر علی الاعلان آل نبی ﷺ و اولاد علی المرتضیٰ ؓ خصوصاً حضرت امیر المؤمنین امام الاولیاء جناب علی المرتضیٰ ؓ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اجمعین کو ہدف تنقید بنا رہا ہے لہٰذا امت محمدیہ ﷺ کی خیر خواہی کے لئے اہل بیت عظام کے مقام و منصب سے انہیں آگاہ کرنا اس وقت انتہائی ضروری اور لازمی ہے تاکہ عوام و خواص اس شر سے بچ جائیں۔

اسی مقصد کے پیش نظر راقم الحروف نے حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "خصائص نسائی شریف" کی شرح "انوار علی" کے نام سے کی ہے جس میں امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ ؓ، سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا اور حسنین کریمین کے فضائل و مناقب پر مشتمل ۱۹۳ احادیث و آثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

نیز ایک مختصر سا مقالہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس میں اہل بیت عظام کی شان میں نازل ہونے والی قرآن مجید کی چند آیات کریمہ، پیارے محبوب ﷺ کی کچھ احادیث مبارکہ کے علاوہ چاروں آئمہ اہل سنت یعنی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام

احمد بن حنبل اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عقیدہ درج کیا گیا ہے۔ تاکہ ان کے عقائد کی روشنی میں ہم اپنے عقائد درست کر سکیں۔

آیت مودۃ: اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کے اہل بیت عظام سے محبت کرنے کا حکم ان الفاظ میں ارشاد فرمایا

قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ (الشوریٰ ۴۲ : ۲۳)

ترجمہ: (اے پیارے محبوب ﷺ!) ارشاد فرماد یجئے کہ میں تم سے اس پر اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔ (کنز الایمان)

اس آیہ کریمہ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اے میری امت! میں نے تمہیں یہ جو دین اسلام کی تبلیغ کی ہے اور اپنے حقیقی رب تعالیٰ کی طرف تمہاری رہنمائی کی ہے تو میں اس پر تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا لیکن یہ کہتا ہوں کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو۔

اہل بیت کون ہیں؟: حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "درمنثور" اور دیگر مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ

"صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے وہ کون سے رشتہ دار ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جناب علی المرتضیٰ، فاطمۃ الزہراء اور ان کی اولاد یعنی حسنین کریمین"

حضرت علامہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے "کنز الایمان" کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ "علی فاطمہ اور حسنین کریمین کے علاوہ ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں شامل ہیں"

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی شریف، طبرانی، حاکم اور بیہقی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث شریف بھی نقل فرمائی کہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھو اس لئے کہ وہ تمہیں روزی عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے سبب مجھے محبوب رکھو اور میری محبت کے واسطے سے میرے اہل بیت کو محبوب رکھو۔

ایک دوسری حدیث جو کہ حاکم نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل بیت کے لئے بہتر ہوگا۔

ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو میرے اہل بیت کے ساتھ احسان کرے گا میں اس کا بدلہ اسے قیامت کو دوں گا۔

حضرت علی المرتضیٰ ؓ: آنحضرت ﷺ نے احادیث مبارکہ میں جناب امیر المؤمنین، شیر خدا، امام الاولیاء، سند الاتقیاء حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی محبت و عظمت اور آپ کے ساتھ حسد و بغض سے بچنے کی تلقین ان الفاظ میں فرمائی

"میں جس کا محبوب ہوں علی بھی اس کا محبوب ہے۔ اے اللہ! جو اس سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ"

(رواہ النسائی فی الخصائص علی)

اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث ابو یعلی اور بزاز نے حضرت سعد بن وقاص ؓ سے یوں روایت کی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے جناب علی المرتضیٰ ؓ سے محبت رکھی بے شک اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کیا اور جس نے علی کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی، اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی۔ یہی حدیث طبرانی نے حضرت ام سلمہ سے بھی بسند حسن روایت کی ہے۔

شیخین نے سعد بن ابی وقاص ؓ اور احمد و بزاز نے حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت کی ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم ﷺ جناب حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو مدینہ منورہ میں

اپنا نائب مقرر فرما کر خود میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس پر لوگوں نے باتیں بنائیں کہ علی کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ تو آپ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی حضور آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا "کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کو میرے نزدیک وہ مقام حاصل ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاصل تھا، ہاں فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"

طبرانی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت علی ﷜ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا علیہا السلام: سرور عالم و عالمیان ﷺ نے اپنی جگر گوشہ، بتول، طاہرہ، راضیہ، مرضیہ جنابہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب و محامد ان الفاظ میں بیان فرمائے

"فاطمہ میرے اہل بیت میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے" (رواہ الترمذی)

"فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھ کو ناراض کرے گا" (رواہ البخاری)

"فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی" (رواہ البخاری)

فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہے (البدایہ والنہایہ)

"فاطمہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی" (کنز العمال)

امام طبرانی نے سند حسن سے حضرت علی المرتضیٰ ﷜ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا

"جس سے تو ناراض ہوگی اللہ بھی اس سے ناراض ہوگا اور جس سے تو راضی ہوگی اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہوگا،"

متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ندا کرنے والا عرش سے ندا کرے گا، اے اہل محشر! اپنے سروں کو جھکا لو، اپنی

آنکھیں بند کرلو تاکہ فاطمہ بنت محمد ﷺ پل صراط سے گذر کر جنت کی طرف چلی جائیں۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ستر ہزار جنتی حوروں کے ہمراہ بجلی کی چمک کی طرح گذر جائیں گی" (برکات آل رسول)

حسنین کریمین علیہما السلام: امام الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ ﷺ نے اپنے دونوں نواسوں کے مقام و مرتبہ کی نشاندہی ان الفاظ مبارک میں فرمائی

"حسن اور حسین نوجوانان جنت کے سردار ہیں" (احمد، ترمذی، طبرانی)

"میرے یہ دونوں بیٹے حسن اور حسین نوجوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کا باپ ان دونوں سے بہتر ہے" (ابن ماجہ، ابن عساکر، حاکم)

"حسن اور حسین دونوں میری دنیا کے پھول ہیں" (ترمذی شریف)

"یہ دونوں (حسن و حسین) میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں پس تو بھی ان سے محبت رکھ اور جو ان دونوں سے محبت رکھتا ہے اس سے بھی محبت رکھ" (ترمذی وابن حبان)

"جو حسن و حسین سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے" (احمد ابن ماجہ اور حاکم)

جناب سیدنا امام حسن علیہ السلام کے متعلق حضور پاک ﷺ نے فرمایا

"میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا" (ترمذی شریف)

اور جناب سیدنا امام حسین علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا

"حسین (رضی اللہ تعالیٰ) مجھ سے ہیں اور میں حسین (رضی اللہ تعالیٰ) سے ہوں، اللہ تعالیٰ اس شخص کو محبوب رکھتا ہے جو حضرت حسین سے محبت کرتا ہے" (ترمذی شریف)

آیت تطہیر: تقویٰ و طہارت بھی ایک بہت بڑی فضیلت اور خوبی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے

پیارے محبوب ﷺ کے صدقہ میں اہل بیت کرام علیہم السلام کو اس خصوصیت سے نوازا اور اس کا ذکر قرآن کریم میں یوں فرمایا

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا (الاحزاب ۳۳)

ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے۔ (کنزالایمان)

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رجس سے مراد عمل شیطان اور ہر وہ حرکت ہے جس میں کوئی شرعی یا طبعی برائی ہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو بعض علماء نے رجس کے معنی شک، گناہ، نجاست اور نقائص کے بھی کئے ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کو ان سب چیزوں سے پاک فرمادیا۔

پنجتن پاک: امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت لی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" یہ آیت پنجتن پاک کے بارے میں نازل ہوئی۔ میرے بارے میں نیز علی، حسنین کریمین اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں"

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "درمنثور" میں اس آیہ کریمہ کے ضمن میں مختلف سندوں سے متعدد روایات بیان فرمائی ہیں ان میں پہلی روایت یہ ہے

حضرت ام المؤمنین ام سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے اور اس وقت آپ ﷺ خیبر کی بنی ہوئی ایک چادر زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ایک ہنڈیا لائیں جس میں خزیرہ (قیمہ) تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے شوہر اور صاحبزادوں کو بلاؤ۔ چنانچہ خاتون جنت نے انہیں بلایا وہ ابھی کھانا تناول فرما رہے تھے کہ یہ آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ان سب کو چادر سے ڈھانپ لیا اور دست مبارک باہر نکال کر آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی "اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور حمایتی ہیں" ایک روایت میں آتا ہے فرمایا" یہ کہ میرے خواص ہیں ان سے پلیدی دور رکھ اور

انہیں پاک وصاف فرما، یہ کلمات تین دفعہ کہے"

حضرت ام سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں، میں نے چادر اٹھا کر سر داخل کر لیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بھی آپ کے ساتھ ہوں تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا "تم بھلائی پر ہو"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس دن تک صبح کے وقت حضرت فاطمۃ الزہرا کے دروازے پر تشریف لاتے اور فرماتے السلام علیکم اھل البیت و رحمۃ اللہ و برکاتہ الصلوٰۃ رحمکم اللہ (اے اہل بیت تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، رحمت اور برکت ہو، نماز پڑھو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔) اور پھر آیت مبارک انما یرید اللہ تلاوت فرماتے اور بعض روایات میں آیا ہے چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا (برکات آل رسول صفحہ ۳۵)

امام یوسف اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "برکات آل رسول" صفحہ ۴۳ پر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں

> "پس قیامت تک سادات کرام، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ کی اولاد اور جو اہل بیت میں سے ہیں مثلاً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ اس آیت کے حکم میں داخل ہیں۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کی بدولت مقدس و مطہر ہیں۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے"

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "روح المعانی" میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

> "اس تطہیر کا نتیجہ ہے کہ اخلاق، اعمال اور فضائل ہر لحاظ سے اہل بیت کرام ہر دور میں دوسروں سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ یہ ان کی ایسی خصوصیت ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں اس لئے ارباب کشف نے تصریح فرمائی ہے کہ ہر دور میں قطب اس خاندان سے ہوتا ہے"

آیت مباہلہ: اسی طرح آیت مباہلہ میں اللہ تعالیٰ نے آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اولاد علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی

شان کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا

فقل تعالوا ندع ابنآءنا و ابناء کم و نسآءنا و نساء کم و انفسنا و انفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین (آل عمران ۳: ۶۱)

ترجمہ: پس ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تم اپنے بیٹے اور ہم اپنی عورتیں اور تم اپنی عورتیں اور ہم اپنی جانیں اور تم اپنی جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ (کنزالایمان)

اس آیہ کریمہ کا شان نزول یوں ہے کہ ۹ ہجری میں نجران کے عیسائی مدینہ منورہ آئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس پر بحث مباحثہ کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذباللہ) خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اور حضور ﷺ انہیں سمجھاتے رہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور برگزیدہ عبد ہیں، عیسائی یہ بات تسلیم نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی تو حضور پاک ﷺ نے انہیں مباہلہ کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم اپنے نفس، بیٹے اور عورتیں لاتے ہیں اور تم بھی اپنی جانیں، بیٹے اور عورتیں لے کر آؤ اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

حضرت علامہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ "کنزالایمان" کے حاشیہ پر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"کہ اس موقع پر سرکار دو عالم ﷺ کے ایک طرف امام حسن علیہ السلام، دوسری طرف امام حسین علیہ السلام اور پیچھے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور حضور پاک ﷺ ان سے فرمارہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا چنانچہ جب نصرانیوں کے بڑے پادری نے ان مقدس حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا اے جماعت نصاریٰ! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے پہاڑ کو ہٹا دینے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو اس جگہ سے ہٹا دے گا۔ تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ

رہے گا۔ یہ سن کر نصاریٰ مباہلہ سے رک گئے اور آخرکار انہوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندروں اور سؤروں کی شکل میں مسخ کر دیئے جاتے۔ جنگل آگ سے بھڑک اٹھتا اور وہاں کے رہنے والے پرندے بھی نیست و نابود ہو جاتے اور ایک سال تک تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے"

حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے ضمن میں اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"یہ آیت انہیں (اہل بیت) کے بارے میں نازل ہوئی ہے انفسنا سے خود رسول کریم ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مراد ہیں۔ ابناء نا سے جناب حسن و حسین اور نساء نا سے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا مراد ہیں"

آیت درود و سلام: قرآن پاک میں جب صلوٰۃ و سلام کے حکم پر مبنی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

(الاحزاب ۵۶)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر، اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو (کنز الایمان)

تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو سلام کرنا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا ہے ہم آپ پر درود کیسے بھیجا کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو

اللھم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابرھیم و علی ال ابرھیم انك حمید مجید اللھم بارك علی محمد و علی ال محمد کما بارکت علی ابرھیم و علی ال ابرھیم انك حمید مجید (متفق علیہ)

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ "صواعق محرقہ" کے ۹۴ پر لکھتے ہیں

"پس نزول آیت کے بعد صحابہ کا سوال کرنا اور حضور ﷺ کا جواب دینا کہ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد الخ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس آیت میں صلوٰۃ کا حکم آپ کے اہلبیت اور بقیہ آل کے لئے ہے۔ اگر یہ مفہوم مراد نہ ہوتا تو وہ اہل بیت اور آپ کی آل پر صلوٰۃ کے بارے میں نزول آیت کے بعد دریافت نہ کرتے اور نہ انہیں ایسا جواب ملتا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے جب انہیں جواب دیا گیا تو پتہ چلا کہ جو احکام دیئے گئے ہیں ان میں ان پر صلوٰۃ پڑھنے کا بھی حکم ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اس بات میں اپنا قائم مقام بنایا ہے کیوں کہ آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا مقصد آپ کی مزید تعظیم کرنا ہے"

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ "تفسیر مظہری" میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ صلوٰۃ و سلام بھیجنا مسلمانوں پر واجب ہے۔

اور قاضی صاحب نے یہ حدیث بھی نقل فرمائی کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے نماز پڑھی لیکن نے مجھ پر درود پڑھا نہ میرے اہل بیت پر تو اس کی نماز قبول نہیں۔

حدیث ثقلین: صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

"میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہنا اور اس پر عمل کرنا اس طرح قرآن حکیم کے متعلق ترغیب دی پھر فرمایا، دوسری چیز میرے اہل بیت، میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں یہ بات تین مرتبہ آپ ﷺ نے دہرائی"

اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ حدیث یوں بیان کی گئی ہے

"میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں کتاب اللہ جو ایک رسی ہے آسمان سے زمین تک اور میری عترت اہل بیت، مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں تم غور کرو کہ میرے بعد ان دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو"

اہل بیت کی مثال، کشتی نوح: اسی طرح اصحاب سنن کی ایک جماعت متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے راوی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوح علیہ السلام کی مانند ہے جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہا ہلاک ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ غرق ہو گیا، ایک اور روایت میں ہے کہ جہنم میں داخل ہوا"
(برکات آل رسول)

صحابہ کرام اور اہل بیت: یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور اکابرین اہل سنت ہمیشہ اہل بیت عظام کی تعظیم و توقیر اور محبت و عقیدت پر کاربند رہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے پیش نظر اہل بیت کا احترام کرو"

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کا وظیفہ بدری صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے برابر مقرر فرمایا حالانکہ یہ دونوں اس غزوہ میں شامل نہ تھے۔ لیکن آل رسول ہونے کی نسبت سے یہ خصوصی برتاؤ ان کے ساتھ فرمایا"

حضرت سعد بن ابی وقاص کو جب امیر معاویہ نے کہا کہ تم حضرت علی کو برا کیوں نہیں کہتے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک مجھے وہ تین باتیں یاد ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کے بارے میں بیان فرمائی تھیں تو میں انہیں برا نہ کہوں گا اور اگر ان میں سے ایک بھی مجھے مل

جائے تو میرے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی کو فرمایا تو میرے نزدیک ایسا ہے جیسا کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ہاں تھا۔ خیبر کے موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا کل جھنڈا اس کو دوں گا جو اللہ اور رسول (ﷺ) کو دوست رکھتا ہے اور اللہ ور سول بھی اسے دوست رکھتے ہیں اور پھر جھنڈا حضرت علی کو عطا فرمایا۔ اور جب آیت ابناء نا و ابناء کم اتری تو علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو طلب کر کے فرمایا یہ میرے اہل بیت ہیں (مسلم شریف)

آئمہ اہل سنت اور اہل بیت عظام : اور اب آخر میں اہل بیت عظام کے متعلق اہل سنت کے چاروں آئمہ کرام کی عقیدت و محبت کا حال ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت کرام کے ساتھ خصوصی محبت رکھتے تھے۔ مصر کے معروف مؤرخ شیخ ابو محمد زہرہ "حیات امام ابو حنیفہ" کے صفحہ ۲۹۰ پر لکھتے ہیں

"آپ کا طبعی رجحان و میلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس اولاد کی جانب تھا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن اطہر سے تھے اور یہی میلان آپ کی ابتلا کا سبب ہوا"

نیز صفحہ ۲۹۳ پر لکھتے ہیں کہ

"امام ابو حنیفہ کی رائے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو لڑائیاں لڑیں ان سب میں حق و صواب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی کوئی تاویل ان کی نگاہ میں قابل تسلیم نہ تھی۔"

امام مدینہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت عظام سے حد درجہ محبت رکھتے تھے۔ چنانچہ ۱۳۵ھ میں محمد نفس ذکیہ کی حمایت کے نتیجہ میں عباسی خلیفہ منصور کی طرف سے آپ کو ستر کوڑوں کی سزا دی گئی (رئیس احمد جعفری، سیرت آئمہ اربعہ صفحہ ۲۹۳)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی آل رسول ﷺ سے محبت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں بیان ہونے والی تمام صحیح احادیث کو جمع

فرمایا اور اس کتاب کا نام "مناقب علی" رکھا۔ نیز انتہائی تقویٰ اور شریعت میں دقت نظر کے باوجود یزید کے کفر اور اس پر لعنت کے جواز کا فتویٰ دیا" (اسماعیل نبھانی، برکات آل رسول)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیت عظام کی تعریف میں یہ اشعار نظم کیے۔

یا اهل بیت رسول الله حبکم فرض من الله فی القرآن انزله

کفا کم من عظیم القدر انکم من لم یصل علیکم لا صلوۃ له

ترجمہ: اے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تمہاری محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن میں فرض قرار دی گئی ہے تمہاری جلالت شان کے لئے یہی کافی ہے کہ جس نے تم پر درود نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہیں ہوئی۔

یہاں تک کہ اہل بیت عظام کی محبت و عقیدت کی وجہ سے حضرت امام شافعی پر رافضیت کی تہمت بھی لگائی گئی اور پھر آپ نے فرمایا

ان کان رفضا حب آل محمد فلیشهد الثلقان انی رافض

ترجمہ: اگر بالفرض آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہی سے انسان رافضی ہو جاتا ہے تو جن و انس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اہل بیت عظام کے بلند و ذیشان مقام کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آئمہ اہل سنت کے عقائد کی روشنی میں ہمیں اپنے عقائد صحیح اور درست کرنے کی ہمت وطاقت نصیب کرے اور اہل بیت عظام کی ایسی محبت و مودت ہمارے قلوب میں پیدا فرمائے جس کا تقاضا قرآن حکیم اور پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں کیا گیا ہے اور ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت عظام علیہم السلام کے دشمنوں کو دشمن اور دوستوں کو دوست سمجھیں۔

وما توفیقی الا باللہ

مولیٰ علی

حضرت علامہ پیر سید خضر حسین شاہ چشتی

ادائے احمد مرسل ادائے مولا علی
عطائے سرور عالم عطائے مولا علی

ہے مولا اس کا علی جس کا ہے نبی مولا
ولائے شاہ رسل ہے ولائے مولا علی

علی سے پاک محبت عطا خدایا کر
براہ شاہ رسالت برائے مولا علی

نبی سے مانگو یا مانگو علی کی چوکھٹ سے
سخائے شاہ رسل ہے سخائے مولا علی

بصد عطا و عنایت ازل سے رکھی ہے
نبی کے نور سے حق نے بنائے مولا علی

علی کا کام ہی گرتوں کو تھام لینا ہے
گرائے جس کو مقدر، اٹھائے مولا علی

ہر اک ولی کے لوا سے بلند تر ہوگا
لوائے حمد کا سایہ لوائے مولا علی

جو آئے مد مقابل غرور کے کہسار
بنا کے ریت کے ذرے اڑائے مولا علی

وہ راہیں نور ہیں مثل کوہ طور ہیں
جہاں جہاں سے گذر کر ہیں آئے مولا علی

ہمیشہ سایہ فگن ہو یہی تمنا ہے
خضر غریب کے سر پر ردائے مولیٰ علی

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے نادر فیصلے

حاجی تنویر احمد صدیقی قادری
منتظم اعلیٰ ادارہ تبلیغ واشاعت اسلام پشاور

عن علی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انا مدینة العلم و علی بابھا (اخرج البزاز عن جابر بن عبداللہ والعقیلی و بان عدی عن ابن عمرو الطبرانی عن کلیھما و الحاکم عن علی و بان عمرو البغوی و ابو نعیم عن علی

ترجمہ : حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

عن سعید بن المسیب قال لم یکن احد من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول سلونی الا علیا (اخرجه احمد)

ترجمہ : سعید بن مسیّب سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کبار میں کوئی صاحب سوائے جناب علی المرتضیٰ کے نہیں تھا جو یہ کہتا مجھ سے پوچھو"

عن ابی عمر قال ما کان احد من الناس یقول سلونی غیر علی ابن ابی طالب (اخرجه البغوی)

ترجمہ : ابی عمر سے روایت ہے کہ سوائے علی بن ابی طالب کے کوئی آدمی ایسا نہیں تھا جو یہ کہہ سکتا کہ مجھ سے پوچھو۔

ان تین احادیث مبارکہ سے سیدنا حضرت علی علیہ السلام کے علمی مقام کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سیدنا حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مجھے وہ علم نصیب ہے جو جبریل امین کو بھی نہیں۔ حضرت علامہ امام عبدالباقی زرقانی اپنی مشہور زمانہ تالیف "زرقانی علی المواہب" میں شب معراج کے واقعات نقل کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے پہلے کہ میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں مجھ سے ایسے علم کے متعلق پوچھ لو

جس کو نہ تو جبرئیل علیہ السلام جانتے ہیں اور نہ ہی میکائیل علیہ السلام جانتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس علم کی تعلیم دے رکھی ہے جو آپ ﷺ نے شب معراج میں سیکھی تھی اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے رب نے شب اسریٰ میں بے شمار علوم مجھے سکھائے یہ انہیں علوم میں سے ہیں جو آپ ﷺ نے مجھے سکھادیئے

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس نے جنت کو پیدا فرمایا اور دانے کو پھاڑا میرے پاس قرآن ہے اور وہ فہم ہے جو اللہ تعالیٰ کتاب مقدس کے متعلق فرماتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو میں نے منصب قضاء کے سلسلہ میں اپنی نا تجربہ کاری کا اظہار کیا جس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے دعا فرمائی چنانچہ اس کے بعد مجھے کبھی اپنے کسی فیصلہ میں شک پیدا نہیں ہوا

ان چند احادیث مبارکہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو حضور پاک، شفیع المذنبین رحمت للعالمین، عالم ماکان و مایکون جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صحبت بابرکت سے جو علم لدنی نصیب ہوا اسی علم کی روشنی میں آپ نے مشکل ترین فیصلے بڑی آسانی سے حل کیے۔ چند واقعات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر کئی دفعہ یہ فقرہ دہرایا "پوچھ لو جو چاہتے ہو قبل اس کے کہ میں تم میں نہ ہوں" ایک شخص اس تاک میں رہا کہ ریاضی کا سوال اس وقت پوچھوں گا جب حضرت کے پاس جواب دینے کے لئے وقت بہت قلیل ہو۔ حضرت مسجد سے نکلے، گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ اس شخص نے لگام تھام کر سوال کا جواب چاہا۔

سوال یہ تھا، وہ کون سا عدد ہے جو ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، دس پر تقسیم ہو جائے اور کسر باقی نہ بچے۔ حضرت کا پاؤں ریڑھ کی ہڈی تک نہ گیا تھا کہ جواب دے دیا۔ یعنی ہفتہ کے دنوں کو سال کے دونوں سے ضرب دے لو (۷×۳۶۰=۲۵۲۰)

نصف ۱۲۶۰، تہائی ۸۴۰ چوتھائی ۶۳۰، پانچواں حصہ ۵۰۴۔ چھٹا حصہ ۴۲۰، ساتواں حصہ ۳۶۰، آٹھواں حصہ ۳۱۵، نواں حصہ ۲۸۰، دسواں حصہ ۲۵۲۔

ایک یہودی نے آپ سے دریافت کیا کہ وہ کونسا عدد ہے جو دو سے لے کر دس تک ہر عدد پر تقسیم ہو جاتا ہے اور اس عدد کا خارج قسمت بھی دو سے لیکر دس تک ہر عدد پر قابل تقسیم ہے مگر اس کا ۱/۸ چار پر اور ۱/۴ پر اور ۱/۷ پر اور ۱/۶ پر ایک ۱/۸ پر تقسیم نہیں ہوتا۔ حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا اگر میں یہ عدد بتادوں تو تم اسلام قبول کرلو گے، کہاہاں میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ فرمایا تم ہفتہ کے دنوں کو مہینہ کے دنوں میں ضرب دیدو اور حاصل ضرب کو سال کے دنوں سے ضرب دو تو تمہیں وہ عدد مل جائے گا۔ چنانچہ ہفتہ کے ساتھ دنوں کو مہینہ کے تین دنوں سے ضرب دی جائے تو حاصل ضرب ۲۱۰ ہوگا اور ۲۱۰ کو سال کے دنوں ۳۶۰ میں ضرب دی جائے تو حاصل ضرب ۷۵۶۰۰ ہوگا اس سے کسور تسعہ نکل آئیں گے لیکن اس کا ۱/۸ یعنی ۹۴۵۰ چار پر تقسیم نہیں ہوگا۔ اور ۱/۴ یعنی ۱۸۹۰۰ آٹھ پر تقسیم نہیں ہوگا اور ۱/۷ یعنی ۱۰۸۰۰ سات پر تقسیم نہیں ہوگا اور ۱/۹ یعنی ۸۴۰۰ نو پر تقسیم نہیں ہوگا اور ۱/۸ یعنی ۹۴۵۰ آٹھ پر تقسیم نہیں ہوگا۔

حضرت امام الاولیاء ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئی۔ آپ اس وقت گھر سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے۔ ایک پاؤں رکاب میں ڈالا تو وہ عورت بولی، یا امیر المؤمنین! میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مرا ہے مگر لوگوں نے مجھے ایک دینار دیا ہے۔ میں آپ سے انصاف چاہتی ہوں۔ میر افیصلہ آپ کریں۔ حضرت نے بلا تامل جواب دیا کہ تیرے بھائی کی دو بیٹیاں رہ گئی ہوں گی۔ اس نے کہاہاں۔ آپ نے دو ثلث ۲/۳ یعنی ۴۰۰ دینار ان کے ہوئے۔ تیرے بھائی کی ماں ہوگی جس کو ایک سدس (۱/۶ یعنی سو دینار ملے اس کی زوجہ بھی ہوگی جس کو ثمن ۱/۸ حصہ یعنی ۷۵ دینار ملے۔ پھر حضرت نے پوچھا تیرے بارہ بھائی ہیں۔ عورت نے تسلیم کیا فرمایا دو دینار بھائیوں کو ملے۔ پس تیرا حصہ ایک دینار ہے، جالوٹ جا تیرا حصہ ایک دینار ہے۔

ایک شخص حضرت امیر المؤمنین ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں نے قسم کھائی

ہے کہ میں ہاتھی کا وزن کروں گا۔ آپ نے فرمایا ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کی تم طاقت نہیں رکھتے۔ عرض کیا اب تو میں مصیبت میں مبتلا ہو چکا ہوں۔ حضرت نے ایک بڑی کشتی کو طلب کیا اس پر ہاتھی سوار کیا جہاں تک پانی میں ڈوبی تھی وہاں تک کشتی پر نشان لگا دیا۔ پھر کشتی سے ہاتھی کو اتار کر کنارے پر لے آئے۔ اس کشتی میں لکڑیاں بھرنا شروع کیں اس حد تک لکڑیاں رکھی گئیں کہ کشتی نشان تک ڈوب گئی پھر حکم دیا کہ ان لکڑیوں کا وزن کر لوں جو وزن لکڑیوں کا ہو وہ ہاتھی کا وزن ہو گا۔

ایک شخص نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا بہترین چیز جو اللہ نے خلق کی ہے وہ کیا ہے؟ فرمایا کلام پھر پوچھا کہ بدترین چیز کیا ہے فرمایا کلام، مطلب ہے اچھی بات سے اچھی چیز کوئی نہیں اور بری بات سے بری چیز کوئی نہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دو مسلمان مرد ایک جگہ ٹھہرے، ایک نے پانچ روٹیاں اپنے پاس سے نکالیں اور دوسرے نے تین روٹیاں جب کھانے کی تیاری کی تو ایک تیسرا شخص بھی آن کر شریک ہو گیا جب کھا چکے، وہ تیسرا شخص آٹھ درہم بیچ میں رکھ کر چلا گیا۔ درہموں کی تقسیم پر ان دونوں میں جھگڑا ہوا۔ پانچ روٹیوں والا کہتا تھا پانچ درہم میرے ہیں اور تین تیرے ہیں اور تین والا کہتا تھا کہ درہم غیب سے ہمیں پہنچے ہیں۔ دونوں میں برابر تقسیم ہونے چاہئیں۔ دنوں جھگڑتے ہوئے قاضی شریح کے پاس گئے اور سارا قصہ بیان کیا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ جو پانچ روٹیوں والا کہتا ہے قریب الفہم ہے، تجھے لازم ہے کہ اس کی بات پر عمل کرے اس نے کہا جب تک امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہ جاؤ میری تسلی نہ ہو گی۔ وہ سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے، سارا حال بیان کیا۔ حضرت نے پانچ روٹیوں والے سے کہا تو اس شخص کو اپنی خوشی سے تین درہم دیتا ہے۔ اس نے عرض کیا ہاں۔ پھر تین روٹی والے سے فرمایا اس بارہ میں مبالغہ نہ کر جو کچھ ملتا ہے لے کر چل دے۔ اس نے عرض کیا یا امیر المؤمنین انصاف کیجئے۔ فرمایا وہ شخص تجھے اپنے حق میں دیتا ہے تو ہی عدل و انصاف کا

خواہاں ہے سو عدل یہ ہے کہ ایک درہم تیرا ہے اور سات درہم اس کے چونکہ ہم فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان تینوں اشخاص میں سے کس نے زیادہ کھایا ہے کس نے کم۔ اس نے عرض کی ہم تینوں نے برابر کھایا تب حضرت نے فرمایا ہم آٹھ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کریں تو کل چوبیس ٹکڑے ہوں گے یعنی ایک کے پندرہ (پانچ روٹیوں کے)، دوسرے کے نو (تین روٹیوں کے) اس حساب سے تیسرے شخص نے تیری روٹیوں میں ایک ٹکڑا کھایا اور پانچ والے کی روٹیوں سے سات ٹکڑے کھائے اس لئے ایک درہم تیرا حق ہے اور سات درہم اس کے اس شخص نے اپنی نادانی کا اقرار کرتے ہوئے ایک درہم قبول کیا۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس شخص پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں ہوا حاضر مجلس کا شور بلند ہوا۔

حضرت علی المرتضیٰ ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں یمن کی طرف روانہ فرمایا وہاں چار اشخاص ایک گڑھے میں گر پڑے۔ یہ گڑھا شیر کو شکار کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ شیر اس گڑھے میں پہلے سے گرا ہوا تھا۔ جب پہلا شخص اس میں گرنے لگا اس نے دوسرے کو پکڑ لیا، دوسرا گرنے لگا تو اس نے تیسرے کو پکڑ لیا اور تیسرے نے گرتے وقت چوتھے کو پکڑ لیا۔ غرض وہ اسی طرح چاروں اس میں گر گئے۔ شیر نے چاروں کو زخمی کر کے مار ڈالا اور چاروں کے وارثوں میں تنازع پیدا ہو گیا۔ جنگ کی نوبت پہنچنے کے قریب تھی کہ حضرت علی ؓ نے فرمایا میں تم میں فیصلہ کئے دیتا ہوں اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ ورنہ تم میں سے چند آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس چلے جائیں وہ آپ لوگوں کا فیصلہ کر دیں گے۔

جناب علی المرتضیٰ ؓ نے فرمایا جن لوگوں نے یہ گڑھا کھودا ان سے دیت اس طرح جمع کرو کہ ایک چوتھائی حصہ دیت کا ہو اور ایک تیسرا حصہ ایک نصف دیت کا ہو اور ایک پوری دیت کا ۔ پہلے آدمی کے لئے دیت کا چوتھائی ہے، دوسرے کے لئے دیت کی تہائی، تیسرے کے لئے دیت کا نصف اور چوتھے کے لئے پوری دیت ان لوگوں نے اس فیصلے کو قبول نہ کیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے مقام ابراہیم پر ان لوگوں سے ملاقات کی اور

سارا واقعہ سنا۔ انہوں نے بھی بتایا کہ جناب علی المرتضیٰ علیہ السلام نے اس کا یوں فیصلہ کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ سن کر اسی کو برقرار رکھا۔

تین اشخاص مل کر سترہ اونٹوں کے متعلق جھگڑتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ایک شخص نصف اونٹوں کا دعویدار تھا، دوسرا تہائی۔ تیسرا نویں حصہ کا۔ مشکل یہ تھی کہ سترہ اونٹوں کو ان کی حصص کے مطابق تقسیم کرنا تھا۔ لیکن جب تقسیم کرتے تو ایک اونٹ زندہ تقسیم نہ ہو سکتا تھا۔ یہ لوگ بڑی مشکل میں تھے۔ اس سے قبل ادھر ادھر بہت ٹکر ماری لیکن کسی سے یہ عقدہ حل نہ ہو سکا۔ آخر کار حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا کیا اس پر راضی ہو کہ ان سترہ اونٹوں میں ایک اپنا اونٹ بڑھا دوں انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے اپنی طرف سے ان میں ایک اونٹ بڑھا دیا۔ اب ان اونٹوں کی تعداد اٹھارہ ہو گئی۔ آپ نے پہلے شخص کو اس کے دعویٰ کے مطابق ۹ اونٹ دیدیئے دوسرے کو اس کے دعویٰ کے مطابق چھ اونٹ دیدیئے۔ تیسرے کو نواں حصہ اس کے حق کے مطابق دو اونٹ دیدیئے اس طرح سترہ اونٹ تقسیم ہوئے اور ایک اونٹ بچ رہا جو امیر المومنین نے اپنی جانب سے ان میں داخل کیا تھا، واپس ہوا فیصلہ سن حاضرین عش عش کرنے لگے۔

ایک عورت نے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ اسے جائز قرار دیتے ہیں کہ جوان شوہر دار عورت اپنے باپ سے اجازت لے کر دوسرا نکاح کرے۔ لوگ اس سوال پر متعجب ہوئے مگر امیر المومنین فوراً سمجھ گئے کہ شوہر کے ہوتے ہوئے دوسرے کے معنی اس کے سوا کیا ہو سکتے ہیں کہ اس کا شوہر عورت کے قابل نہیں ہے۔ آپ نے اس کے شوہر کو طلب کیا اور فرمایا اسے طلاق دے دو اس نے بغیر حیل وحجت کے اس کو طلاق دے دی اور آپ نے عدت کا انتظار کئے بغیر اس کا عقد دوسرے شخص سے کر دیا کیونکہ ایسی صورت میں عدت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میرے

سامنے چند خرمے رکھے تھے میری بیوی نے ایک خرما اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ میں نے قسم کھائی کہ وہ نہ اسے پھینکے اور نہ نگلے فرمایا وہ آدھا کھا لے اور آدھا پھینک دے تم قسم سے بری الذمہ ہو جاؤ گے۔

ایک لڑکا پیدا ہوا جس کے دو پیٹ، دو سر، دو ناک، دو منہ، چار آنکھیں اور چار ہاتھ تھے لیکن نچلا دھڑ ایک اور اعضاء ایک ہی تھے۔ اس کی ولادت کے بعد اسکا باپ جو ایک نامی سوداگر تھا انتقال کر گیا۔ اس کے وارثوں میں اختلاف پیدا ہوا کہ اس بچے کو دو حصے ملیں گے یا ایک۔ بہت ردوکد کے بعد دارالشرع میں حاضر ہوئے بلا تامل خلیفہ نے کہا ایسے مشکل معاملہ کو علی ابن ابی طالب ﷺ کے آگے پیش کرو، کیونکہ میرے لئے یہ عجیب مسئلہ ہے۔ جب آپ کے پاس آئے تو بلا تامل کہا کہ جب یہ لڑکا سو جائے یا روئے۔ تو غور سے دیکھو ایک سوتا ہے دوسرا جاگتا ہے یا دونوں سوتے ہیں یا جاگتے ہیں۔ ایک خاموش رہتا ہے اور ایک روتا ہے یا دونوں ایک دفعہ روتے ہیں۔ اگر دونوں ایک وقت سوئیں تو سمجھو کہ ایک شخص ہے۔ جب آزما کر دیکھا تو ثابت ہوا کہ وہ ایک شخص ہے اس کے مطابق وراثت کا ایک حصہ دیا گیا۔

ایک شخص نے جناب امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ ﷺ سے عرض کیا کہ ایک کتے اور ایک بکری سے ایک بچہ پیدا ہوا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے اسے ذبح کر کے کھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ امیر المومنین ﷺ نے فرمایا اگر گوشت کھاتا ہے تو کتا ہے اگر گھاس کھاتا ہے تو بکری پھر دیکھو پانی کس طرح پیتا ہے اگر پانی میں منہ ڈال کر پیئے تو بکری، اگر چپڑ چپڑ کے پیئے تو کتا ہے۔ وہ بولا دونوں طرح پیتا ہے۔ فرمایا دیکھو وہ بکریوں کے گلہ میں کس طرح چلتا ہے، اگر آگے پیچھے یا بیچ گلہ میں چلے تو بکری، اگر گلہ کے پیچھے رہے تو کتا، وہ بولا دونوں طرح چلتا ہے۔ آپ نے فرمایا بیٹھتا کس طرح ہے۔ کتے کی طرح یا بکری کی طرح اس نے کہا دونوں طرح تب اسے ذبح کر کے دیکھو کہ اس کا معدہ جگالی کرنے والوں کی طرح ہے تو بکری ورنہ کتا۔

ایک دفعہ لوگوں نے ایک ایسے آدمی کو غیر آباد مکان میں ایسی حالت میں دیکھا کہ اس کی آستین کہنیوں تک الٹی ہوئی تھیں اور اس کے ہاتھوں میں خون آلود خنجر تھا اور بالکل اس کے

سامنے ایک نعش خاک و خون میں غلطاں پڑی ہوئی پائی جو ابھی تک تڑپ رہی تھی لوگوں نے اس سے پوچھا کیا تم نے ہی اس کو قتل کیا ہے؟ اس نے ان لوگوں کے سامنے اقرار بھی کر لیا۔ اب اسے لوگ قتل کے بدلہ میں قتل کے لئے لے جا رہے تھے وہاں اچانک ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور لوگوں کو کہا فی الحال قتل نہ کرو بلکہ اسے حضرت علی ؓ کے پاس لے چلو تو وہ سب آدمی اسے امیر المؤمنین ؓ کے پاس لے آئے۔ پھر جس شخص نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ اس قاتل کو حضرت کے پاس لے چلو اس نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اقرار بھی کر لیا کہ قاتل دراصل میں ہی ہوں اور یہ آدمی بالکل بے قصور ہے اس پر حضرت نے پہلے آدمی سے دریافت کیا جس نے اس جرم کا اقبال کر لیا تھا کہ تو اپنا واقعہ بیان کر اس نے کہا یا حضرت میں اس غیر آباد مکان کے قریب ہی ایک گوسفند کو ذبح کر رہا تھا تو مجھے پیشاب کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس غرض سے میں غیر آباد مکان میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک خون آلود آدمی تڑپ رہا ہے، میں اس کو دیکھ ہی رہا تھا کہ لوگ اس خرابہ کے اندر داخل ہوئے اور مجھ کو ایسی حالت میں دیکھا کہ میری آستین الٹی ہوئی ہے اور خون میں لتھڑا ہوا چھرا میرے ہاتھ میں تھا۔ اس کے علاوہ یہ ثبوت میرے خلاف کافی تھا کہ میرے سوا اس غیر آباد مکان میں کوئی دوسرا آدمی بھی موجود نہ تھا۔ جب ان لوگوں نے اس قتل کے بارے میں پوچھا اگر میں ایسی حالت و ماحول میں انکار کرتا تو کوئی بھی میری بات پر اعتبار نہ کرتا یہ لوگ تشدد کر کے میری ہڈی پسلی ایک کر دیتے۔ میں نے اس میں خیر دیکھی کہ قتل کا اقبال جرم ہی کر لوں ورنہ میں اس معاملہ میں بالکل بے قصور تھا۔ آپ نے اس کا بیان سن کر اس دوسرے آدمی کو جس نے بعد میں آکر کہا کہ قاتل میں ہوں۔ لوگوں کے ساتھ اپنے فرزند حسن علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ میرا بیٹا حسن علیہ السلام کرے گا۔ جب اس کو حسن علیہ السلام کے پاس لائے تو اس قاتل کا اعتراف جرم سننے کے بعد لوگوں کو کہا کہ تم سب حضرت امیر المؤمنین ؓ کی خدمت میں جا کر میری طرف سے عرض کرو۔ یہ درست ہے کہ اس قاتل نے اگر ایک آدمی کو قتل کیا مگر اس نے اعتراف

جرم کر کے دوسرے آدمی کی جان بچائی۔ لہٰذا میرا فیصلہ یہ ہے کہ پہلا شخص جس پر قتل کا الزام تھا بے قصور نکلا اور دوسرا جس نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا ہے ان دونوں کو رہا فرمایا جاوے۔ آپ نے جب اپنے فرزند کا فیصلہ سنا تو لوگوں سے فرمایا اس مقدمہ کا فیصلہ یہی ہو سکتا تھا جو میرے بیٹے نے کیا۔ اس کے بعد دونوں کو رہا کر دیا۔

ایک عورت نے لڑکی کو جنم دیا اور دوسری نے لڑکے کو۔ لڑکی والی نے بچہ تبدیل کر لیا اور مقدمہ حضرت علی ؑ کی خدمت میں آیا۔ حضرت نے حکم دیا دونوں عورتوں کے دودھ لے کر وزن کیا جاوے۔ جس کا وزن زیادہ ہو لڑکا اس کے حوالہ کر دو۔ خداوند تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ لڑکی کا لڑکے سے نصف حصہ ہے۔

حضرت علی ؑ کا زمانہ خلافت تھا کہ تین آدمیوں کو قتل کے الزام میں گرفتار کر کے آپ ؑ کی پیش کیا گیا۔ ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ الزام تھے۔ ایک نے مقتول کو پکڑے رکھا، دوسرے نے اس کو قتل کیا اور تیسرا دور کھڑا رہا تو آپ نے اس مقدمہ کا یہ فیصلہ کیا جو دور سے تماشا دیکھتا رہا اس کے لئے یہ حکم دیا کہ اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری جائے جس نے قتل کیا اس کو قتل کے بدلہ میں قتل کیا جائے جو اسے پکڑے ہوئے تھا تو اس کیلئے حکم دیا اس کو عمر بھر کے لئے قید رکھا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے اس فیصلہ سے ہر ایک مجرم کو مختلف سزائیں ملیں۔

ایک دفعہ قبیلہ کندہ کے ایک خوبرو اور خوش لباس نوجوان کو چوری کے الزام میں حضرت علی ؑ کے پیش کیا گیا۔ حضرت علی ؑ نے اس کو دیکھ کر فرمایا اے نوجوان! تمہیں اپنی جوانی، خوبصورتی اور خوش پوشی کا خیال نہ آیا کہ ذلیل کام کا مرتکب ہوا، اب جبکہ شریعت کا حکم اٹل ہے اور تمہارا چوری کے الزام میں ہاتھ کٹ جائے گا تو کیا تیری صورت کو داغدار نہیں کرے گا۔ اس نے رو کر عرض کی امیر المومنین! یہ میرا پہلا موقعہ ہے کہ میں نے چوری کی ہے اس دفعہ میرے گناہ کو معاف کر کے میرا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ آپ نے سن کر فرمایا اللہ تعالیٰ حلیم ہے کسی کو بھی اس کے پہلے جرم پر اس کو رسوا نہیں کرتا۔ کیا تو اس بات سے انکار کرے گا کہ تو نے ایک بار سے زیادہ

چوریاں کی ہیں۔ اس لئے تمہارا ہاتھ ضرور کاٹنا پڑے گا۔ اس نے پھر گڑگڑا کر التجا کی کہ مولی! میرے حال پر نہ سہی میرے کنبہ کے ان گیارہ افراد پر ترس کھائیں جن کا میں تنہا کفیل ہوں۔ میرے معذور ہونے پر وہ فاقہ کشی کا شکار ہو کر ختم ہو جائیں گے۔ آپ تھوڑی دیر کے لئے سوچ میں پڑ گئے۔ اس کے بعد اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں احکام شریعت کی بال برابر نافرمانی نہیں کر سکتا ہوں اس لئے تمہارے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہوں حکم کی تعمیل کی گئی تو اس شخص نے اقرار کرتے ہوئے کہا خدا کی قسم کھا کر کہا میں نے اس سے قبل ننانوے چوریاں کی تھیں اب تک خدا ستار میری پردہ پوشی کرتا رہا جس سے میں ناجائز فائدہ اٹھاتا رہا۔ آپ نے فرمایا اس کی ذات غفور ورحیم ہے وہ پہلی بار قصور کرنے والے پر سختی نہیں کرتا بلکہ پردہ پوشی کرتا ہے۔

آپ سے ایمان کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا ایمان کے چار ستون ہیں: جن پر ہر چیز قائم ہے:

صبر، یقین، عدل اور جہاد۔

پھر عدل کی چار شاخیں ہیں:

اشتیاق، خوف، دنیا سے بے اعتنائی، اور انتظار۔

اس لئے جو جنت کا مشتاق ہو گا وہ خواہشوں کو بھلا دے گا جو دوزخ سے خوف کھائے گا وہ محرمات سے کنارہ کشی کرے گا جو دنیا سے بے اعتنائی اختیار کرے گا وہ مصائب کو سہل سمجھے گا اور جسے موت کا انتظار ہو گا وہ نیک کاموں میں جلدی کرے گا۔

یقین کی بھی چار شاخیں:

روشن نگاہی، حقیقت رسی، عبرت اندوزی اور اگلوں کا طور طریقہ۔

جو دانش و آگاہی حاصل کرے گا اس کے آگے علم و عمل کی راہیں واضح ہو جائیں گی۔ جس کے لئے علم و عمل آشکارا ہو جائے وہ عبرت سے آشنا ہو گا اور جو عبرت سے آشنا ہو گا وہ ایسا ہے جیسے پہلے لوگوں میں موجود رہا ہے۔

عدل کی بھی چار شاخیں ہیں :

تہوں تک پہنچنے والی فکر، علمی گہرائی، فیصلہ کی خوبی اور عقل کی پائیداری۔

چنانچہ جس نے غور و فکر کیا وہ علم کی گہرائیوں سے آشنا ہوا جو علم کی گہرائیوں میں اترا وہ فیصلہ کے چشموں سے سیراب ہو کر پلٹا جس نے علم وبردباری اختیار کی اس نے اپنے معاملات میں کوئی کمی نہ کی اور لوگوں میں نیک نام ہو کر زندگی بسر کی۔

جہاد کی بھی چار اقسام ہیں :

امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تمام مواقع پر راست گوئی اور بد کرداروں سے نفرت۔

جس نے امر بالمعروف کیا اس نے مومنین کی پشت مضبوط کی، جس نے نہی عن المنکر کی اس نے کافروں کو ذلیل کیا، جس نے موقعوں پر سچ بولا اس نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ جس نے فاسقوں کو برا سمجھا اور اللہ کے لئے غضبناک ہوا اللہ بھی اس کے لئے دوسروں پر غضبناک ہو گا اور قیامت کے دن اس کی خوشی کا سامان کرے گا۔

پھر فرمایا کفر بھی چار ستونوں پر قائم ہے :

حد سے بڑھی ہوئی کاوش، جھگڑالو پن، کج روی اور اختلاف۔

اختلاف بے جا تعمق و کاوش کرتا ہے۔ وہ حق کی طرف رجوع نہیں ہوتا اور جہالت کی وجہ سے آئے دن جھگڑے کرتا ہے۔ وہ حق سے ہمیشہ اندھا رہتا ہے اور حق سے منہ موڑ لیتا ہے وہ اچھائی کو برائی اور برائی کو اچھائی سمجھنے لگتا ہے اور گمراہی کے نشہ میں مدہوش پڑا رہتا ہے اور حق کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کے راستے بہت دشوار ہیں اور اس کے معاملات سخت پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ بچ کر نکلنے کی راہ اس کے لئے تنگ ہو جاتی ہے۔

شک کی بھی چار شاخیں ہیں

کٹھ حجتی، خوف، سرگردانی اور باطل کے آگے جبیں سائی۔

جس نے لڑائی جھگڑے کو اپنا شیوہ بنا لیا اس کی رات کبھی صبح سے ہم کنار نہیں ہو سکتی۔ جس کو

سامنے کی چیزوں نے خوف وہول میں ڈال دیا ہے وہ الٹے پاؤں پلٹ جاتا ہے جو شک وشبہ میں سرگردان رہتا ہے اسے شیاطین اپنے پنجوں میں روند ڈالتے ہیں۔ جس نے دنیا اور آخرت کی تباہی کے آگے سر تسلیم خم کیا وہ دو جہاں میں ہتاہ ہوا۔

آج کل کی دنیا میں طبّی معائنہ اور کیمیکل تجزیہ پر مقدمات کا فیصلہ بہت حد تک انحصار کیا جاتا ہے بسا اوقات طبّی معائنہ زبانی شہادت کو بالکل مشکوک یا برعکس قرار دے دیتا ہے جناب امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے آج سے چودہ سو برس قبل اپنے فیصلہ جات کا انحصار طبّی معائنہ اور کیمیکل تجزیہ پر کیا۔ ارشاد خالق کائنات ہے

انما یخش اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور (سورہ فاطر ۲۸)

ترجمہ بندوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف کرنے والے صرف صاحبان علم ہیں۔ بے شک اللہ عزیز و غفور ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف اہل علم ہی معرفت خدا اور ڈرنے والے ہیں۔ اگر علم صحیح ہو گا تو خوف خدا بھی ہو گا۔ اس کائنات کی پہچان علم سے ہوئی جس قدر علم بلند ہو گا اسی قدر فضیلت ہو گی۔ ہم لوگ جو مکتب میں جا کر علم حاصل کرتے ہیں کسبی علم ہے، اللہ کے مقبول بندے علم وہبی سے مزین ہو کر اسی دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہمیں ایسے مقبول بندوں کی صحبت نصیب فرمائے جن کی صحبت بابرکت میں رہ کر اپنی زندگی کو بسر اور کامیاب بنا سکیں۔ آمین ثم آمین

ماخذ

۱: ارجح المطالب، مصنف عبید اللہ امرتسری، مطبع نولکشور پریس لاہور ۱۳۱۷ھ صفحات ۱۲۲، ۱۲۵۔

۲: مشکل کشا، علامہ صائم چشتی، مطبع چشتی کتب خانہ جھنگ بازار فیصل آباد، حوالہ زرقانی علی المواہب الدنیہ۔

۳: کوکب دری فی فضائل علی، از سید محمد صالح کشفی، صفحہ ۱۰۵، مترجم شریف حسین سبزواری، ناشر البرہان ڈپو لاہور۔

۴: الصواعق محرقہ، علامہ احمد بن حجر مکی، مترجم علامہ فتح پوری، ناشر مکتبہ الجمال فیصل آباد۔

۵: فقہ حضرت علی، ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی، مترجم مولانا عبد القیوم، ناشر ادارہ معارف اسلامی لاہور۔

۶: تاریخ اسلام، مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی، جلد اول، ناشر لطیف اکیڈمی کراچی۔

۷: علی علی ہے، از سید محمد رفیق حسین، ناشر داتا پبلشرز لاہور۔

۸: حضرت علی ابن ابی طالب کی عظیم ہستی، مؤلفہ ارمان سرحدی، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

علی کا ذکر ہے واللہ باعث عرفاں

ابوالقائد آفاق ظفر کیفی قادری

علی کا ذکر ہو نوک زباں پہ جب رقصاں
سرور و کیف سے سرشار ہوں یہ فکر و نظر
یہ روح وجد میں آئے تو دل پڑھے قرآں
ادب سے سجدہ کناں ہو یہ چشم اور مژگاں

علی کا ذکر ہے وجد آفریں حقیقت میں
علی کے نام سے ملتی ہے قلب کو تسکیں
علی کا ذکر ہے واللہ باعث عرفاں
علی کا نام حیات آفریں ہے، راحت جاں

یہ انتہائے عقیدت ہے مقتضی مجھ سے
میری فراست علی کا بھی تقاضا ہے
علی کی ذات پہ کردوں میں اپنا تن قرباں
علی سا پیدا نہ ہوگا کوئی بھی اب انساں

قرآن پاک میں مذکور سبط حیدر کا
ابو تراب اسد اللہ ، علی کے ہیں القاب
علی کی شان میں رطب اللساں ہے خود یزداں
علی کی ذات فقط باعث شکست بتاں

رسول پاک کی آغوش میں کھلی آنکھیں
لعاب دہن رسالت علی نے نوش کیا
نظر میں بس گیا چہرۂ ناطق قرآں
حجاب اٹھ گئے آنکھوں سے مل گیا عرفاں

علی کو یوں کیا پھر منتخب امام زماں
علم کا شہر نبی ہیں علی ہیں دروازہ
علی کے منہ میں رسالت مآب کی تھی زباں
علی حدیث کے عالم مفسر قرآں

علی سخی ہیں سخاوت میں آپ لاثانی — علی کو اہل فلک جانتے ہیں اہل جہاں
غریب و عاجز و مسکین و بے کس و نادار — در علی سے ہوئے مستفیض پیر و جواں

علی کے چہرے کی سرخی فلک نے پائی ہے — بوقت صبح و مسا دیکھ افق پہ کاہکشاں
فلک بھی ورطہ حیرت سے کہہ اٹھا اک دن — بڑا وسیع عطا ہے علی کا دسترخواں

عَلم ملا ہے علی کو جہاد خیبر میں — تمام فوج ہے واللہ علی کے زیر کماں
علی نے نعرہ تکبیر جب بلند کیا — فضا میں رقص کناں تھی ہر اک سو تیغ و سناں

علی نے داد شجاعت جو دی ہے خیبر میں — علی تو شیر ہیں، شیر خدا ہیں، شیر زماں
علی کی تیغ نے سر کر دیا ہے تن سے جدا — اتار پھینک دیا ہے علی نے بار گراں

ہے ذوالفقار علی مستعد اڑانے کو — عدو کی گردنیں، ہے اس قدر یہ شعلہ فشاں
ید علی نے اکھاڑا ہے جب در خیبر — فرشتے ان کی شجاعت پہ تھے سبھی حیراں

علی جو فتح و نصرت سے ہمکنار ہوئے — علی کے نطق سے نکلا ہے کلمہ سبحاں
کہاں دیار پشاور، کہاں یہ فکر سخن — جناب مولی علی کی نظر کا ہے فیضاں

میں جانتا ہوں، قلم کی ہے تیرے تشنہ زباں
قلم کو روک لے آفاق، اتنا کافی ہے

فکر علی کرم اللہ وجہہ کے عمرانی پہلو

محمد عثمان قریشی

مدرس، ایڈورڈز کالج سکول پشاور صدر

ادع الی سبیل ربك بالحکمة و الموعظة الحسنة و جاد لھم بالتی ھی

احسن ان ربك ھوا اعلم بمن ضل عن سبیله و ھو اعلم بالمھتدین

کس قلم سے مناقب علی رضی اللہ عنہ بیان کروں۔ تقاضائے تحریر کو نبھانا کتنا مشکل ہے، یہ آج سمجھ میں آیا کیونکہ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

کے وصف سے یہ بات ایک معمولی طالب علم کو کیا زیب دے گی کہ ایک مفسر قرآن، بحر معرفت کے شناور اول، خاصہ الخاصان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ولائے الفاظ تحریر کر سکے۔ اپنے شعبہ سیاسیات و فلسفہ سیاست کی ایک گونہ آگہی کے حوالے سے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی بصارت سیاسی و نطق ذاتی کو ہدیہ قارئین کروں گا۔

تاریخ اسلام کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کردار ایک ایسی بصیرت افروز شخصیت کا حامل رہا ہے کہ دوسرا کوئی شخص آپ کے مدمقابل کھڑا دور دور تک نظر نہیں آتا۔ اس سے پہلے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا کردار تاریخ کے آئینہ میں پرکھا جائے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے طفیل جو مقام حاصل ہوا اس کا تذکرہ بقدر معلومات پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ علی میرا بھائی ہے [۱]

یہ جاننے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان روحانی بھائی ہونے کی نسبت کس حد تک تھی، کس حد تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں علی رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی تھیں، کیسے علی رضی اللہ عنہ کی روح مقدس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علی رضی اللہ عنہ سے کتنی

۱: انوار علی شرح خصائص الامام امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب، تالیف الحافظ الحجۃ ابی عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی، اردو ترجمہ بنام انوار علی (فقیر) محمد امیر شاہ، مطبوعہ شاہ محمد غوث اکیڈیمی یکہ توت پشاور، صفحہ ۷۷)

محبت تھی، کس حد تک اپنی زبان و عمل سے آنحضرت ﷺ کی عزت کرتے؟ یہ باتیں آپ ؑ کی رفاقت سے ظاہر ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ علی کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔

سعد بن ابی وقاص ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے علی کو تنگ کیا اس نے مجھے تنگ کیا اور غدیر خم کے مقام پر آخری حج سے واپسی کے موقع پر ۱۸ ذی الحج کو تمام لوگوں کو مجتمع کر کے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ ا؎ یعنی جو مجھے دوست رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ علی کو دوست رکھے۔ اے خدا تو بھی اس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے۔

اس حدیث کے سننے کے بعد حضرت عمر فاروق ؓ آگے بڑھے اور علی ؑ کو مبارکباد پیش کی کہ علی (ؑ) آج سے تم ہمارے اور تمام مسلمانوں کے دوست ہوئے (تفسیر کبیر از فخر الدین رازی) نیز آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق جہاد میں شرکت سے دستبردار ہونا اور پھر کفار و منافقین کے اکسانے پر قافلہ جہاد کے پیچھے آنا اور اپنے دل میں پیدا ہونے والے وسوسے کے جواب میں یہ سن کر واپس چلے جانا کہ مجھے (ﷺ) تم سے وہی نسبت ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کو ہارون سے تھی، فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ ؑ کی بصیرت اور مقام کی وضاحت عین ہے۔

خدری ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے علی ؑ سے متعلق فرمایا کہ "تمہارے لئے محبت ایمان ہے اور تمہارے لئے نفرت منافقت"۔ تم سے محبت کرنے والا تمہارا رفیق سب سے پہلے جنت میں جائے گا اور تمہارا دشمن سب سے پہلے جہنم میں پھینکا جائے گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اکثر و بیشتر علی ؑ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھ کر فرماتے کہ "یہ میرا بھائی ہے"

حضرت ابو ہریرہ ؓ حضور ﷺ کی نسبت روایت بیان کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اگر تم آدم کا علم نوح کی آگاہی، موسیٰ کا تکلم، عیسیٰ کا رحم اور نبی آخر الزمان ﷺ کی

ا؎: بحوالہ انوار علی، صفحہ ۱۲۔

تربیت ورہنمائی ایک شخص میں دیکھنا چاہتے ہو تو ایسا شخص وہ ہے جو سامنے آرہا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے نظر اٹھا کر دیکھا تو علی علیہ السلام تشریف لا رہے تھے۔ [۱]

ایک مرتبہ علی علیہ السلام کے متعلق ایک شخص شکایت لے کر حضور ﷺ کے پاس آیا، حضور ﷺ نے پوچھا کہ تم علی سے کیسا معاملہ چاہتے ہو؟ اور یہی بات تین مرتبہ دہرائی آخر میں فرمایا کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی علیہ السلام سے ہوں، وہ تمہارا مولیٰ ہے میرے بعد وہی تمہارا رہبر ہے (المسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۵، الخائص نسائی صفحہ ۲۴)

حضور ﷺ نے ایک مرتبہ علی علیہ السلام کو یمن بھیجا، کچھ افراد نے علی علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمیں اونٹ سواری کے لئے دیئے جائیں، وہ اونٹ جو بیت المال میں موجود ہیں۔ علی علیہ السلام نے یہ درخواست رد کردی۔ واپسی پر ان افراد نے جن کی درخواست رد کی گئی تھی حضور ﷺ سے شکایت کی جب وہ بول رہا تھا تو حضور ﷺ نے اس کی ران پر ہاتھ مارا اور اونچی آواز میں فرمایا "اے سعد بن مالک! علی کے خلاف شکایت مت کر، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ علی حق پر ہے"۔

ان واقعات و روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ بھائی کی نسبت سے دیکھتے، ان کا اکرام کرتے۔ اللہ اللہ ایسی محبت کہ ایک دوسرے کو چاہے اور دوسرا فرمان کو حرف آخر جانے اور حکم کی پیروی میں جان کی بھی پروا نہ کرے۔ آنحضرت ﷺ خود لوگوں کی توجہ علی علیہ السلام کی صفات کی طرف مرکوز فرماتے۔ ان کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ علی علیہ السلام کے اوصاف لوگوں کے سامنے آجائیں۔

اسلام کے ایام اولین میں جب دعوت حق کوئی بھی سننے کا روادار نہ تھا علی علیہ السلام نے باوجودیکہ کم عمر تھے آپ ﷺ کا ساتھ دیا۔ علی علیہ السلام اپنا خون، زبان، جان، دل، مال سب آنحضرت ﷺ پر قربان کرنے کے لئے تیار تھے اور مقصد صرف اطاعت حضور نبی کریم ﷺ تھا۔

جنگ خندق میں تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قریش کے غیض غضب سے پریشان تھے ایسے میں علی علیہ السلام ایک چٹان اور آہنی ہمت و حوصلے کا پیکر بنے رہے اور بالآخر

[۱]: صوت العدالت انسانیہ، مصنف جارج یزداک نسان، مرتبہ انصاری پبلشرز قم ایران، طبع دوم کراچی)

مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہمکنار ہونا نصیب ہوا۔

اب تک جتنے بھی واقعات بیان کئے گئے یا احادیث منقول ہوئیں ان تمام سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایک ہمہ جہت شخصیت تھی اور ہر پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور انور کا پرتو آپ پر سایہ فگن رہا۔ وہ عرصہ جس میں خلافت راشدہ اپنے عروج پر رہی آپ کا کردار ایک مشیر اور ایک معلم کے روپ میں سامنے آیا۔ آپ سے ایک موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اے علی (رضی اللہ عنہ)! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی کوئی خصوصی تربیت بھی فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا خدا کی قسم عمر! ایسی کوئی بات نہیں یہ تو قرآن میں فکر و تدبر کرنے کے طفیل ہے۔

وہ معاشرتی اصول جو آپ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس نے وضع کئے وہ ایک مسلم معاشرے کے لئے سنگ میل اور موجودہ دور کے مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ رکھتے ہیں۔ آپ معاشرے کو ایک اکائی گردانتے ہوئے ایسے استنباط پیش کرتے ہیں جو منطقی اور استدلالی طور پر عین حقیقت اور مسلمہ ہیں۔ مثال کے طور پر آپ فرماتے ہیں

۱: دولت کے ارتکاز سے بچو۔

۲: کوئی شخص اس وقت بھوکا معاشرے میں رہے گا اگر کسی نے اس کا حصہ کھالیا ہو (کیونکہ ہر ذی نفس کا رزق پیدا کیا گیا ہے)۔

۳: میں نے کسی شخص کے پاس اتنی دولت نہیں دیکھی سوائے اس کے جس نے دوسروں کا مال قبضہ کیا ہو (چاہے وہ کسی صورت میں ہو)۔

۴: تم لوگ زرعی زمین کی زرخیزی کے لئے زیادہ متفکر ہو نہ کہ اس کو پٹے پر دے کر منافع لینے سے

۵: میں کسی بھی ایسے کام لینے کے خلاف ہوں جسے کرنے کے لئے دوسرا رضامند نہ ہو۔ (بیگار و محنت کا یہ نظریہ فطرت انسانی کے عین موافق اور انسانی حقوق کا علمبردار ہے)۔

۶: ایماندار لوگوں کے جسم دنیا میں محبت و مشقت میں اور قلب جنت میں محو ہوتے ہیں۔

۷ : نہریں ان لوگوں کی ملکیت ہیں جو انہیں کھودتے ہیں اور نہ کہ ان کی جو مالی اور جسمانی کسی قسم کی معاونت ان کی تعمیر میں نہیں کرتے۔

۸ : کسی شخص کی کامیابیاں دوسرے سے منسوب نہ کرو اور ہر ایک کی کامیابیوں پر نظر رکھو۔

۹ : یاد رکھو کسی ایسی چیز پر نظر نہ رکھو جس کا تعلق سب سے ہو۔

مندرجہ بالا اقوال زریں سے درج ذیل نتائج ایک فلاحی ریاست سے متعلق اخذ کیے جا سکتے ہیں [۱]۔

اول ایک فلاحی ریاست میں سب کو مساوی بنیادی حقوق میسر ہوتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ نے ہر شخص کا رزق پیدا کیا ہے اگر کوئی اپنے حصے کے رزق سے محروم ہے تو در اصل کوئی اور اس کے حق کو دبائے بیٹھا ہے۔ نیز ریاست کی ذمہ داری ہے کہ مساوی بنیادوں پر حقوق کی تقسیم کو بروئے کار لائے اور پھر وقتاً فوقتاً جائزہ بھی لے۔ دوم دولت کی تقسیم کا قانون بھی وضع کر دیا یعنی اگر کوئی شخص بے انت دولت سمیٹے بیٹھا ہے تو یقیناً وہ دولت کے ارتکاز کا باعث بن رہا ہے، اگر اپنی ضروریات سے زائد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہوتا تو الھکم التکاثر کے ضمن میں اس کا شمار نہ ہوتا۔ دولت کا ارتکاز کرنے والا قیامت کے روز آیہ کنز کے تحت کمر اور پیٹھ پر داغا جائے گا۔ ایک فلاحی اسلامی ریاست میں دولت کی منصفانہ تقسیم کا اصول ہر گام پر مد نظر رکھا جانا ضروری ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں اس امر کا سختی سے نوٹس لیا جاتا تھا۔ چنانچہ جہاں ارتکاز دولت کو صحیح طور پر سمجھا اور پرکھا نہیں جاتا طبقاتی کشمکش کا پیدا ہونا لازمی عمل ہے۔

ثانیاً یہ کہ زراعت کو ایک منافع بخش پیشہ بنانے کے لئے کیونکہ یہ ہی بنیادی ضروریات انسانی کو پورا کرنے کا واحد ادارہ ہے۔ لہٰذا حکومت اور فرد دونوں پر لازم ہے کہ اس پیشے اور ادارے کی قدر کرتے ہوئے صرف فائدے پر نظر نہ رکھیں اور ٹیکسز و محصولات کے پیچھے نہ پڑ جائیں اور ایسے حالات حکومت پیدا نہ کرے کہ لوگ تنگ آکر سہل اور دیگر ذرائع کا رخ اختیار کرنے لگیں۔

حضرت علی علیہ السلام انسانی نفسیات کے ایک ایسے ماہر تھے جو موجودہ سائنسی نظریات و قوانین کے نفاذ ہونے سے پہلے اپنے عالمانہ افکار کے تحت حفظ خودی کا تصور پیش کرتے ہیں۔

---

[۱] : محولہ بالا جارج جرداک نسان صفحہ ۱۸۱

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ فطرت انسانی کسی ایسے کام پر قطعی طور پر راغب نہیں ہوتی جب تک انسانی انا کے مجروح ہونے کا ذرہ برابر خدشہ ہو یعنی کوئی شخص اپنے مزاج، قوت اور میلان طبیعت کے علاوہ کام نہیں کر سکتا۔ ہر شخص کی استطاعت، انا اور میلان طبع کو مد نظر رکھ کر ہی اسے کام تفویض کیا جائے تو خادم و مخدوم دونوں کو نفع ہو گا۔ یہی رضائے الٰہی اور قانون و فطرت ہے، ہر شخص دوسرے سے مختلف خوبیاں لے کر پیدا ہوا ہے جو شخص بھی دنیا میں دیانتداری سے محنت و مشقت کرتا ہے وہ دراصل قلبی سکون حاصل کر لیتا ہے۔ جس طرح جنت میں قلب آسودہ ہوں گے تو ایماندار شخص کو وہی قلبی سکون حاصل ہو گا جیسا کہ جنتیوں کو ابدی زندگی میں حاصل ہو گا۔

نہر ایک علامت ہے، قومی تعمیر میں جو حصہ لیتا ہے وہی قومی ورثہ کا حقدار ہے جو نہر کھودتا ہے وہی اس کا مالک ہے نہ کہ وہ لوگ جو تعمیر اور مشقت و تکلیف کے وقت تو کسی قسم کی معاونت نہ کریں اور آخر میں ملکیت کا حق جتلانے لگیں یا دیگر ذرائع سے حق ملکیت ثابت کریں۔ نیز ہر شخص کو اس کا حق ملنا چاہئے تعریف و توصیف کے معاملہ میں بھی اسی شخص کا ذکر ہونا چاہئے جو اس کا صحیح مستحق ہے نہ کہ اس انگریزی کہاوت کے مصداق "لڑتے سپاہی ہیں اور فاتح بادشاہ بن جاتے ہیں"

کسی کی محنت کو کسی کے سر تھوپ دیا جائے اور آخر میں وہ ملکیت جو عوام کی ہے قومی ورثہ ہے یعنی قومی دولت بیت المال ہے وہ کسی حکمران یا کسی ایک شخص کی فلاح میں صرف نہ ہو جیسا کہ ہمارے حکمران قومی دولت کو استعمال کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ایک فلاحی اسلامی ریاست کے لئے جس آئین کی ضرورت ہوتی ہے وہ سیدنا علی المرتضیٰ ؑ کے ان اقوال کی روشنی ہی میں مرتب ہو سکتا ہے۔

یہ تو فلاحی ریاست کی تحصیل سے متعلق چند نگارشات تھیں جن کا فوری طور پر احاطہ ممکن ہو سکا حالانکہ ان اصولوں اور اقوال پر ایک دفتر رقم کیا جا سکتا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ فرد کی

ایک معاشرے میں کیا ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ دوسرے افراد اور روزمرہ زندگی میں اس کا سلوک اور برتاؤ کیا ہونا چاہئے۔ حضرت علی علیہ السلام کا انداز فکر فلسفیانہ بھی ہے اور ایک ماہر علم البشریات کا سا بھی۔ ایسے مقامات پر یہ مرد حق، ایک فلسفی، ایک ماہر لسانیات، ایک منتظم، ایک حکمران، ایک فوجی جرنل، ایک لمحے کے لئے ایک عام آدمی بن کر اپنی ہی مثال پیش کرتا ہے کیونکہ ایک صحابی، ایک رفیق رسول، ایک معاصر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی شان ہوسکتی ہے کہ وہ عالم باعمل ہو جو کہے وہ کر کے دکھائے تو ایسے میں ہمیں پیارے علی علیہ السلام احساسات محبت سے مغلوب ہو کر حسب مراتب اور احترام آدمی کا درس درج ذیل الفاظ میں دیتے ہیں

۱: وہ مفلس ہے جسے رفیق نہ ملیں۔

۲: کسی کے غم پر خوشی کا اظہار نہ کرو۔

۳: لوگوں کو تحائف اور حسن خلق سے اپنے قریب لے آؤ۔

۴: جو تمہیں تکلیف پہنچائے اسے ضرور معاف کر دو۔

۵: اپنے افعال واعمال سے دوسروں کو نیچا نہ دکھاؤ۔

۶: اس شخص کے ساتھ دوبارہ روابط استوار کرو جو تمہارے ساتھ رابطہ توڑ ڈالے۔ ۱۰۱

۷: جو تم سے دشمنی کرے تم اس سے دوستی کرو۔

کیا ان اقوال سے بڑھ کر بھی معاشرے میں پنپنے کے کوئی اور طریقے ہوسکتے ہیں؟ حضرت علی علیہ السلام ایک زمانہ ساز شخصیت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا عکس آپ کی شخصیت میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ کیا زمانہ میں امن و آشتی کے جو خواب دیکھے گئے ہیں علی علیہ السلام اس کا واضح طریقہ پیش نہیں کرتے؟

جہاں تک ریاست کے عناصر کا تعلق رہا تو علی علیہ السلام کی شخصیت ایک عادل، ایک منصف، ایک حکمران اولوالامر، ایک ماہر قانون دان، ایک ایسا مشیر جس پر ہر حکمران آنکھیں بند کر کے یقین کر سکتا ہے، مجسم پیکر تھے۔ آپ نہ صرف قرآن وحدیث بلکہ امام الکبیر تھے۔ آپ استدلال،

۱۰۱: محولہ بالا جارج جرداک صفحہ ۳۵۔

اجتہاد، استحسان غرض تمام مواخذ فقہ کے معلم اول تھے۔ آپ اپنے معاصرین سے کہیں بڑھے ہوئے تھے، اسی لئے آپ کے فیصلوں کو کوئی چیلنج نہ کرتا بلکہ اپنی اصلاح کے طور پر آپ علیہ السلام سے مشورہ طلب کیا جاتا۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق پوچھا کہ آپ دونوں کے علم میں کتنا تناسب ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن سے سینکڑوں نہیں ہزاروں احادیث مروی ہیں اور جن کا ذوق حدیث انہیں دیوانوں کی طرح لئے پھرتا، فرمانے لگے کہ آپ اور میرے علم کا تناسب ایسا ہے جیسے ایک قطرے اور سمندر کا۔ سبحان اللہ یہ ہے شان سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام، یہ ہے کمال و جمال علی علیہ السلام[1]۔ آپ کی علم دانی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی سوچ فکر، عقل و دانش کو دیکھتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں بہترین منصف علی (علیہ السلام) ہیں۔ آپ کے شعور و دانش کا یہ حال تھا کہ کتنا ہی مشکل معاملہ آپ کو درپیش ہوتا آپ کی فہمیت و ذکاوت کے سامنے ایسے حل ہو جاتا ہے کہ سب ششدر رہ جاتے۔ آپ کسی بھی معاملے، مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد ایسا حل بیان فرماتے کہ جس سے بہتر حل ممکن نہ ہوتا چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اے ابوالحسن! تم سے بہتر کوئی کسی مسئلہ کا حل پیش نہیں کر سکتا۔

جس سلطنت کو ایسا مشیر ایسا منصف میسر ہو اس کی سرحدیں کیونکر ساڑھے ترپن لاکھ مربع کلو میٹر نہ ہوں گی۔ یہاں یہ کہنا بجا ہو گا کہ حضرت علی علیہ السلام علوم سماوی و عرفان حاصل ہونے کی وجہ سے دین کا محض سطحی قسم کا علم نہیں رکھتے تھے بلکہ اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ معاملات و حالات کو انتہائی باریک بینی اور گہرائی سے پرکھتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ان کی بصیرت کے طفیل معاملات کے نئے اور حقیقی رخ ابھر کر سامنے آجاتے۔ یہ حضرت علی علیہ السلام کی بصیرت ذاتی کا کمال تھا کہ وہ دین کے مختلف اصول و ضوابط کو باہم مربوط کر کے ایسے نتائج حاصل کرتے کہ دین کا ہر ہر پہلو اور ایک الگ الگ کڑی جڑ کر ایک کل کی شکل اختیار کر لیتے۔ حقیقی طور پر ایک مذہب، ضابطہ یا نظام پر اپنے پیروؤں سے یہی توقع رکھتا ہے کہ اس کی شیرازہ بندی ہو۔

۱: محولہ بالا جارج جرداک نسان۔

عناصر کا الجھاؤ اور توڑ نہ ہو بلکہ ایک ترتیب جو مذہب کا پیامبر بنا کر رکھ دے اس میں تبدیلی نہ ہو اور اس کو اسی انداز سے سمجھا اور پرکھا جائے کہ اس کی اصل میں رتی بھر فرق نہ آئے تو حضرت علی علیہ السلام کی دین میں approach سو فیصدی ایسی ہی تھی بعد میں آنے والے ائمہ، مفسرین تابعین و تبع تابعین نے بھی اسی طرز و فکر کو اختیار کیا جہاں دین کی فہمیت میں علماء ظاہر نے سطحی پن سے کام لیا وہاں دین کی ماہیت و شباہت میں تبدیلی آنے لگی اور بقول علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سلاطین کے جبر و تشدد کے زیر سایہ بننے والے قوانین اور استفتاء کے ایسے نتائج ابھرے کہ حقیقی مفہوم کسی بھی مسئلہ اور قانون کا گم ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اب اگر ہم اصلاح اور تصحیح کا تہیہ کریں تو ایک مربوط نظام اخذ کرنے کے لئے آٹھ سو سالہ تاریخ کا سینہ چیرنا پڑے گا۔[۱]

حضرت علی علیہ السلام نے کسی بھی نوعیت کے مسئلہ کو ایک تحقیقی شکل دی اور یہ ثابت کیا کہ مذہب کی بنیاد ایسے اصولوں پر ہے جو باہم مربوط ہیں یہیں سے اسلام فلسفہ اور علم الکلام کی ابتداء ہوتی ہے۔[۲]

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مسلم فلاسفہ نے قبل اس کے کہ یونانی فلسفہ ان تک پہنچتا حضرت علی علیہ السلام کے اقوال کو ہی اپنے مباحث تحقیقات اور فلسفہ کی بنیاد و ماخذ بنایا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا "اللہ کی قسم میں سچائی کو ان شواہد سے پہلے تسلیم کروں گا جو میرے خلاف پیش کئے جائیں گے، ہمارا معاملہ مشکل ہے ہمارے الفاظ صرف وہی قلوب سمجھ سکتے ہیں جو دیانتدار ہیں اور جن میں بصیرت و بصارت ہے"[۳]

حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے بنیادی انسانی حقوق کے لئے ایسے اصول مرتب کئے ہیں کہ جن کی جڑیں زمین میں گہری اور شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں۔ موجودہ دور کے عمرانی علوم ان افکار و اصولوں کی تصدیق کرتے ہیں اور کیوں نہ کریں گے کوئی اپنے اصل سے کیونکر منحرف ہو سکتا ہے۔ کسی درخت کا حصہ اپنی جڑ سے کیونکر منکر ہو سکتا ہے۔ تمام عمرانی علوم کا مطمع نظر

۱۔ : ایران میں تصور الٰہیات از علامہ محمد اقبال، صفحہ نمبر ۸۵

۲۔ : (از علم الکلام والعرفان صفحہ ۸۲)

۳۔ : محولہ بالا، جارج یزداک نسان۔

بھلے ان کی نوعیت و عنوان کچھ بھی ہوں یہی ہے کہ انسان ظلم و بربریت سے آزاد ہوں اور ایک ریاست و معاشرہ ایسا وجود میں آئے جہاں انسان کو اس کے حقوق نہ صرف ملیں بلکہ ریاست ان حقوق کا تحفظ بھی کرے جہاں انسانی خودی کی توقیر ہو اور اظہار و بیان و عمل کی ایسی آزادی ہو کہ دوسرے کے احساسات مجروح نہ ہوں بلکہ اصلاح ہو۔

کسی بھی فلاحی ریاست کے افراد ایسے خواب ایسی حقیقت سے کیونکر اختلاف کر سکتے ہیں۔ مختلف ادوار کے اندر ایسی صورتیں پیدا ہوتی چلی گئیں جن کے نتیجہ میں مرحلہ وار عمرانی علوم وجود میں آتے چلے گئے اور آج ہم جن عمرانی علوم کو ایک درجہ بندی کے ساتھ سائنس کا نام دیتے ہیں۔ ان کا کسی بھی مرحلے سے گذرنے کا ایک مقام عروج تھا میرے نزدیک ان تمام مراحل کا مقام عروج ہستی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا مقدور بھر جائزہ لینے سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ذات مجمع الکمالات و منتہائے علوم تھی۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ مختلف واقعات کیونکر اور کن ادوار میں وقوع پذیر ہوئے۔ یقیناً دو گروہوں کے تصادم میں ایک جابر و ظالم اور دوسرا عاجز و مظلوم ہو گا۔ ایک گروہ نے دوسرے کے حقوق پر غاصبانہ حملہ کیا ہو گا ایک گروہ دوسرے کے حقوق سے روگردانی کرتے ہوئے گھمنڈ اور غرور کے بل بوتے پر چڑھ دوڑا ہو گا جبکہ دوسرا گروہ جمہوری اقدار، عدل و انصاف کا قائل ہو گا۔ ماضی کی تمام تحریکیں مظلوموں اور پسے ہوئے لوگوں سے شروع ہوئیں تاکہ وہ اپنی سی کوشش کر لیں کہ ظلم و جبر کا خاتمہ ہو جائے اور ایک ایسی فلاحی ریاست کی بنیاد رکھیں جہاں مساوات اور عدل و انصاف ہو جہاں دلیل کو قانون کا درجہ ملے اور شرائط کو تجزیہ او رپرکھنے کی آزادی حاصل ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم کردہ معاشرہ کی ایسی ہی تصویر کشی کی۔ آپ حقوق انسانی کے سرخیل و رہنما ہیں۔ آپ کے افکار کا خلاصہ اور ایک عالمی اسلامی ریاست کا نقشہ ایسا ہے کہ سب سے پہلے وہاں سے ظلم کا خاتمہ ہو اور طبقاتی کشمکش ختم ہو۔

یہاں پہنچ کر میں یہ ضرور کہوں گا کہ جو کوئی علی علیہ السلام سے آگاہ ہے، ان کی تعلیمات سے باخبر اور نقطہ نظر سے آگہی رکھتا ہے وہ متفق ہو گا کہ علی علیہ السلام کی تلوار جابروں کی گردنوں پر تھی۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی تمام تر توجہ مساوات وعدل کی حکمرانی پر مرکوز رکھی۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بھی اسی ریاست کو معرض وجود میں لانے کے لئے فکر علی علیہ السلام کو بروئے کار لائیں کیونکہ بقول غالبؔ

زحیدریم من و تو زما عجب نبود گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

حضرت علی علیہ السلام طبقاتی نظام کو خلاف اسلام سمجھتے تھے۔ آپ کے نزدیک افراد کو گروہی تقسیم میں لانا، چاہے یہ تقسیم کیسی ہی ہو ریاست کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر تقسیم تقویٰ اور علم کی بنیاد پر ہو تو قابل قبول ہے لیکن ان خوبیوں کے طفیل ریاست سے مالی یا کسی اور قسم کے فائدہ کی توقع رکھنا ایک ناپسندیدہ پہلو ہے، اس سے یقیناً علماء کی قدر وقیمت کم ہو گی اور اذہان میں متقی اور علماء کے لئے غلط فہمیوں کا پیدا ہونا یقینی ہے۔ مارکسی فلسفہ میں جو پہلو کمزور تر رہا، وہ یہی تھا کہ طبقاتی کشمکش کے خلاف آواز اٹھائی گئی لیکن کمیونسٹ پارٹی کے ارکان مراعات یافتہ طبقہ بن گیا۔ ایسے میں خلفاء راشدین کا اسوہ اظہر من الشمس ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ کے باہر ایک اینٹ پر سر رکھ لیتے ہیں، وہیں دربار لگانا، اسی کو سٹیٹ آفس قرار دینا کہ جہاں سے جنگی قاصدوں کو احکامات جاری کرنا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خود کو احتساب کے لئے پیش کرنا۔ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کا خود کو ایک عام شہری کے مدمقابل کٹہرے میں کھڑا کرنا اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اولاد نبی کو باغ فدک کی آمدنی کی حد تک حصہ دینا۔

الغرض معاشرے میں طبقاتی کشمکش سے افراد کے درمیان منفی رجحان پیدا ہوتے ہیں اور آگے بڑھنے کا ایک حیوانی قسم کا تصور جنم لیتا ہے، اخروی زندگی کا تصور ختم ہونے لگتا ہے اور مادی مفادات کے حصول کا منفی نظریہ پیدا ہوتا ہے یہ فکر علی علیہ السلام ہے، یہ شان علی ہے۔ عمرانی تصورات کا ایسا عروج ایسی اپچ شاید دور جدید کے ماہرین عمرانیات کے لئے ایک ایسے شخص کی

طرف سے فکر اولین ہے جو وحی کا پروردہ تھا، جس کی سوچ میں خامی کا کوئی تصور اس لئے نہیں تھا کیونکہ اس کی تربیت میں تجربہ نبوت شامل تھا۔ الفاظ کا چناؤ ایک طالب علم عمرانیات وسیاست کے لئے کتنا مشکل ہے یہ کسی بڑی ہستی پر قلم اٹھنے سے پتہ چلتا ہے، اپنی کم مائیگی کا احساس ایسے ہی مقام پر ہوتا ہے۔ الغرض سیدنا علی المرتضیٰ ؓ نے معاشرے کو یکساں نظر سے دیکھا جس میں طبقاتی فرق قطعاً نہ تھا۔ آپ نہ ہمیشہ فرد کی عزت وانا کو ملحوظ خاطر رکھا۔ دوسری طرف اجتماعی حقوق ومفادات کو بھی معاشرے اور ریاست کی فلاح وبہتری کے لئے لازم قرار دیا۔ آپ نے اپنی تعلیمات اور فکر وعمل سے تخلیق انسانی کے تقاضوں کا احاطہ کیا۔ آپ نے فرد کے حقوق کا شرعی بنیادوں پر تعین فرمایا اس کی ضرورت اس لئے بھی محسوس کی کہ وقتاً فوقتاً احکامات شرعیہ کی تشریح کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے اور اجتہاد واستدلال کے ذریعہ ہی دین کو فروغ وتسلسل حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ انسان کی تخلیق تین اجزاء سے ہوئی، مٹی، ہوا اور پانی ان کا تعلق مادے سے ہے۔ لہٰذا مادی ضرورت جسم کے ہوتے ہوئے لازمی ہے چنانچہ فرد کے حقوق کا تعین ضروری ہے۔ انسان روح، جسم اور شعور کا مجموعہ ہے روح کی بالیدگی کے لئے ایک بھرپور جسم کی ضرورت ہے [۱]۔ بھرپور جسم مثبت عقیدے اور بلند پرواز تخیل کے ہوتے ہوئے ہی وجود میں آسکتا ہے چنانچہ حقوق کا تعین کر دینے سے انسان کی فکر کو رخ اور عقائد کو راستی مل جاتی ہے۔ غربت اور حقوق کے استحصال سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے حضرت علی ؓ کی تعلیمات کا مقصد یہ بھی تھا کہ لوگوں کی رہنمائی کی جائے اس طریقہ سے کہ مصفا قلوب اور اعلیٰ کردار کا حصول حیات انسانی کا اول ترین مقصود ٹھہرے اور مزید برآں وہ از خود برائی سے نفرت کرتے ہوئے اجتناب برتیں اور نیکی کو خاص کردار اس طرح بنائیں کہ وہ ان کے لئے ایسا عمل بن جائے جو مداومت کا درجہ اختیار کر لے لیکن ولایت علی ؓ میں ان مقاصد کا حصول تب تک ممکن نہ تھا جب تک ایک عدل کی فضا میں فرد کو پہننے کے لئے کپڑا، پیٹ بھر رزق حلال، اور عزت وآبرو کی چھت میسر نہ

۱۔ محولہ بالا، جارج ایز دک نسان۔

ہو۔ ایسی معاشرتی تبدیلی وترقی کے لئے یا تجدید کے لئے ابتداء انہی ضروریات و حقوق کی بجا آوری سے ہی ممکن ہے۔ لوگ تب ہی ایسی تجدید میں دلچسپی لیں گے جب ان کی بنیادی ضروریات آسانی سے دستیاب ہوں گی، پوری ہوں گی۔ لیکن اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ طبقاتی دوڑ نہ ہو ورنہ دور حاضر کی طرح حقوق کی حد مقرر کرنا مشکل ہو جائے گی۔ یہی حضرت علی علیہ السلام کا مقصود تھا، خلافت سے پہلے بھی اور خلافت کے دوران بھی۔

ایک مزدور جو پیٹ بھر روزی دن بھر کی محنت سے حاصل نہیں کر سکتا اور ایک نام نہاد اسلامی ریاست کا شہری بھی ہو تسخیر کائنات کا عقدہ کیسے حل کر سکتا ہے، کبریائی کا کیونکر معتقد ہو سکتا ہے؟ وہ انسانی صفات سے کیونکر خود کو مزین کر سکتا ہے وہ بے یار و مددگار لوگ جو ان حکمرانوں کے سخت قوانین کا یارہ نہ لاتے ہوئے کوڑے کھاتے ہیں کیسے اپنی زندگیوں کو کسی لائق سمجھ سکتے ہیں؟ جن کے ذمہ ان کی خدمت اور امداد کرنا ہے ایسے حکمران کب فرد کی خودی کو متحرک و منضبط کر کے مقام علیین تک پہنچا سکتے ہیں۔ بالکل یہ حکمرانوں اور ریاست کے متعین کردہ خدوخال ہی کے ذریعہ ممکن ہو سکتا ہے کہ فرد اپنی خودی کو پہچان لے اور ضرورت پڑنے پر اپنی خودی کو ریاست یا خودی مطلق میں ضم کر دے یا اسکو خودی مطلق پر قربان کر دے یہ وہی تصور ہے جسے دور جدید کے ماہرین عمرانیات نے اسلامک سوشلزم کا نام دیا ہے جو در اصل اسلام کی کلیت کے نام پر ایک دھبہ ہے۔ اسلام از خود ایک مکمل دین ہے اس کو کسی دم چھلے کی ضرورت نہیں ہے اور ثبوت اس کا فکر علی علیہ السلام ہے۔

معاشرہ کئی ایسے افراد پر مشتمل ہوتا ہے جو بعض ناگزیر وجوہات کی بنیاد پر کچھ پس انداز نہیں کر سکتے اور ان کے پاس رقم نہیں ہوتی جبکہ حکمران طبقہ اپنی آسائشوں کے لئے بلا امتیاز غیرے ہر کس و ناکس پہ ٹیکس لگاتے چلے جاتے ہیں جبکہ متعلقہ شخص کے پاس ایک وقت کی روٹی کے برابر مال نہیں ہوتا ایسے افراد کی عزت نفس ان کو ہاتھ پھیلانے سے روکتی ہے۔ جانچ پڑتال کے بغیر سب کو ایک ہی تعزیر لگانا کیسے نتائج پیدا کر سکتا ہے اس کی ایک مثال تو معذرت

کے ساتھ ہمارا اپنا ملک ہے ایسے لوگ جو صرف دنیاوی آلائشوں اور عسرتوں ہی کا شکار رہے کیسے کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھا سکتے ہیں؟ کیا ایسے حالات میں کوئی خود کو نائب اللہ فی الارض سمجھنے یا سوچنے کی بھی جسارت کر سکتا ہے، فرماتے ہیں

رضینا قسمة الجبار فینا لنا علم و للجهال مال
ان المال یفنی عن قریب و ان العلم باق لا یزال

(دیوان علی المرتضیٰ علیہ السلام)

میں علم کا شہر ہوں اور علی علیہ السلام اس کا دروازہ ہیں (الحدیث)

جلال عشق و مستی بے نیازی جمال عشق و مستی نے نوازی
کمال عشق و مستی ظرف حیدر زوال عشق و مستی حرف رازی

اقبال

بے شک مال فنا ہونے والا ہے اور علم باقی رہنے والا ہے اور علم انبیاء کی میراث ہے وہ میراث جو ایک شہر ہے اس شہر کا نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور اس شہر کا دروازہ علی المرتضیٰ علیہ السلام ہیں اور جلال و جمال کی حد سے آگے جو کمال ہے وہ حیدر کرار کا ظرف ٹھہرا۔

یہی وجہ تھی کہ جب خلافت کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی اور چند لوگ جب آپ کو مبارکباد دینے آپ کے گھر گئے چشم عبرت وجد میں آجائے کہ آپ علیہ السلام جوتے مرمت فرما رہے ہیں، جب لوگوں کو حیرت زدہ دیکھ کر فرمایا کہ اگر میں سچائی کو قائم نہیں کر سکتا اور باطل کو جڑ سے نہیں اکھیڑ سکتا تو مجھے اپنے جوتے حکمرانی سے زیادہ عزیز ہیں، یہ ہے ظرف حیدر علیہ السلام۔ آپ باوجود اتنے بلند عزائم کے خود کو زمرہ حکمرانی سے خارج سمجھتے ہیں اور اپنے لئے کیسے مشکل محاذ کا تعین فرماتے ہیں۔ حقوق کا پورا کرنا فرائض کی تکمیل سیاسی نعرے بازیاں کرسی کے لئے دھکم پیل کیا یہ ہے وہ سب کچھ جو فکر علی علیہ السلام کے موافق و مطابق ہے؟ یقیناً فلسفہ حکومت اور حصول ریاست متخیلہ صرف شان حیدری ہی کو زیب ہے۔ باقی تمام ہو لعبی ہے۔ دور جدید نے مذہب،

نظام اور فلسفہ کی بنیاد پر کئی تجربے کئے شاید اس صدی کا سب سے بڑا تجربہ اشتراکیت اور سرمایہ داری ہے، ایک نے ذاتی مفادات کو تیاگ دینے کی تعلیم دی، دوسرے نے فرد کے مفادات کو ہر قسم کے مفادات پر ترجیح دی۔ ایک نظام تو اپنا دورانیہ پورا کر کے ختم ہو گیا، دوسرا نظام ترقی کی جس دوڑ کا علمبردار بنا ہوا ہے اس کا خدا جانے کیا نتیجہ نکلے؟ ایک فلاحی اسلامی ریاست ناگزیر ہوتی جا رہی ہے جہاں فرد اور معاشرے اور ریاست کے حقوق و فرائض کا توازن کے ساتھ بروقت جاری رہنا لازمی ہے۔ آج کے معاشرے کے تمام مثبت پہلوؤں کا ذمہ دار فرد کا ذاتی شعور ہے جس نے ملت اور قوم کے شعور کے ساتھ مل کر تہذیب نو کی طرح ڈالی لیکن ساتھ ہی ساتھ ایسے عوامل بھی ظہور پذیر ہوتے گئے جو نوجوہ کو تاہ بینی و بے اعتنائی ناسور بنتے چلے گئے ایسے ہی موقع پر ہمیں اسوہ علی علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم کردہ معاشرہ میں فرد اور حکومت کے کردار کی عملی مثال نظر آتی ہے۔ یہ تجربہ بین المللی و بین الادیان کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ کامن ویلتھ اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی بتائی گئی خوبیوں سے مزین ریاست اسلامی میں خلیفہ یا اولوالامر کا کردار کیا تھا۔ فرد نے ریاست کے لئے کچھ قربانیاں دیں فرد نے ریاست سے بڑھ کر کس شے کو اہمیت دی کہ اس شے کی تحقیقاً حفاظت سے ریاست کو قیام و دوام حاصل ہو گیا۔ کیا ریاست اس شے یعنی عقیدے اور ثقافت جو قائم ہوئی اس کے تحت وجود میں نہیں آئی اور پھر قائم رہتے ہوئے ترقی بھی کرتی گئی۔ تو ثابت یہ ہوا کہ دین او ایقان ہی وہ مضبوط اور اہم عناصر ہیں جو کسی ریاست اور معاشرہ کے اتار چڑھاؤ اور مضبوطی اور دیرپائی کے ضامن ہو سکتے ہیں اس کے علاوہ کوئی اور مرکزہ یا محور ریاست کی پائیداری کیلئے بنیادی عناصر کا کردار ادا نہیں کر سکتے۔ اسلام دین فطرت ہے اس کی گہرائی اور گیرائی کا انحصار صرف عقیدے کی مضبوطی اور احترام اصول پر ہے۔

طفیل اوست عالم غالبا دیگر نمیدانم

گر انسان خاک است آدم پائے نام بوتراب استے

منقبت

صوفی غلام نبی عشقری

زیارت آمدم در روضه ات مشکل کشا گفته
بدور تربتت گردیده ام حاجت روا گفته
غریب و مو سفیدم آمدم تا دست من گیری
کمر را بسته ام سوئے تو شاه اولیاء گفته
یقیں دانم شهٔ مردانی و سر افسر اسلام
گرفتم حلقه در را علی المرتضٰی گفته
مدینه می شمارم ایں مزارِ فیض آثارت
ترا چوں لحمک لحمی محمد مصطفٰی گفته
تو باکشف ولایت ذره ذره حال من دانی
اگرچه گفتنی هائی دگر ماندست نا گفته
شفا بخشے تماما درد هائی درد مندانی
گرفتم خورده از خاک درت آب بقا گفته
فقیرم عاجزم بے سر پناه خانه بردوشم
حضورت عرض خود را عشقرؔی سر تا بپا گفته

سیرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے عملی پہلو

غلام احمد ربانی

مدرس ایڈورڈز کالج سکول پشاور صدر

اس چمنستان دہر میں کچھ لوگ اس آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں کہ جن کی نکہت و خوشبو چار دانگ عالم میں پھیل جاتی ہے جو نہ صرف انسانی جسموں پر حکمرانی کرتے ہیں بلکہ قلب و نظر بھی ان کے اسیر ہوتے ہیں اور جن کا کردار صفحہ ہستی کا عنوان بن جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چمنستان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ گل سر سبد ہیں کہ جن کا نام اور اسوہ تا ابد نوع انسانی کے لئے ہدایت ور ہنمائی کی مشعل تاباں بن کر ضوفشانی کرتا رہے گا۔

یہ فطرت کا اصول ہے کہ جس قدر کوئی شخصیت عظیم اور بلند مرتبہ ہوتی ہے لوگ اسی قدر اس کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ یا تو حد سے بڑھ کر محبت و عقیدت کا اظہار کیا جاتا ہے اور یا اس کی مخالفت میں توہین و عداوت کا رویہ اپنایا جاتا ہے اور اس کی قدر و منزلت سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ اعتدال کی راہ چھوڑ دی جاتی ہے یہی حال حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کا بھی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مخبر صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیش گوئی فرمائی تھی کہ

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار بلایا اور فرمایا کہ تم عیسیٰ بن مریم کا نمونہ ہو، ان سے یہود نے اس درجہ بغض بڑھایا کہ ان کی والدہ پر بہتان لگا دیا اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی تو اس منزل پر پہنچا دیا جو ان کی نہیں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سن لو میری ذات کے بارے میں افراط و تفریط کی وجہ سے دو طبقے ہلاک ہوں گے: محبت کرنے والے ثناء خوانی میں اور غلو کرنے والے جو میری ایسی تعریف بیان کریں گے جو مجھ میں نہیں ہے اور ایسے بغض کرنے والے جن کی دشمنی ان کو مجھ پر بہتان لگانے پر مائل کرے گی، سن لو میں نہ تو

پیغمبر ہوں اور نہ مجھ پر وحی آتی ہے" (المرتضیٰ ؓ بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۵۶)

اسی طرح حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ : **ھلك فی رجلان: محب غال و مبغض قال** یعنی میرے بارے میں دو قسم کے لوگ برباد ہوئے، حد سے بڑھ کر چاہنے والا اور عداوت رکھنے والا (نہج البلاغہ جلد ۳)

آج بھی لوگ حضرت علی ؓ کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ ایک طرف ان سے محبت میں بڑھ جانے والے انہیں خدائی صفات سے متصف کر دیتے ہیں اور دوسری طرف ان سے بغض و عداوت رکھنے والے شرف صحابیت تو کجا ان کے ایمان تک کو مشکوک ٹھہراتے ہیں۔ یہ روش قرآن و سنت کی نصوص کی خلاف ورزی ہے قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ **لا تغلوا فی دینکم** یعنی تم دین میں غلو نہ کرو اور حدیث میں ارشاد ہوا **ایاکم والغلوا فی الدین** یعنی خبردار تم دین میں غلو سے بچتے رہو۔ اسی لئے اس نے اگلی امتوں کو ہلاک کیا تھا (احمد، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت علی ؓ کے جس قدر فضائل و مناقب احادیث میں وارد ہوئے ہیں شاید ہی کسی دوسرے صحابی کے ہوں۔ اس لئے سیرت علی ؓ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ فرض ہے کہ وہ خالی الذہن ہو کر اور آپ ؓ کی شخصیت کے تقدس و احترام کا پورا پورا لحاظ رکھیں اور اعتدال کے پہلو کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیں تاکہ آپ ؓ کے سیرت و کردار سے مستفیض ہو سکیں۔

حضرت علی ؓ کی شخصیت اس قدر عظیم ہے کہ آپ آغوش رسالت کے پروردہ اور درس گاہ نبوت کے تربیت یافتہ ہیں۔ مردوں میں شرف صرف حضرت علی ؓ کو حاصل ہے کہ جب آپ نے شعور کی آنکھ کھولی تو دامن نبوت و رحمت آپ کا مربی بنا۔ مسند احمد میں حضرت علی ؓ سے روایت ہے میں روزانہ صبح کو معمولاً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور تقرب کا درجہ میرے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھا۔ (خلفائے راشدین صفحہ ۳۰۲)

آپ رسالت کے ایسے گواہ ہیں جو بچپن سے لے کر وفات تک آپ ﷺ کی رفاقت میں رہے اور آپ ﷺ کی جلوت و خلوت اور سفر و حضر میں آپ ﷺ کے ہمراہ رہے۔ ایک

مرتبہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مسح علی الخفین (موزوں پر مسح) کرنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے ا۔

قربت رسالت کا یہ عالم کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے مزاج و افتاد طبع سے اور ذات نبوی ﷺ کی خاص صفات و کمالات سے گہری مناسبت ہو گئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے میلان طبع اور مزاج کے رخ کو بہت باریک بینی اور چھوٹی بڑی باتوں کی نزاکتوں کو سمجھتے تھے ۲۔ اور آپ کی اداؤں سے گہری واقفیت رکھتے تھے، بقول حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

"روح مرتضوی کو روح نبوی کے ساتھ وہ نسبت ہے کہ جو قمر کو آفتاب سے ہوتی ہے کہ نور قمر اگرچہ آفتاب ہی سے مستفاد ہوتا ہے مگر اسکی صورت آفتاب کی صورت سے مختلف ہوتی ہے، صفاف و شفاف آئینہ کی طرح قمر، آفتاب کا ہم رنگ نہیں ہو جاتا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شان ولایت کا ظہور ہوا کہ جو شان ولایت روح نبوی ﷺ میں مستور اور مندرج تھی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ظاہر ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی استعداد عنصری کو آنحضرت ﷺ کی استعداد عنصری اور قوت اعتدالیہ کے ساتھ خاص الخاص تشبہ تھا"۔ ۳۔

احمد اور ترمذی نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "جس نے علی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی"۔ امام بخاری اور مسلم نے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "تو مجھ سے اس طرح ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام تھے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں"

ا۔: خلفائے راشدین، صفحہ ۳۰۲ حوالہ مسند احمد۔

۲۔: المرتضیٰ صفحہ ۲۳۷۔

۳۔: خلافت راشدہ حوالہ التفہیمات الہ۔

سیرت علی ؓ کے عملی پہلو کا عنوان اس لئے منتخب کیا گیا کہ خود حضرت علی ؓ نے علم کے ساتھ ساتھ دین پر سختی سے عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے بلکہ آپ تو عمل کو بھی ایمان کا ہی ایک حصہ سمجھتے ہیں، آپ ؓ فرماتے ہیں

الایمان معرفة القلب و اقرار باللسان و عمل بالارکان (نہج البلاغہ جلد ۳) کہ ایمان دل سے پہچاننا اور زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء سے عمل کرنا ہے اور فرمایا من قصر فی العمل ابتلی بالهم جو عمل میں کوتاہی کرتا ہے و رنج و اندوہ میں مبتلا رہتا ہے (نہج البلاغہ جلد نمبر ۳) اور فرمایا من ابطاء به علمه لم یسرع به نسبه "جسے عمل پیچھے ہٹائے اسے اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا (نہج البلاغہ جلد ۳ قول نمبر ۳۸۹) وہ علم بہت بے قدر و قیمت ہے جو زبان تک رہ جائے اور وہ علم بہت بلند مرتبہ ہے جو اعضا و جوارح سے (عمل کے ذریعہ) ظاہر ہو۔
(نہج البلاغہ، جلد ۳ قول نمبر ۹۲)

حضرت علی ؓ کی سیرت کے بے شمار پہلو ہیں اور ہر پہلو اپنی جگہ انتہائی اہم ہے مگر میں صرف آپ ؓ کے بارہ میں چار پہلوؤں کا بطور خاص ذکر کروں گا۔ ان میں آپ ؓ کے علم، شجاعت، فقر و زہد اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت شامل ہیں۔

علم : حضرت علی ؓ کتاب و سنت کے بہت بڑے عالم تھے۔ مسروق تابعی ؒ کا قول ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے علم کی انتہا چھ پر ہوئی اور پھر ان چھ کے علم کی انتہا حضرت علی ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ پر ہوئی (اصطلاحات حدیث صفحہ ۱۹۳) حضرت علی ؓ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد پانچ سو چھیاسی ہے (تاریخ الخلفاء)۔ ان میں سے بیس احادیث پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے اور نو (۹) احادیث صرف بخاری میں ہیں اور دس احادیث مسلم میں ہیں غرض صحیحین میں آپ کی کل انتالیس احادیث ہیں۔ ۱؎

آپ نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ احکام ایک لمبے کاغذ پر لکھ رکھے تھے جو آپ کی تلوار کی نیام میں پڑا رہتا تھا، اس کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا ۲؎۔ ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر آپ ؓ

۱-۲؎ : خلفائے راشدین، صفحہ ۳۰۶۔

نے فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی ا؎۔ اس لئے حضرت علی ؓ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے۔

حضرت علی ؓ کو فقہ و اجتہاد میں مکمل دسترس حاصل تھی یہاں تک کہ حضرت عمر ؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ ؓ بھی آپ کے فضل و کمال کے معترف تھے۔ حضرت امیر معاویہ ؓ نے بھی ایک دفعہ لکھ کر دریافت کیا کہ خنثیٰ مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ تو آپ نے جواب مرحمت فرمایا ۲؎۔

حضرت علی ؓ طلب علم میں اتنے حریص تھے کہ جو مسائل شرم و حیا اور اپنے رشتہ کی نزاکت کی وجہ سے خود نہیں پوچھ سکتے تھے کسی دوسرے کے ذریعہ پوچھوا لیتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف باب ۹۴ میں مذکور ہے

"حضرت علی ؓ نے کہا کہ میری مذی بہت نکلا کرتی تھی میں نے مقداد ؓ سے کہا کہ تم نبی کریم ﷺ سے اس کا مسئلہ پوچھو، انہوں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مذی نکلے تو وضو کرنا چاہیے"

حضرت علی ؓ اس عارضہ کی وجہ سے غسل فرماتے تھے اور براہ راست سوال کرنے سے حیا مانع تھی اس لئے حضرت مقداد سے کہا کہ تم پوچھو۔ حضرت علی ؓ کے اس طرز عمل سے ایک مثال سامنے آئی کہ حیا کو باقی رکھ کر علم اور تحقیق کی روشنی حاصل کی جاسکتی ہے اور ایسی صورت میں حیا جائز بلکہ ایک درجہ مستحسن ہے۔ ۳؎۔

آپ کے علم کے بارے میں ارشاد ہے کہ انبیاء سے خصوصیت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو کہ ان کی لائی ہوئی چیزوں کا زیادہ علم رکھتے ہیں اور فرمایا "اور جان لو اس علم میں کوئی بھلائی نہیں جو نفع رساں نہ ہو" (نہج البلاغہ)

۱؎: خلفائے راشدین، صفحہ ۳۰۶۔

۲؎: ایضاً صفحہ ۳۰۹

۳؎: فضل الباری شرح بخاری صفحہ ۱۹۵۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اولیں کارناموں میں سے عقائد و علم کلام، علم قضا، فقہ نحو کا علم اور عربی کتابت کے ضوابط و اصول کی تدوین ہے"۔ا

شجاعت : شجاعت وبسالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا ثانی نہیں رکھتے اور اس وصف میں کوئی معاصر آپ رضی اللہ عنہ کا شریک نہیں۔ تمام غزوات میں شرکت فرمائی اور جرأت و بہادری کے وہ کارنامے سرانجام دیئے جن کی مثال ملنا مشکل ہے۔ غزوہ بدر آپ رضی اللہ عنہ کا عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ آغاز جنگ میں کفار نے مبازرت طلبی پر ولید سے مقابل ہوا۔ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، پھر شیبہ کے مقابلہ میں حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر حملہ کیا اور اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ غزوہ احد میں کفار کے علم بردار طلحہ ابن ابی طلحہ نے مبازرت طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی اس کے مقابلہ میں آئے اور سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرط مسرت میں نعرہ تکبیر بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے۔ ۲

غزوہ حنین میں ہو ہوازن کا علم بردار جو سیاہ جھنڈا لئے ہوئے تھا اور اونٹ پر بیٹھ کر مصروف جنگ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری کے ساتھ مل کر اس پر حملہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی پچھلی ٹانگوں کے ٹخنے تلوار سے اڑا دیئے، اونٹ گر پڑا تو انصاری نے اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا (ابن ہشام صفحہ ۵۳۱)

غزوہ خیبر میں یہودیوں کا پہلوان مرحب متکبرانہ انداز سے تلوار ہلاتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا۔ اس کے جواب میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ رجز خوانی کرتے ہوئے مقابل ہوئے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ اس کے خود کو چیرتی ہوئی سر کو کاٹ گئی اور مرحب زمین پر تڑپتا ہوا نظر آیا، خیبر فتح ہوا۔

غزوہ خندق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اس شان سے عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود جو

ا۔ :المرتضی

۲۔ : خلفائے راشدین

تنہا ایک ہزار شہسواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا کے بالمقابل ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار عنایت فرمائی اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! تو اس کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ اس پہلوان کی مبازرت طلبی پر آپ ؓ اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اسے کہا کہ "اے عمرو! تو نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر کسی قریش کے فرد نے تم کو دو چیزوں کی دعوت دی تو تم ایک ضرورت قبول کرو گے، اس نے کہا بے شک! حضرت علی ؓ نے فرمایا میں تمہیں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو نے کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے" حضرت علی ؓ نے فرمایا پھر تم کو مقابلہ پر آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ وہ مقابل ہوا اور حضرت علی ؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

ایک دفعہ ایک لڑائی میں جب آپ کا حریف گر کر برہنہ ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے تاکہ اسے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے اور ایک معروف واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ؓ نے اپنے مدمقابل کو گرا دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے اور قریب تھا کہ اس کا کام تمام کر دیتے مگر اس نے آپ ؓ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا تو آپ ؓ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے حیرانی سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قتال کر رہا تھا جب تو نے میرے چہرے پر تھوکا تو مجھے غصہ آگیا اور اب اگر میں تمہیں قتل کرتا تو یہ میرے نفس کی خوشنودی کے لئے ہوتا لہٰذا میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ عین لڑائی میں ضبط نفس کا یہ مظاہرہ ہمارے لئے کامل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

فقر و زہد : دنیا سے بے رغبتی اور خشیت الٰہی حضرت علی ؓ کی ایک نمایاں خصوصیت تھی جس کی جھلک آپ کی تمام زندگی میں دیکھی جا سکتی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کی مجلس میں ایک بار زہاد کا ذکر چھڑا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا

ازهد الناس فی الدنیا علی بن ابی طالب"

دنیا میں سب سے زیادہ زاہد حضرت علی ؓ بن ابی طالب تھے (المرتضیٰ صفحہ ۳۰۱)

آپ ؓ کا ارشاد مبارک ہے کہ "حرام کی طرف بے رغبتی سے بڑھ کو کوئی زہد نہیں اور تفکر سے بڑھ کر کوئی علم نہیں" (نہج البلاغہ)۔ ایک دفعہ آپ ؓ کے جسم پر ایک بوسیدہ اور پیوند دار جامہ دیکھا گیا تو آپ ؓ سے اس بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا اس سے دل متواضع اور نفس ذلیل ہوتا ہے" (نہج البلاغہ)۔ نیز آپ ؓ نے فرمایا 'خوشخبری ہو ان کو کہ جنہوں نے دنیا میں زہد اختیار کیا اور ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہے" (نہج البلاغہ)

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں فالودہ پیش کیا گیا۔ آپ نے فالودہ کو مخاطب کر کے فرمایا" تیری خوشبو اچھی ہے، رنگ حسین ہے، مزہ لذیذ ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ نفس کو ایسی چیز کا عادی بناؤں جس کا وہ اب تک عادی نہیں ہے"[۱]

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت :

حضرت علی ؓ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ زندگی بھر اس پر سختی سے کاربند رہے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہے۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ ؓ نے فرمایا کہ میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسح کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ پاؤں کے نیچے مسح کرنا اوپر کرنے سے بہتر ہے" آپ ؓ نے شہادت سے قبل وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ :

"تم لوگوں کو میری وصیت ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بنانا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ضائع نہ کرنا۔ ان دونوں ستونوں کو قائم رکھنا اور ان دونوں چراغوں کو روشن رکھنا، بس پھر برائیوں نے تمہارا پیچھا چھوڑ دیا" (نہج البلاغہ صفحہ ٦٦٨)

نیز فرمایا "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اگرچہ ان سے کوئی قرابت نہ ہو اور ان کا دشمن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اگرچہ نزدیکی قرابت رکھتا ہو" (نہج البلاغہ صفحہ ۸۳۲)

حاکم کا انتخاب کرتے وقت فرمایا کہ اس بات کا خیال رکھو کہ وہ "سنت کو معطل کرنے والا نہ ہو کہ وہ

۱: المرتضیٰ حوالہ حلیۃ الاولیاء۔

(بدعت جاری کر کے) امت کو تباہ وبرباد کردے گا ا۔ فرمایا" سن لو کہ میں نہ تو پیغمبر ہوں اور نہ مجھ پر وحی آتی ہے لیکن میں مقدور بھر کتاب وسنت پر عمل کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے جو میں تمہیں حکم دوں اس میں میری اطاعت تم پر واجب ہے خواہ پسند کرو یا نہ کرو" ۲۔

حضرت علی ؓ نے جب بصرہ میں نماز پڑھی تو عمران بن حصین ؓ نے فرمایا، اس نماز نے مجھے حضور ﷺ کی نماز کی یاد دلادی وہ قیام وقعود مختصر لیکن رکوع و سجود طویل کرتے تھے ۳۔

فرمایا" تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرو کیونکہ جو گواہ ہے وہی حاکم ہے (نہج البلاغہ صفحہ ۹۱۳) امام بخاری ؒ نے حضرت علی ؓ بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا کے حضور خصوصیت کے لئے دوزانو ہو کر بیٹھوں گا" (خلفائے راشدین صفحہ ۳۳۰)

ابو صالح سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاویہ ؓ بن سفیان ؓ نے ضرار بن ضمرہ اسدی سے کہا کہ بتاؤ حضرت علی ؓ کیسے تھے؟ ضرار ؓ نے کہا آپ مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا، انہوں نے کہا نہیں بیان کرو، حضرت معاویہ ؓ کے اصرار پر وہ بولے اچھا سنئے!

"ان کی نظر انتہائی دوررس تھی، ان کے قویٰ انتہائی مضبوط تھے، بات دوٹوک اور صاف صاف کہتے تھے، اور فیصلے پورے عدل وانصاف کے ساتھ کرتے، ان کی شخصیت سے علم کے چشمے ابلتے تھے، دنیا اور دنیا کے دل آویزیوں سے متوحش رہتے، رات اور اس کی تاریکی سے دل لگاتے تھے۔ خدا گواہ ہے کہ (راتوں کو عبادت میں) ان کے آنسو تھمتے نہ تھے، دیر تک فکر مند اور سوچتے رہتے، اپنے کف دست کو الٹتے پلٹتے اور اپنے آپ سے باتیں کرتے، روکھا سوکھا کھاتے، بالکل اپنے ہی ساتھیوں اور بے تکلف لوگوں کی طرح رہتے، جب کچھ پوچھا جاتا جواب دیتے

ا۔ نہج البلاغہ، جلد دوم۔

۲۔ :المرتضیٰ، صفحہ ۲۶۶۔

۳۔ :ابو داؤد، نسائی۔

جب ان کے پاس جاتے تو خود بڑھ کر بات شروع کرتے، جب بلاتے تو حسب وعدہ آجاتے لیکن ہم لوگوں کو (باوجود قرابت اور رفاقت اور ان کی سادگی کے ان کا رعب ایسا تھا کہ) ان کے سامنے بولنے کی ہمت نہ ہوتی اور نہ کوئی گفتگو چھیڑتے اگر وہ مسکراتے تو آپ کے دندان ایسے نظر آتے جیسے سفید موتیوں کی لڑی ہو۔ دینداروں کی توقیر کرتے، مساکین سے محبت کرتے، کسی طاقتور انسان کی یہ جرأت نہ تھی کہ ان سے باطل کی تائید میں توقع رکھتا اور کوئی کمزور ان کے عدل و انصاف سے مایوس نہ ہوتا اور میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان کی راتوں کے چند مناظر دیکھے ہیں کہ رات نے اپنی سیاہ چادر پھیلا دی ہے، تارے ڈوبنے لگے ہیں اور علی ﷺ محراب مسجد میں اپنی داڑھی ہاتھ سے پکڑے درد بھرے شخص کی طرح رو رہے ہیں اور اس طرح تڑپ رہے ہیں جیسے کوئی شخص تڑپے جس کو کسی زہریلے سانپ، بچھو نے ڈس لیا ہو، مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان کی آواز اب بھی سنائی دے رہی ہے اور وہ کہہ رہے ہیں

اے دنیا! کیا تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کر رہی ہے یا مجھ سے کوئی امید رکھتی ہے؟ مجھ سے کچھ امید نہ رکھ میرے علاوہ کسی اور کو فریب دے، میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں جس کے بعد تیری طرف مراجعت (لوٹنے) کی گنجائش ہی نہیں۔ تیری عمر کوتاہ، تیری دی ہوئی کامرانی حقیر، تیرے خطرات بھیانک اور بڑے۔ آہ زاد راہ کتنا کم ہے، سفر کتنا طویل ہے اور راستہ کس درجہ سنسان ہے"

راوی کہتے ہیں: یہ سن کر حضرت معاویہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور اس کے قطرے ان کی داڑھی پر گرنے لگے، اپنی آستین سے وہ آنسو پونچھتے تھے اور رونے سے آواز حلق میں گھٹنے لگی، پھر معاویہ ﷺ نے کہا: اللہ تعالیٰ ابوالحسن ﷺ پر رحم فرمائے واقعی ان کا یہی حال تھا۔ ضرار! تم اپنا حال کہو ان کی جدائی سے کیا محسوس کرتے ہو؟ کہا مجھے ایسا غم ہے جیسا اس عورت کو ہوگا جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا گیا ہو اور نہ اس کے آنسو تھمتے ہوں نہ غم ہلکا ہوتا ہو"[۱]

۱: المرتضیٰ حوالہ صفۃ الصفوۃ، ابن جوزی جلد ۱، صفحہ ۱۲۱-۱۲۲، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد ۱۳۵۵ھ۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد شاید ہی کسی عظیم شخصیت کی سیرت کی ایسی تصویر کھینچی گئی ہو جو احساسات، حالات، رجحانات و تصورات اور انسان کے فطری ذوق و وجدان کی عکاس ہو جیسی کہ حضرت ضرار ؓ نے حضرت علی ؓ کے متعلق پیش کی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں نقل کیا گیا ہے وہ رھبان باللیل و فرسان بالنہار تھے یعنی ان کی راتیں مصلوں پر اور دن گھوڑوں کی پیٹھ پر جہاد کرتے ہوئے گذرتے تھے۔ حضرت علی ؓ بھی بدرجہ اولیٰ اس کے مصداق تھے۔ مذکورہ بالا تبصرہ میں سیرت علی ؓ کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان میں خوف خدا، فکر آخرت، دنیا سے بے رغبتی، آپ ؓ کی ذہانت و ذکاوت، آپ ؓ کی بصیرت و علم، قضایا اور آپ ؓ کے دیگر ذاتی خصائل و شمائل کا تذکرہ ہے نیز اس میں آپ ؓ کے شوق عبادت اور دائمی شب زندہ داری کا ایسا منظر پیش کیا گیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع کا عکس پایا جاتا ہے۔

حضرت علی ؓ سابق فی الاسلام (بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے) ہیں۔ ہجرت مدینہ کا شرف بھی حاصل ہوا اور مؤاخات کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے آپ ؓ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ آپ ؓ رسول اللہ ﷺ کی امانتوں کے امین ٹھہرے ۱؎۔ غزوہ خیبر کے موقع پر حزب اسلامی کی قیادت و سیادت بھی فرمائی ۲؎۔ اور ایک سریہ (جو سریہ علی ابن ابی طالب ؓ کے نام سے معروف ہے) کی قیادت فرمائی ۳؎۔ علاوہ ازیں مختلف غزوات و سرایا میں پرچم اسلام کے علم بردار رہے ۴؎۔ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شمولیت فرمائی اور شجاعت و بسالت کے بے مثال کارنامے سرانجام دیئے۔ حضور اکرم ﷺ کے حکم سے مختلف مواقع پر خاندانی نیابت و نقابت کا فریضہ بھی سرانجام دیا ۵؎۔ مختلف اوقات میں لشکر کفار سے متعلق اہم

۱؎: ابن ہشام

۲-۳: ایضاً

۴؎: البدایہ والنہایہ مع بخاری و مسلم

۵؎: صحیح بخاری، باب غزوہ تبوک۔

معلومات فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی آپ ؓ کو سونپی جاتی رہی ا۔ وحی الٰہی کی کتابت اور فرامین رسول ﷺ کی کتابت کا شرف بھی آپ ؓ کو حاصل ہوا ۲۔ یمن میں بطور مبلغ اسلام اور قضا کے منصب پر بھی فائز رہے۔ آپ کی دعوت پر یمن کا پورا قبیلہ ہمدان دولت اسلام سے مشرف ہوا، ۳۔ ۹ ہجری میں سورہ براۃ کے نزول پر آپ ؓ نے حضرت ابوبکر ؓ کی امارت میں حج کے موقع پر آپ ﷺ کی نیابت کا فریضہ بھی سرانجام دیا ۴۔ آپ کے ذاتی کاموں میں آپ ﷺ کی خدمت واعانت بھی کی۔ آپ ﷺ کی بیماری میں آپ کی تیمارداری کی اور وفات کے بعد آپ ﷺ کے غسل اور تجہیز و تکفین میں بھی آپ ؓ نے شمولیت فرمائی ۵۔ بت شکنی، طمس صور (تصویروں کے بگاڑنا) اور تسویہ قبور (قبروں کا برابر کرنا) کا فریضہ بھی آپ ؓ کے سپرد رہا ۶۔ مکہ مکرمہ میں اسلام کے متعلق تحقیق و جستجو کرنے والوں کی مدد اور رہنمائی بھی فرماتے رہے۔ ۷

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد تینوں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے برضا ورغبت بیعت فرمائی اور انہیں مشوروں سے نوازتے رہے جیسا کہ "نہج البلاغہ" صفحہ ۳۶۸ میں مرقوم ہے کہ حضرت عمر ؓ نے غزوہ روم میں شرکت کے لئے حضرت علی ؓ سے مشورہ لیا، اور اس کے ساتھ قضا کے منصب پر بھی فائز رہے۔ علامہ شبلی ؒ نے اپنی کتاب "الفاروق" میں لکھا ہے:

> "حضرت عمر ؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علی ؓ کے مشورہ کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علی ؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے اور جب بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت ان ہی کے ہاتھ دے کر گئے۔"

۱۔ : ابن ہشام غزوہ حمر الاسد۔
۲۔ : ابن ہشام (صلح حدیبیہ اور دیگر دستاویزات) ۳۔ : زاد المعاد ۴۔ : ابن ہشام
۵۔ : ابن ہشام (حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کی طرف سے قربان کئے جانے والے اونٹوں میں سے ۳۷ کو ذبح کیا۔
۶۔ : مسند احمد، مسلم۔ ۷۔ : صحیح بخاری

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک اعلیٰ پایہ خطیب تھے اور آپ کی فصاحت وبلاغت ضرب المثل ہے۔ آپ خاشع الی اللہ اور نماز کے بہت پابند تھے۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ آپ رکعاً سجداً کے مصداق تھے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

"جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گذار تھے (ترمذی باب المناقب)

اپنے روزمرہ کے کام خود سرانجام دیتے تھے اور کسب معاش کے لئے مزدوری کر کے اپنے ہاتھ سے کماتے تھے اور اس سلسلہ میں یہود تک کے ہاں مزدوری کر لیتے تھے۔ ابوالقاسم بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک دوہم کی کھجور خریدی اور اپنی قبا کے دامن میں اسے اٹھا لیا۔ ایک شخص نے کہا امیر المؤمنین! میں اٹھالوں، فرمایا یہ بچوں والے کا کام ہے کہ اپنا سامان خود اٹھائے۔ ا۔

تنازعات کا فیصلہ کرنے میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا کیونکہ دربار رسالت سے ارشاد ہوا کہ اقضا کم علی تم میں سے سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں دعا بھی فرمائی تھی۔ ۲۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ا۔ :المرتضیٰ، صفحہ ۳۲۵۔

۲۔ :ایضاً۳۳۰

علی کی پناہ میں

سید اظہر حسین گیلانی

مولا مرے وجود میں آئیں گے کس طرح
ذرے میں آفتاب سمائیں گے کس طرح

ان کے حضور سانس بھی لینا محال ہے
ہم درد کا فسانہ سنائیں گے کس طرح

وردِ زباں رہے گا ہمیشہ علی علی
دوزخ کے شعلے ہم کو جلائیں گے کس طرح

فضلِ خدا سے ہم ہیں علی کی پناہ میں
دشمن نشاں ہمارا مٹائیں گے کس طرح

اظہر بغیر دیکھے ولایت مآب کو
عاشق دلوں کی پیاس بجھائیں گے کس طرح

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا سیاسی تدبر

پروفیسر رانا غلام سرور
گورنمنٹ کالج لاہور

برادر رسول نبی کریم ﷺ، مقتدائے جملہ اولیاء واصفیاء حضرت ابوالحسن سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ "نہج البلاغہ" خطبہ ۳۶ میں فرماتے ہیں

"میں دین کے لئے اس وقت اٹھا جب لوگوں نے پسپائی اختیار کی، میں اس وقت سربلند کر کے سامنے آیا جب لوگ منہ چھپا رہے تھے، میں اس وقت بولا جب سب لوگ خاموش تھے، میں نور خدا کے سہارے آگے بڑھا اور سب لوگ ٹھہرے رہے۔ میرا لہجہ (دعویٰ) ان کے مقابلہ میں دھیما تھا مگر میں سب سے آگے بڑھ چکا تھا۔ میں (دین کی) باگ تھامتے ہی اڑا اور مقابلہ میں یکاو تاز سے نکلا جیسے پہاڑ کہ اسے تند ہوائیں ہلا نہیں سکتیں، جھکڑ اکھیڑ نہیں سکتے۔ میرے بارے میں کسی کو عیب گیری کا موقع نہیں، کوئی بولنے والا مجھ پر حرف گیری نہیں کر سکتا۔ دبا ہوا شخص میرے نزدیک اس وقت تک طاقتور ہے جب تک میں اسے حق نہ دلا دوں اور مضبوط آدمی میرے سامنے بے جان ہے جب تک اس سے دوسرے کا حق نہ لے لوں۔ ہم اللہ کے فیصلہ پر راضی اور حکم خدا کے سامنے سرافگندہ ہیں"۔

عبداللہ ابن احمد بن حنبل، ابو نعیم، ابن المازنی، طبرانی، ابن عساکر میں ابو زبیر مکی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضور پُرنور رحمت عالم نور مجسم رسالت مآب ﷺ کوہ عرفات پر رونق افروز تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے سامنے آرہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں اشارہ سے بلایا، جب وہ پاس آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اے علی! اپنا پنجہ میرے پنجہ میں ڈال، میں اور تو ایک شجرہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ میں اصل ہوں اور تو اس کی فرع۔ حسین علیہ السلام اور حسین علیہ السلام اس کی شاخیں ہیں۔

جس کسی نے اس کی شاخ کو پکڑا خداوند قدوس نے اسے جنت میں داخل کیا۔ اے علی (ﷺ)! اگر میری امت کے لوگ اس قدر روزے رکھیں کہ کمان کی طرح ٹیڑھے ہو جائیں اور یہاں تک نماز پڑھیں کہ تار کی طرح باریک ہو جائیں پھر اگر تجھ سے بغض رکھیں تو اللہ تعالیٰ انہیں منہ کے بل دوزخ میں گرائے گا۔

مزید فرمایا ان علیا منی و انا منہ

ترجمہ: علی مجھ سے اور میں علی سے ہوں۔

یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ ظہور قدسی سے قبل اقوام و ملل مختلف طبقات میں منقسم تھیں۔ وطنیت، قومیت، رنگ و نسل، حسد، بغض، کینہ طوزی، زبانی و لسانی تعصبات جو نہ صرف باہمی نسل انسانی میں افتراق و انتشار اور چپقلشوں کا موجب تھے بلکہ نفرت کے بیج اس حد تک پروان چڑھ چکے تھے کہ تشدد اور خوں ریزی نے جنم لے لیا تھا۔ فخر دو عالم نور مجسم رحمت للعالمین ﷺ نے انہیں بھائی چارہ، مساوات، سیاسی بصیرت و تدبر اور حریت کا عملی درس دیا۔

ارشاد خداوندی ہے

والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوا ھا و انابو الی اللہ لھم البشری فبشر عباد الذین (۱۷) الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھدٰھم اللہ و اولئک ھم اولوا الا لبا ب (۱۸)

(القرآن سورہ الزمر)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا ان کے لئے بشارت ہے۔ پس آپ (ﷺ) میرے بندوں کو خوشخبری دیں جو کلام سنتے ہیں، پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی وہ علوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور یہی لوگ اہل عقل ہیں۔

خلافت کے لئے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے وقت حضرت علی ﷺ سقیفہ بنی ساعدہ میں شامل نہ تھے۔ رسالت مآب ﷺ کی تدفین کے بعد بیعت عامہ میں بھی آپ

علیہ السلام شریک نہ تھے اور ملاحدہ پتہ چلا بقول البلاذری، (انساب الاشراف ۱: ۵۸۲) آپ قرآن مجید فرقان حمید جمع کرنے میں مشغول تھے۔ حضرت مولائے مشکل کشا علیہ السلام نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شکوہ کیا کہ مشورہ کے وقت ہمیں نظر انداز کر دیا گیا لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجبوری اور نزاکت وقت کا ذکر فرمایا تو بعد از اطمینان فوری طور پر آپ نے بیعت کر لی۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت عوام الناس کے بعد جب حضرت سیدہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے باغ فدک کے بارے میں استفسار کیا تب بھی یہ نہیں فرمایا کہ خلافت کا حق میرے شوہر نامدار کا ہے۔

ابن کثیر "البدایہ" ۷ : ۲۲۵ کے مطابق حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس خواہش کا بھی اظہار فرمایا کہ انکے شوہر نامدار کو فدک کا ناظر بنا دیا جائے۔ گو فدک کے مسئلہ پر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض تھیں لیکن جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار ہوئیں تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور یقین دلایا کہ وہ اللہ رب العزت اور حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے جویا ہیں اور اسی سلسلہ میں انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ الذہبی "سیر اعلام النبلاء ۲ : ۷۹ میں رقمطراز ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو انہوں نے راضی کر لیا تھا۔ ہر دو کو امت مسلمہ کی بہتری مقصود تھی کیوں نہ ہو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ہر کام کیا کرتے یہاں تک کہ خندق کی کھدائی میں خود شرکت فرما کر وطن سے محبت پر مہر ثبت فرما دی اور آنے والوں کو درس دیا کہ جب ضرورت پڑے تو ادنیٰ سے لے کر حکمران ریاست تک وطن کے دفاع کے لئے میدان میں کود پڑے۔ یہی مدبرانہ سیاست تھی اور عہد حاضر کے لئے سبق تھا۔

خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ پورا پورا تعاون فرما رہے تھے اور مشاورت میں چاہے سماجی نظم و نسق ہو یا فقہی یا علمی پہلو

ہو ہر طریقہ سے شرکت فرماتے۔ مرتدین نے مدینہ منورہ پر یورش کرنا چاہی تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق نے حضرت علی ، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت عبداللہ رضوان کو بیرون شہر کے راستوں کی حفاظت کے لئے مامور فرمایا۔

حضرت عمر خطاب نے خلافت کے عہدہ پر متمکن ہونے کے بعد سب کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت علی اور حضرت عمر ایک دوسرے کی بہت ہی عزت اور توقیر کرتے تھے۔ حضرت عمر ہمیشہ حضرت علی کی رائے کو صائب گردانتے۔ بعض مرتبہ تو یوں بھی فرمایا کہ آج اگر حضرت علی ( ) نہ ہوتے تو حضرت عمر ( ) ہلاک ہو جاتے۔ اسی طرح اسلامی تقویم کے آغاز کرنے کا مشورہ ہجرت سے آپ نے ہی دیا تھا۔ خلافت فاروقی میں حضرت علی مدینہ عالیہ میں قاضی مقرر ہوئے اور حضرت عمر جبکہ بیرون عرب تھے تو آپ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ حضرت عثمان بن عفان کے خلیفہ تعینات ہونے کے بعد حضرت علی نے حسب دستور سابقہ آپ کے ساتھ ہر طرح تعاون کا سلسلہ جاری وساری رکھا۔ ملکی مسائل اور دیگر مہمات میں ہر طرح سے صائب مشورے دیئے۔ بیت المال کے وظائف اور مال غنیمت کے حصص وصول فرمائے۔ بلکہ حضرت عثمان کے نام پر اپنے بیٹے کا نام رکھا۔

حضرت عثمان ذوالنورین کی شہادت کے المیہ کے بعد لوگ آپ کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے اس وقت فرمایا "تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر میں تمہاری بات کو مان لوں تو تمہیں اپنی مرضی کے مطابق چلاؤں گا اور کسی کی بات یا عتاب کی پرواہ نہ کروں گا، اگر تم مجھے چھوڑ دو تو تم میں سے ایک فرد کی طرح رہوں گا اور جس کو تم امیر بناؤ گے اس کا شاید تم سب سے زیادہ مطیع اور وزیر رہوں گا، یہ بات تمہارے ہی لئے بہتر ہے"

اس کے بعد دوسرے روز جمعۃ المبارک کے دن آپ تشریف لائے اور فرمایا میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ یہ (خلافت) تمہارا حق ہے جس کے تم سپرد کرو، اس کے سوا کسی اور کو اس

پر حق نہیں ہو گا، اگر تمہاری خواہش ہو تو میں بیٹھتا ہوں ورنہ مجھے کسی کے خلاف رنج نہ ہو گا۔ اس کے بعد لوگوں نے جوق در جوق بیعت کی۔

آپ ؓ کا زمانہ خانہ جنگی کا تھا بدیں وجہ بیرونی فتوح بالکل ہی ختم تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ سندھ کی طرف ان کے والی نے کچھ کام کیا ہے۔

خود مختار عدالت عالیہ آپ ؓ کے دور میں بھی موجود تھی۔ غیر مسلموں کی عدالتیں حسب سابق جدا تھیں۔ آپ ؓ کے دور میں قانون بین المسلمین وجود میں آیا۔ سرکاری مہر پر "اللہ الملک" درج تھا۔ کبھی کبھی "محمد رسول اللہ" والی مہر کا بھی استعمال ہوتا تھا۔ آپ ؓ کے فتاویٰ کی بھی دھوم تھی۔ حرب بن عدی کے پاس آپ کا پورا رسالہ تھا۔ آپ ؓ کے پاس آنحضرت ﷺ کی ذاتی تلوار بھی تھی اس لئے اس پر جو دستاویزات رسول اکرم ﷺ نے لپیٹ رکھی تھیں وہ بھی آپ کے پاس تھیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ان میں شہری مملکت مدینہ منورہ کا دستور اور تخطیط حدود حرم مدینہ عالیہ نیز نصاب زکوٰۃ کی تفاصیل بھی شامل تھیں۔

آج اقوام متحدہ کے دستور میں اخوۃ عالمی کا ڈھونگ برائے نام ہے جو منافقت پر مبنی ہے جو عدم سیاسی تدبر کی وجہ سے ہے جس کا زندہ و تابندہ ثبوت یہ ہے کہ آج بھی ان مہذب ممالک میں جگہ جگہ لکھا ہوا ہے Blacks and dogs are not allowed کیا خلفائے راشدین رضوان اللہ کے دور میں اس قسم کی تفاوت تھی۔ حضرت علی ؓ فطرتاً پر خلوص اور اصول اسلام کی پابندی کے پیکر تھے۔ آپ ؓ بیک وقت قائد، فاتح، خطیب، کاتب اور مدبر سیاستدان تھے۔ آپ ؓ کو قرآن مجید فرقان حمید کا سب سے بڑا مفسر کہا جاتا ہے۔ کسی سے منتقم مزاجی، غصہ، ناانصافی، اپنی ذات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا آپ ؓ کا شیوہ ہی نہ تھا۔ لباس کے لئے فرماتے ہیں واللہ! میں تمہارے اموال میں سے کسی شے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ میرا وہی کھیس (کمبل) ہے جسے میں مدینہ منورہ سے لایا ہوں۔ حضرت خواجہ محمد پارسا ؒ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت علی ؓ کو بغاوتوں سے فرصت ملتی اور امن کے ساتھ خلافت کا کاروبار چلانے کا موقع میسر آتا تو آپ اس

علم کے بارے میں ایسی باتیں بیان فرماتے جن کے متحمل ہمارے قلوب نہیں ہو سکتے۔

اسلام ایک عالمگیر دین ہے جو کالے، گورے، امیر، غریب، بادشاہ و گدا میں کوئی فرق نہیں رکھتا۔ یہاں سیاہ فام بلال حبشی رضی اللہ عنہ خوبصورت ابولہب پر ان گنت فضیلتیں رکھتے ہیں۔

اسلام آخری ضابطہ حیات ہے

اليوم اكملت لكم دينكم و اتمت اليكم نعمتى و رضيت لكم الاسلام دينا (القرآن ۵:۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اسلام ہی وہ دین متین اور حق ہے جو جامع اور اکمل ضابطہ ہدایت پوری نوع انسانی کے لئے فراہم کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے

هو الذى ارسل رسوله بالهدىٰ و دين الحق ليظهره الى الدين كل (القرآن ۴۸: ۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسولوں کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے انسان پر انسان کے جبر و استبداد کے خاتمہ کے لئے وحی الٰہی کی ہدایت کا ہی پیغام دیا ہے۔ یہی ان کا سیاسی تدبر تھا اور اسی کی آج بھی دور حاضر میں اہمیت ہے۔

Domination of man over man under various pretext of rationality can only be ended through obedience of Divine revelation(Draft Constitution of Islamic Republic of Pakistan, Lahore 1971)

اسلام پوری نوع انسانی کو الخلق عیال اللہ کہہ کر ایک کنبہ اور برادری تصور کرتے ہوئے حسن سلوک کا درس دیتا ہے جو رذائل اخلاق سے بچا کر فضائل اخلاق کا درس دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کا سیاسی تدبر بھی اسی پر مبنی تھا اور دور حاضر میں اس کی بہت بڑی اہمیت ہے۔

اخوت اسلامیہ کے جن عملی پہلوؤں کی حضرت علی علیہ السلام نے اپنی حین حیات میں نشاندہی کی ہے

ان کی عملی تائید اس طرح ہوتی ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے   نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر
قوت عشق سے ہر پشت کو بالا کر دے   دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

حضور سرور دو عالم ﷺ نے بڑی جدوجہد کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کا نظام قائم کیا۔ لیکن یہ اللہ رب العزت کی ہدایت کے مطابق کفر و شرک اور تمام بداخلاقیوں کا قلع قمع کر کے ہوا تھا، اسی پر خلفائے راشدین نے عمل کیا اور بالخصوص حضرت علی علیہ السلام کا یہ تدبر سیاسی تھا کہ اتنے افتراق وانتشار کے بعد حالات پر قابو پایا۔ لیکن آج اسلام پھر انحطاط کا شکار ہو چکا ہے جس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔

۱: اگرچہ امت مسلمہ کا تصور تو پروان چڑھ رہا ہے لیکن اس کی حقیقی روح اجاگر نہیں ہو سکی۔ وہ اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ جب Live and let alive پر عمل ہو۔

۲: معاشرتی اقدار کا جنازہ نکل رہا ہے مگر معاشرے کے ارباب بست وکشاد اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کئے ہوئے ہیں۔

۳: ہر شخص اپنی ذات کے لئے محنت و مشقت کر رہا ہے لیکن اس حقیقت سے نابلد ہے کہ اس کی ذات یا فقط خاندان معاشرے کی اکائی ہیں۔ جب تک معاشرہ ترقی پذیر نہ ہو ایک خاندان کی ترقی بے معنی ہے کیونکہ ہر فرد کا تعلق معاشرہ سے براہ راست ہے۔

۴: عالم اسلام کو کفار کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے باخبر رہنا چاہئے۔ عالم اسلام کی پریشانیوں کا واحد حل یہی ہے کہ اتحاد امت مسلمہ کی منزل کو حاصل کر کے امت کے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کیا جائے۔ لیکن یہ سب کچھ تمام اختلافات بالائے طاق رکھ کر نسلی، قبائلی اور لسانی تفریقیں مٹا کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے جس کا عملی درس حضرت علی علیہ السلام نے سیاسی تدبر کے ساتھ اپنی حیات مبارکہ میں دیا۔ کیونکہ آپ علیہ السلام کے دل میں سچی تڑپ اور تمنا اتحاد کے لئے صحیح معنوں میں تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

فان اللہ ھو مولاھم و جبرئیل و صالح المؤمنین

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہی رفیق ہے اپنے نبی اکرم ﷺ اور جبرئیل اور نیک مؤمنوں کا۔

اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ صالح المؤمنین علی ابن ابی طالب ہیں۔ (بحوالہ ابن ابی حاتم، سیوطی، کنزالعمال، ثعلبی، ابو نعیم)

حقیقت حال یہ ہے کہ اگر ہم تاریخی وحدت ہیں تو احکام رسالت ﷺ کی پابندی، سنت مطہرہ سے وابستگی، عشق محمدی ﷺ کے کلمہ جامعہ، خلفاء راشدین رضوان اللہ کے اقوال بالخصوص حضرت مولائے علی مشکل کشا علیہ السلام کے تدبر کی بناء پر اتحاد ہونا چاہئے۔ بقول حکیم الامت، شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

امت مسلمہ کے ارباب بست و کشاد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اسلامی معاشرہ میں قانونی، سیاسی، اقتصادی، اجتماعی، ثقافتی انجمنوں، علم اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بھی وسیع تر مفاد کے لئے تعلقات اس طرح فروغ دیں تاکہ امت مسلمہ کے درمیان مستحکم پن ہو اور کدورتوں اور رنجشوں کے خاتمہ میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ اللہ جل مجدہ بتوسل حضور پُر نور شافع یوم النشور ﷺ، مقام مصطفیٰ ﷺ کی پہچان اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے قول و عمل اور قلم کے ذریعہ عالم اسلام کے عظیم مقاصد کا حصول ممکن بنائے اور خصوصاً بالخصوص مولیٰ علی مشکل کشا علیہ السلام کے سیاسی تدبر کی روشنی میں اتحاد بین المسلمین کے حصول کے لئے ہماری کوششیں ممد و معاون ثابت ہوں۔

In the words of Professor Hurgronje

"The League of Nations founded by the Prophet of Islam (sall alla-ho alaihay wa Alihi wasallam) put the principle of international unity and human brotherhood on such universal foundations as to

show candle to other nations"

He continues

" The fact is that no nation of world can show a parallel to what Islam has done towards realisation of the idea of league of nations aiming at the restoration of the idea of missing spiritual ingredient in the lop sided, imbalance over materialistic modern civilisation by reaching union and communion with God through the sufi stages of journly to God in God, with God by God, to end exasperating spiritual vacuum responsible for all frustration, anxieties, woes and wars in the world"

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو علی کا دوست نہیں میرا بھی کچھ نہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات عالیہ آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں

☆ : معافی اچھا انتقام ہے۔

☆ : برے کی برائی کرنا، برائی نہیں۔

☆ : موت بے اطلاع ساتھی ہے۔

☆ : یقین، عدل، صبر اور جہاد ایمان کے ستون ہیں۔

☆ : ہر شخص سے اس کی عقل کے مطابق بات کرو۔

☆ : گناہ پر شرمندہ ہونا، گناہ کو دھوتا ہے۔

☆ : صاحب علم کو کبھی ذلیل مت سمجھو، خواہ وہ اسی حالت میں کیوں نہ ہو۔

☆ : شرافت، مال و دولت اور حسب و نسب سے نہیں بلکہ فہم، عقل اور ادب سے ہے۔

☆ : اللہ تعالیٰ کے حقوق وہی ادا کر سکتا ہے جو بندوں کے حقوق ادا کرتا ہو۔

☆ : مصیبتوں کا مقابلہ صبر سے کرو۔

☆ : موت کو ہمیشہ یاد کرتے رہو۔

☆ : دنیا کی سب سے بڑی نعمت دین اسلام ہے۔

☆ : نصیحت تنہائی میں کرنی چاہئے۔

☆ : شیریں زبان دشمن کو بھی بھائی بنا دیتی ہے۔

☆ : عقل کلام کی خوبی سے ظاہر ہوتی ہے۔

☆ : بوڑھے کی رائے پر دھیان کرو۔

☆ : عالموں کی محفل میں بیٹھا کرو۔

☆ : غیبت کرنے والا جہنمی ہے۔

☆ : سختی کا جواب نرمی سے دو۔

☆ : علم مال سے بہتر ہے۔

☆ : بزدلی ایک عیب ہے۔

☆ : دشمن کو معاف کرنا دلیری ہے۔

☆ : قناعت ایسی دولت ہے جس کی کوئی حد نہیں۔

☆ : حرص ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔

☆ : صبر نجات غم ہے۔

☆ : مسکرانا بھی نیکی ہے۔

☆ : دوستی کا رشتہ خود پیدا کیا جاتا ہے۔

☆ : شرم کی انتہاء یہ ہے کہ آدمی خود سے بھی شرم کرے۔

☆ : بخشش کا کمال یہ ہے کہ کسی کو انتظار نہ کرایا جائے۔

☆ : امید ایک جھوٹی چیز ہے۔

☆ : ہر تجربہ میں نصیحت ہے۔

☆ : دنیا مصیبتوں کا گھر ہے۔

☆:دنیا جھوٹ اور خیانت سے بھری پڑی ہے۔

☆:ایمان کی نشانی یہ ہے کہ نقصان کے اندیشہ کے باوجود سچ ہی بولو۔

☆ :ہر کام میں خدا کی حکمت چھپی ہوتی ہے۔

ماخذ مراجع

۱ : تاریخ الرسل والملوک بمواضع کثیر۔

۲ :ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، بمواضع کثیر۔

۳ :المسعودی مروج الذہب۔

۴ :الدینوری، الاخبار الطوال۔

۵ :الذہبی، تاریخ اسلام۔

۶ :ابن سعد، طبقات۔

۷ :ابن حزم، الفصل فی الملل۔

۸ :نصر بن مزاحم المنقری، وقعۃ صفین، قاہرہ ۱۳۶۳ھ۔

۹ :محب الدین، الطبری، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، مصر ۱۳۲۷ھ۔

۱۰ :شاہ ولی اللہ دہلوی، ازالۃ الخفاء فی خلافۃ الخلفاء فارسی بریلی ۱۲۸۶ھ۔

۱۱ :المناقب امام احمد ابن حنبل۔

۱۲ :مناقب ائمہ اثناء عشر، شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔

۱۳ :سوانح عمری حضرت علی ابن ابی طالب ؑ، مولانا عبیداللہ بسمل۔

۱۴ :شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید۔

۱۵ :فردوس الاخبار، دیلمی۔

۱۶ :تاریخ اسلام، معین الدین احمد، اعظم گڑھ۔

۱۷ :مختصر تاریخ اسلام، مولانا غلام رسول مہر۔

۱۸: Muhammad Hameed Ullah, Constitutional problems in early Islam, Istumbol Tetkikleri Enstitusu Dergisi.

۱۹: History of Philip KH, Hitti, The Arabs Encylopedia of Islam.

منقبت

محبوب الٰہی عطاءؔ

مصطفیٰ کی ذات کا ہیں آئینہ مولیٰ علی
ہیں سراپائے صفات کبریا مولیٰ علی

انگلیوں سے جب در خیبر اکھاڑا مومنو!
دیکھ کر کہتی تھی دنیا مرحبا مولیٰ علی

ہیں وصی مصطفیٰ، ملک ولایت کے امیر
نور احمد جانشین مصطفیٰ مولیٰ علی

جبکہ آپ کا پھر کیوں نہ ہو شیر خدا
لطف حق سے آپ ہیں شیر خدا مولیٰ علی

جب نبی پاک کا "من کنت مولیٰ" قول ہے
کیوں نہ قائل ہو زمانہ آپ کا مولیٰ علی

صدقہ حسنین سے بھر جائے دامان مراد
ہو عطاؔ کو بھیک کچھ ایسی عطا مولیٰ علی

امام الاولیاء ﷜ کے اقوال زریں

باسط حسین قادری

عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ انا دارالحکمۃ و علی بابھا (اخرجہ الترمذی و ابو نعیم)

ترجمہ: حضرت علی ﷜ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کی اگر شرح بیان کی جائے تو کئی صفحات درکار ہیں۔ ایک اور مقام پر حضور پاک ﷺ کا ارشاد مبارک ہے

عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ ان مدینۃ العلم و علی بابھا (اخرجہ الحاکم)

ترجمہ: حضرت علی ﷜ سے روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

ان دو احادیث مبارکہ سے امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ ﷜ کے علمی مقام کا خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی زبان مبارکہ سے نکلے ہوئے الفاظ اقوال زریں ہیں۔ اگر آپ ان اقوال زریں کا بغور مطالعہ کریں تو ہزاروں اسرار و موز آپ پر کھل جائیں گے اور آپ ان اقوال کی روشنی میں بہترین زندگی گزار سکتے ہیں۔ یوں تو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ﷜ کے حکیمانہ کلمات بارہ ہزار کے قریب کتاب "غرر الحکم و درر الکلم" میں درج ہیں لیکن قارئین کی خدمت میں چیدہ چیدہ پیش کیے جاتے ہیں

۱: عقلمند کا سینہ اس کے بھیدوں کا مخزن ہوتا ہے۔

۲: جو شخص خود کو بہت پسند کرتا ہے وہ دوسروں کو ناپسند ہو جاتا ہے۔

۳: جب دنیا کسی کی طرف بڑھتی ہے تو دوسروں کی خوبیاں بھی اسے عاریتاً دے دیتی ہے جب اس سے رخ موڑ لیتی ہے تو خود اس کی خوبیاں بھی اس سے چھین لیتی ہے۔

۴: لوگوں سے اس طریقہ سے ملو کہ اگر مر جاؤ تو تم پر روئیں اور زندہ رہو تو تمہارے مشتاق ہوں۔

۵: دشمن پر قابو پاؤ تو اس قابو پانے کا شکرانہ اس کو معاف کر دینا قرار دو۔

۶: فرصت کی گھڑیاں ابر کی طرح گذر جاتی ہیں، موقعوں کو غنیمت جانو۔

۷: نیک کام کرنے والا خود اس کام سے بہتر ہے، برائی کا مرتکب خود اس برائی سے بدتر ہے۔

۸: خواہشوں، تمناؤں کو ترک کرنا بہترین دولت مندی ہے۔

۹: عقلمند کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہے اور بیوقوف کا دل اس کی زبان کے پیچھے ہے۔

۱۰: دولت ہو تو پردیس میں بھی دیس ہے، مفلس ہو تو دیس میں بھی پردیس ہے۔

۱۱: قناعت وہ سرمایہ ہے جو ختم نہیں ہو سکتا۔

۱۲: مال نفسانی خواہشات کا سرچشمہ ہے۔

۱۳: زبان ایک ایسا درندہ ہے اگر اسے کھلا چھوڑ دیا جائے تو پھاڑ کھائے۔

۱۴: تھوڑا دینے سے شرماؤ نہیں، خالی ہاتھ پھیرنا تو اس سے بھی گری ہوئی بات ہے۔

۱۵: انسان کی ہر سانس ایک قدم ہے جو اس کو موت کی طرف اڑائے لئے جا رہا ہے۔

۱۶: جب کسی کام میں اچھے کام کی پہچان نہ رہے تو آغاز کو دیکھ کر انجام کو پہچان لو۔

۱۷: حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے، اسے حاصل کرو اگرچہ منافق سے لینا پڑے۔

۱۸: ہر شخص کی قیمت وہ ہنر ہے جو اس شخص میں ہے۔

۱۹: یقین کی حالت میں سونا شک کی حالت میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

۲۰: موقع کو ہاتھ سے جانے دینا رنج واندوہ کا باعث ہوتا ہے۔

۲۱: دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ چھونے میں نرم مگر اس کے اندر زہر ہلاہل بھرا ہوتا ہے۔

۲۲: ان دو قسم کے اعمال میں کتنا فرق ہے۔ ایک وہ عمل جس کی لذت مٹ جائے لیکن اس کا وبال رہ جائے، ایک وہ ہے جس کی سختی ختم ہو جائے لیکن اس کا اجر و ثواب باقی رہے۔

۲۳: اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس تمہاری نظروں میں کائنات کو حقیر و پست کر دے گا۔

۲۴: جس شخص کو چار چیزیں عطا ہوئی ہیں وہ چار چیزوں سے محروم نہیں رہتا۔ جو دعا کرے وہ قبولیت سے محروم نہیں ہوتی، جسے توبہ کی توفیق ہو وہ قبولیت سے ناامید نہیں ہوتا، جسے استغفار نصیب ہو وہ مغفرت سے محروم نہیں ہوتا اور جو شکر کرے وہ اضافہ سے محروم نہیں ہوتا۔

۲۵: عورت کا جہاد شوہر سے حسن معاشرت ہے۔

۲۶: صدقہ کے ذریعہ روزی طلب کرو۔

۲۷: ہر آنے والے کو پلٹنا (مرنا) ہے، جب پلٹ گیا تو وہ جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔

۲۸: جو شخص اپنی قدر و منزلت کو نہیں پہچانتا وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

۲۹: کسی جماعت کے فعل پر رضامند ہونے والا ایسا ہے جیسے اس کے کام میں شریک ہو۔

۳۰: جو اقتدار حاصل کر لیتا ہے جانبداری کرنے لگتا ہے۔

۳۱: جو خود رائی سے کام لے گا وہ تباہ و برباد ہو گا جو دوسروں سے مشورہ لے گا وہ ان کی عقلوں میں شریک ہو جائے گا۔

۳۲: جو اپنے راز کو چھپائے رہے گا اسے پورا قابو رہے گا۔

۳۳: ضد اور ہٹ دھرمی صحیح رائے کو دور کر دیتی ہے۔

۳۴: جب دو مختلف دعوتیں ہوں گی تو ان میں ایک ضرور گمراہی کی دعوت ہو گی۔

۳۵: جو حق سے منہ موڑتا ہے تباہ ہو جاتا ہے۔

۳۶: جسے صبر رہائی نہیں دلاتا اسے بیتابی و بیقراری ہلاک کر دیتی ہے۔

۳۷: اے ابن آدم جو تو کماتا ہے اور غذا پر صرف کرتا ہے اور جو بچا کر رکھتا ہے تو غیر کے لئے خزانچی ہے

۳۸: جو منصب پالیتا ہے دست درازی کرنے لگتا ہے۔

۳۹: گناہ تک رسائی کا نہ ہونا بھی ایک صورت پاکدامنی ہے۔

۴۰: سچا دوست اور بھائی وہ ہے جو تکلیف میں تمہاری خبر گیری کرے۔

۴۱ : انسان کے لئے اس کا ادب اور اخلاق سونے چاندی سے بہتر ہے۔

۴۲ : کسی بات کے حصول سے ناامید ہو جانا جی کو تسکین بخشتا ہے۔

۴۳ : عالم آدمی جاہل کو پہچان سکتا ہے کیونکہ کبھی وہ خود بھی جاہل تھا۔ برخلاف اس کے جاہل آدمی عالم کو نہیں پہچان سکتا کیونکہ وہ کبھی عالم تھا ہی نہیں۔

۴۴ : ماں باپ سے نیکی کرنا ایسا ہے جیسے قرض دینا (تمہاری اولاد تمہاری خدمت کر کے یہ قرضہ ادا کرے گی)۔

۴۵ : انسان کا پیٹ اس کا دشمن ہے۔

۴۶ : احسان جتا کر اپنی نیکی کو ضائع مت کرو۔

۴۷ : اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھو، اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

۴۸ : جس کھانے پر بہت ہاتھ جمع ہوں اس میں برکت ڈال دی جاتی ہے۔

۴۹ : تین آدمیوں سے اپنا راز مت کہو : عورت ذات، چغل خور اور بیوقوف آدمی۔

۵۰ : علماء حقانی کی موت سے دین میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔

۵۱ : عورت زیور پہن کر خوبصورت نظر آتی ہے۔ مردوں کے زیور ان کے اخلاق ہیں۔

۵۲ : موت کو یاد رکھنے کی بدولت دل سے زنگ اتر جاتا ہے۔

۵۳ : نفس کی خود پسندیاں خود اس کے لئے تکلیف کا موجب ہوتی ہیں۔

۵۴ : غلبہ نفس کی حالت میں بھی حق بات ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

۵۵ : علم کی زکوٰۃ تحمل اور بردباری ہے۔

۵۶ : خوبصورتی کی زکوٰۃ عفت یعنی پاکدامنی ہے۔

۵۷ : بہادری کی زکوٰۃ جہاد کرنا ہے۔

۵۸ : دنیاوی کامیابی سے خوش ہونا ایک دھوکا ہے جس کا انجام حسرت ہے۔

۵۹ : انسان کے اخلاق اور اس کا چال چلن اس کی اندرونی حالت کا آئینہ ہے۔

۶۰ : ناشکری کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نعمتیں انسان سے چھین لی جاتی ہیں۔

۶۱ : راز کی بات تمہارے پاس ایسے قیدی کی حیثیت میں رہتی ہے جس کے افشاء کرنے پر تم اس کے قیدی بن جاؤ گے۔

۶۲ : رشتہ داری اور قرابت کے حقوق ملحوظ رکھو، تمہاری خدمت کے لئے خود بخود آدمی پیدا ہو جائیں گے۔

۶۳ : عمل کی خوبی حسن نیت میں ہے۔

۶۴ : کم دوڑ دھوپ کرنے والے کی عمر زیادہ ہوتی ہے۔

۶۵ : دشمن کا کہا ماننا ہلاکت کا موجب ہے۔

۶۶ : جس کے اہل و عیال نہ ہو وہ بڑا خوش نصیب ہے۔

۶۷ : جنت کی دلہن سے ہمکنار ہونے کا مہر یہ ہے کہ دنیا کو طلاق دو۔

۶۸ : بادشاہ (عادل) کا سایہ جیسے اللہ تعالیٰ کا سایہ۔

۶۹ : ٹیڑھی چیز کا سایہ بھی ٹیڑھا ہی ہوگا۔

۷۰ : قناعت کی زندگی بسر کرو گے تو بادشاہ ہو گے (سب سے بے نیاز ہو گے)۔

۷۱ : عقلمند دشمن بیوقوف دوست سے اچھا ہے۔

۷۲ : جو شخص تم کو برائی پر آمادہ کرے وہ تمہارا دوست نہیں ہے غدار ہے، تم کو دھوکہ دے رہا ہے

۷۳ : جو شخص باطل کے ذریعہ تم کو خوش کرنا چاہتا ہے، وہ خیانت کرتا ہے۔

۷۴ : عقلمند لڑکا بوڑھے جاہل سے بہتر ہے۔

۷۵ : صبر اور تحمل کے ذریعہ تم دشمن پر فتح حاصل کر سکتے ہو۔

۷۶ : جو شخص اپنے نفس کے شر سے محفوظ رہا وہ کامیاب ہے۔

۷۷ : دنیا کا یہ کچھ کم عیب ہے کہ وہ پائیدار نہیں۔

۷۸ : اپنے جسم کو دنیاوی کاروبار میں مشغول رکھو لیکن تمہارا دل آخرت کی فکر میں لگا رہے۔

۷۹ : نرم گفتاری سے دلوں کو مسخر کیا جا سکتا ہے۔

۸۰ : انسان کی خوبی یہ ہے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔

۸۱ : حریص کو اس کی حرص ہلاک کر کے چھوڑتی ہے۔

۸۲ : جس کی نظر اپنے عیبوں پر ہو وہ دوسروں کی عیب جوئی کبھی نہیں کرتا۔

۸۳ : قبر کو منور کرنا چاہتے ہو تو اندھیروں میں نماز پڑھا کرو۔

۸۴ : سر کے بالوں کا سفید ہونا موت کا پیغام ہے۔

۸۵ : تم بزرگوں کا احترام کرو گے تو چھوٹے تمہارا احترام کریں گے۔

۸۶ : انسان کا تمہارے ساتھی سے اچھا ہے۔

۸۷ : انسان خود بینی اور خود پسندی سے ہلاک ہوتا ہے۔

۸۸ : انسان کی قدر و قیمت اس کے بلند ارادوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

۸۹ : عورتوں میں وفاداری نہیں ہوتی۔

۹۰ : بے حیا آدمی کو برا کہنا برا نہیں۔

۹۱ بے وقوف آدمی کے رفیق اور ہمراہی نہ ہو۔

۹۲ : احسان کرنے سے آدمی کی عمر بڑھتی ہے۔

۹۳ : ناامید ہو جانا بھی ایک گونہ راحت ہے۔

۹۴ : جس نے اپنی قدر پہچان لی وہ کبھی ہلاک نہیں ہوگا۔

۹۵ : لوگ سوئے ہوئے ہیں مریں گے تو جاگ پڑیں گے۔

۹۶ : جس میں تکبر پایا جائے اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔

۹۷ : اسلام سے بڑھ کر اور کوئی چیز قابل فخر نہیں۔

۹۸ : ترک گناہ کی منزل بعد میں مدد مانگنے سے آسان ہے۔

حفظان صحت سے متعلق حکیمانہ کلمات :

امیر المومنین ﷺ نے فرمایا

۱: تم پرہیز ہی سے صحت یاب ہو سکتے ہو۔

۲: معدہ بیماریوں کا گھر ہے، پرہیز سو دواؤں کی ایک دوا ہے۔

۳: جب بھوک ہو تو اس وقت کھانے کے لئے بیٹھو اور ابھی بھوک باقی ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔ کھانا خوب چبا کر کھاؤ اور سونے سے پہلے حوائج ضروریہ سے فارغ ہو جاؤ، جب اس پر عمل کرو گے تو علاج معالجہ سے مستغنی ہو جاؤ گے۔

۴: کھانے کی ابتداء نمک سے کرو۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں کیا کیا فوائد ہیں تو اسے تریاق آزمودہ پر ترجیح دیں۔

۵: رات کو نہ کھانا خرابی بدن کا باعث ہوتا ہے۔

۶: کھانے کو رکھا رہنے دو یہاں تک کہ ٹھنڈا ہو جائے۔

۷: رنگارنگ کھانے سے پیٹ بڑھ جاتا ہے۔

۸: اپنے شکموں کو جانوروں کا گورستان نہ بناؤ۔

۹: دوپہر کے کھانے کے بعد لیٹ جانا چاہئے اور رات کے کھانے کے بعد چلنا پھرنا چاہئے۔

۱۰: شکم پر ہو کر حمام میں جانا مرض کا باعث ہے۔

۱۱: پانی دنیا اور آخرت میں تمام مشروبات کا سردار ہے۔

۱۲: مسواک سے آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔

۱۳: شہد ہر مرض کے لئے بے ضرر دوا ہے جو بلغم کو چھانٹتی ہے اور دل کو جلا بخشتی ہے۔

۱۴: بہی کمزوروں کو تقویت دیتی ہے اور معدہ کی اصلاح کرتی ہے۔

۱۵: ناشپاتی دل میں جلا پیدا کرتی ہے، درد شکم دور کرتی ہے۔

۱۶: انجیر کھاؤ، قولنج کے لئے مفید ہے۔

۱۷: کدو کھاؤ یہ دماغی قوت کو بڑھاتا ہے۔

۱۸: گائے کا گوشت مغز، دودھ شفا اور گھی دوا ہے۔

۱۹: خرما کھاؤ یہ بہت سی بیماریوں سے شفا دیتا ہے۔

۲۰: سیب کھاؤ یہ معدہ کو قوی رکھتا ہے۔

امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ ؑ کے ان اقوال کو اگر قاری بطریق احسن سمجھ لے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے تو نہ صرف جسمانی و روحانی بیماریوں کا علاج ان میں ہے بلکہ روزمرہ کی مشکلات و تکالیف کا حل بھی ان میں موجود ہے۔

ماخذ و مراجع

۱: مخزن الاخلاق۔

۲: علی علی ہے مترجم سید محمد رفیق حسین شاہ ناشر داتا پبلشرز لاہور۔

۳: نثر اللآلی مترجم علامہ سید فضل صمدانی ہوری، مکتبہ صمدانی ہوریہ بھانہ ماڑی پشاور۔

علی علی مدد ے

شاعر خوشنوا صبیح احمد

آج پھر آنکھ ہے پرنم علی علی مدد ے — پھر ستانے لگا اک غم علی علی مدد ے

شمع دل تو جلے ہے مگر یہ کیوں سر شام — کچھ ہوئی جاتی ہے مدہم علی علی مدد ے

آنکھ روتی ہے اگر مڑ کے کبھی ڈھونڈتا ہوں — کوئی محرم کوئی ہمدم علی علی مدد ے

یہ سنا ہے کہ اگر زخم دل پہ کوئی بھی ہو — اک تیرا نام ہے مرہم علی علی مدد ے

رت بدلتی ہے مگر دل کی اداسی کا صبیح — نگ بدلتا نہیں موسم علی علی مدد ے

استفتاء

(اولاد امجاد حضور نبی کریم ﷺ)

حضرت علامہ مفتی خلیل الرحمٰن قادری گلوزوی
مہتمم دار العلوم سبحانیہ حنفیہ حاجی آباد شکر پورہ روڈ پشاور

علماء دین حضرات سے استدعا ہے کہ حضور پُر نور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اولاد طیبات یعنی لڑکوں اور لڑکیوں کے نام، تاریخ پیدائش اور ان کی امہات کے اسمائے گرامی تحریر فرماویں۔ نیز پہلا لڑکا شادی مبارک کے کتنے عرصہ بعد پیدا ہوا، دوسرا تیسرا چوتھا پانچواں چھٹا وغیرہ۔ پہلے بچے کی پیدائش کے وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی؟ مہربانی فرما کر تفصیل کے ساتھ جواب ارقام فرما کر مشکور فرماویں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: حضرت شاہ نصیر الدین ولد سید محمد صالح بادشاہ سکنہ ترناب فارم ضلع پشاور۔

الجواب

معلوم ہونا چاہئے کہ حضور اقدس ﷺ کی اولاد طیبات میں لڑکوں کے بارے بعض علماء کرام نے اختلاف فرمایا ہے۔ اکثر علماء کرام کے نزدیک حضور ﷺ کے لڑکے تین ہیں اور بعض نے پانچ تک فرمائے ہیں۔ بہر حال سوائے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام اولاد طیبات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے۔ آپ کا پہلا نکاح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تھا۔ آپ کا اسم گرامی خدیجہ بنت خویلد بن اسد ہے۔ حضرت خدیجہ قریشی قبیلہ اسد سے ہیں اور آپ کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بن اصم ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر سونے کے پانچ سو درہم تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی میں حضور ﷺ نے کسی عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔ (تنویر الازہار، جلد اول، صفحہ ۱۴۰)

مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ ۱۴۷ پر درج ہے

"سرور کونین ﷺ کی اولاد کی تعداد سات ہے، تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں، سب سے پہلے صاحبزادے قاسم ہیں، انہی کے نام سے آپ ﷺ کی کنیت ابو القاسم ہے۔ پھر زینب پیدا ہوئیں پھر رقیہ پھر فاطمہ پھر ام کلثوم پیدا ہوئیں، ان کا نام غیر معروف ہے پھر عبداللہ پیدا ہوئے، ان کو طیب وطاہر بھی کہا جاتا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ طیب وطاہر عبداللہ کے علاوہ ہیں ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور ﷺ کی تمام اولاد مکہ مکرمہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئی۔

ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ ماریہ قبطیہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

شہزادہ قاسم رضی اللہ عنہ: شہزادہ قاسم مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے، ان کی عمر مبارک دو برس تھی، بعض روایات میں کم وبیش مذکور ہے۔ شہزادہ عبداللہ بھی بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ شہزادہ ابراہیم رضی اللہ عنہ ذی الحجہ ۸ ہجری میں پیدا ہوئے، ساتویں دن حضور ﷺ نے ان کے عقیقے میں دو مینڈھے ذبح فرمائے اور ان کا نام رکھا اور سر کے بال اتارے اور بالوں کے ہموزن مساکین میں چاندی صدقہ کی۔ شہزادہ ابراہیم دس ہجری میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر شریف ایک سال دس ماہ یا ایک سال چھ ماہ تھی اور بقیع میں دفن ہوئے۔

شہزادی زینب رضی اللہ عنہا: محمد بن اسحٰق نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن محمد بن سلیمان سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی شہزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی ولادت شریف سے تیسویں سال پر پیدا ہوئیں۔ انہوں نے اسلام کا زمانہ پایا، اسلام قبول کیا پھر ہجرت کی، سیدہ زینب ۸ ہجری کو فوت ہوئیں۔

شہزادی رقیہ رضی اللہ عنہا: سرور کونین ﷺ کی یہ شہزادی جب پیدا ہوئیں تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک تینتیس برس تھی، ان کے ساتھ عتبہ بن ابی لہب اور ان کی ہمشیرہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ عتیبہ بن ابی لہب عتبہ کے بھائی کا نکاح ہوا جب سورہ تبت یدا ابی لہب

نازل ہوئی تو ابو لہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ جب تک محمد ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے میرا سر تمہارے سروں سے جدا رہے گا۔ انہوں نے دونوں شہزادیوں کو اپنے نکاحوں سے جدا کر دیا جبکہ دونوں شہزادیوں کی ان کے شوہروں کے یہاں ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ عتیبہ نے حضور ﷺ کی شان اقدس میں کچھ گستاخی کی جس پر حضور ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تیرے اوپر اپنا کتا مسلط کر دے پھر عتیبہ قریش کے تاجروں کے ساتھ نکلا، حتیٰ کہ شام میں زرقا کے مقام میں رات بسر کرنے کے لئے ٹھہرے تو اسی رات ایک شیر آیا اور لوگوں کے سامنے عتیبہ پر حملہ کر دیا اس کو پکڑ کر زمین پر مار الو زاس کے سر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ جسے شیر نے ہلاک کیا تھا وہ عتبہ تھا عتیبہ نہ تھا اور جو مسلمان ہوا تھا وہ عتیبہ تھا اسی طرح شفاء میں ہے (تنویر الازہار، جلد اول صفحہ ۱۵۰)

سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں سے پھر مدینہ منورہ ہجرت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان سے ایک لڑکا حبشہ میں پیدا ہوا تھا جس کا نام عبداللہ رکھا اور وہ چھ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے تشریف لانے کے بعد ایک سال دس ماہ بیس روز بعد سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی۔ اسے ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے (تنویر الازہار، جلد اول صفحہ ۱۵۰)

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا: پہلے گذر چکا ہے کہ عتیبہ بن ابو لہب نے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا اور رخصتی ہونے سے پہلے ہی ان کو جدا کر دیا جب ان کی ہمشیرہ سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ کے وحی کے مطابق سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کے دروازے کے پاس ملے اور فرمایا اے عثمان! یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لائے ہیں کہ رقیہ کے مہر کے مثل مہر مقرر کر کے میں تیرے ساتھ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کر دوں۔ ابن ماجہ ابو القاسم

دمشقی اور امام ابوالخیر قزوینی اور حاکم نے اس حدیث شریف کو ذکر کیا ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ دونوں شہزادیوں میں بڑی کون تھیں، ام کلثوم بڑی تھیں یا سیدہ رقیہ بڑی تھیں؟ البتہ سیدہ رقیہ حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا سے بڑی تھیں۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۹ ہجری میں فوت ہوئیں اور حضور ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا: رسول اللہ ﷺ کی شہزادی حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا اس وقت پیدا ہوئیں جب قریش کعبہ شریف کی تعمیر کر رہے تھے۔ یہ اظہار نبوت سے پانچ سال قبل کا واقعہ ہے یہ سب بہنوں سے چھوٹی ہیں۔ ان کی والدہ بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ ابو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کے پاس گئے تو وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ہم میں کون بڑا ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے علی (کرم اللہ وجہہ)! تم کعبہ کی تعمیر سے کئی سال پہلے پیدا ہوئے اور اے فاطمہ تو اس سال پیدا ہوئی جبکہ قریش کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف اس وقت پینتیس برس تھی اور اظہار نبوت سے پانچ سال قبل کا یہ واقعہ ہے اسے علامہ دولابی نے ذکر کیا ہے۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے تین بیٹے تھے حسن، حسین اور محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ ایک دن سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا اپنے والد حضور پر نور ﷺ کے روضہ اقدس پر تشریف لائیں اور کچھ توقف کے بعد یہ اشعار کہے

ماذا علی من شم تربت احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب او انہا صبت علی الایام صرن لیا لیا

ترجمہ: جو شخص روضہ اطہر کی مٹی سونگھ لے اس پر یہ لازم ہے کہ ساری عمر مشک و کستوری نہ سونگھے۔ مجھ پر ایسے مصائب ٹوٹ پڑے کہ اگر وہ دنوں پر گریں تو وہ راتیں ہو جائیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی وفات منگل کی رات تین رمضان المبارک کو ۱۱ ہجری کو ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھائیس برس تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی (تنویر الازہار جلد اول صفحہ ۱۶۰)

حضرت علامہ امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ "الانوار المحمدیہ" میں یوں رقمطراز ہیں

"حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کے صاحبزادوں کی تعداد تین تھی۔ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت قاسم سب سے پہلے صاحبزادے ہیں جو دو سال زندہ رہے۔ حضرت زینب باقی صاحبزادیوں سے بڑی تھیں، ان کی ولادت کے وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک تیس برس تھی، انہوں نے بعثت کا زمانہ پایا اور ہجرت کی اور ہجرت کے آٹھویں سال فوت ہوئیں۔

حضرت رقیہ کی ولادت کے وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک تینتیس برس تھی۔ ان کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وفات کے بعد حضور ﷺ نے ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا اور فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام موجود ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دوں۔ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہجرت کے نویں سال وفات پا گئیں۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا بعثت کے ایک سال بعد پیدا ہوئیں جبکہ حضور ﷺ کی عمر شریف اکتالیس برس تھی لیکن ابن جوزی کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا نبوت سے پانچ برس پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ ایک مرفوع روایت کے مطابق صاحبزادی کا نام فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس لئے رکھا گیا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اور ان کی اولاد کو قیامت کے دن جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے اور بتول اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے عہد کی عورتوں سے فضل، دین اور حسب ونسب کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

بامر اللہ ہجرت کے دوسرے سال بیاہ دیا اس وقت حضرت رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک پندرہ سال اور پانچ ماہ تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر شریف اکیس سال اور پانچ مہینے تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد حضر تصمنگل کے دن رمضان المبارک کی چار تاریخ کو ہجرت کے گیارہویں سال فوت ہوئیں۔

شہزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ہجرت کے آٹھویں سال ذوالحجہ کے مہینے میں پیدا ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ستر دن کے بعد فوت ہوگئے۔ بعض روایات میں زیادہ کا ذکر ہے۔ نماز جنازہ جنت البقیع میں پڑھی گئی اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پاس دفن کیے گئے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس برس تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ہجرت سے تین سال پہلے مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا اور حجون میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر مبارک پینسٹھ برس تھی۔ اس زمانہ میں نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی مدت قیام پچیس برس تھی۔ (انوار المحمدیہ للامام علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ، صفحہ ۱۹۹)

اور "نزھۃ المجالس" میں ہے

و اولادہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ الذکور ثلاثۃ - الاول عبداللہ رضی اللہ عنہ و یلقب بالطیب والطاھر، والثانی القاسم رضی اللہ عنہ والثالث ابراھیم رضی اللہ عنہ والاناث اربع زینب و رقیہ و ام کلثوم و فاطمہ رضی اللہ عنھن و ینبغی حفظھم و معرفتھم لانہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا و یقبح علی الانسان ان لا یعرف اولاد سیدہ و کلھم من خدیجۃ رضی اللہ عنہا الا ابراھیم رضی اللہ عنہ فانہ من ماریۃ القبطیۃ (نزھتہ المجالس جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

ترجمہ: اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد سات ہے، تین لڑکے ہیں، پہلا عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے اور

ان کا لقب طیب اور طاہر ہے، دوسرے قاسم رضی اللہ عنہ ہیں اور تیسرے ابراہیم رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور لڑکیاں چار ہیں: زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن اور ان کو یاد کر لینا جان لینا ضروری ہے کہ کیونکہ حضور ﷺ ہمارے سید ہیں اور یہ بہت قبیح اور بری بات ہے انسان کے لئے کہ وہ اپنے سید کی اولاد کو نہ پہچانے اور یہ تمام اولاد حضور ﷺ کی حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا سے ہے سوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے کہ وہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ہیں۔

اور مشارق الانوار" میں ہے

و اما ذکر اولادہ ﷺ — قال المحقق الصبان الاصح عند العلماء ان اولادہ ﷺ سبعة ثلاثة ذکور و اربعة اناث فاول من ولد له ﷺ القاسم و به کان یکنی ثم زینب ثم رقیة ثم فاطمة ثم ام کلثوم و اسمها کنیتها ثم فی الاسلام عبداللہ و کان نسمی الطیب و الطاهر و قیل الطیب و الطاهر غیر عبداللہ المذکور ولدا فی بطن قبل البعثة — و قیل غیر ذلك و کل هؤلاء ولدوا بمکة من خدیجته الا ابراهیم فانه بالمدینته من ماریة القبطیة — الخ — بطوله (مشارق الانوار جلد اول صفحه ۱۷٤)

ترجمہ: اور حضور ﷺ کی اولاد کے بارے علامہ محقق صبان نے فرمایا کہ علماء کرام کے نزدیک صحیح ترین یہ ہے کہ حضور ﷺ کی اولاد کی تعداد سات ہے۔ تین لڑکے ہیں اور چار لڑکیاں۔ سب سے پہلے ولادت حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی ہوئی اور اسی کی وجہ سے حضور ﷺ کی کنیت ابو القاسم تھی، ان کے بعد حضرت زینب پیدا ہوئیں پھر حضرت رقیہ پیدا ہوئیں، پھر فاطمہ پھر ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن پیدا ہوئیں اور ان کا اسم کنیت بھی ہے پھر اسلام میں یعنی بعثت کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور ان کو طیب اور طاہر بھی کہا جاتا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طیب اور طاہر ان کے (عبداللہ) کے علاوہ تھے اور ان دونوں کی ولادت بعثت سے پہلے ایک ساتھ ہوئی تھی اور یہ تمام اولاد حضور ﷺ کی مکہ مکرمہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ سوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے کہ وہ حضرت ماریہ قبطیہ سے بعد ہجرت مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے

حضرت قاسم ﷛ بنابر اختلاف روایات دو سال یا کچھ کم یا کچھ زیادہ عمر میں مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے اور یہ حضور ﷺ کی اولاد میں پہلی میت تھی۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بھی بچپن میں مکہ معظمہ میں فوت ہوئے۔ جب عبداللہ فوت ہوئے تو عاص بن وائل نے کہا کہ محمد (ﷺ) کی نسل منقطع ہو گئی اور وہ ابتر ہیں (العیاذ باللہ) ابتر کے معنی قطع کے ہیں، اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے سورہ کوثر نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا کہ ان شانئک ھو الابتر یعنی اے محبوب (ﷺ) آپ کے ساتھ بغض رکھنے آپ کا دشمن (عاص بن وائل) ہی ابتر ہے جس کے مرنے کے بعد اس کا نام لیوا تک نہ ہوگا۔ اور ابراہیم ﷛ ماہ ذی الحجہ میں ۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور ساتویں دن دو دنبوں سے ان کا عقیقہ حضور ﷺ نے کیا اور اسی دن ان کا نام رکھا اور ان کا سر منڈھوایا اور سر کے بالوں کے برابر چاندی مساکین میں صدقہ کی اور بالوں کو زمین میں دفن کروایا۔ آپ ۱۰ ہجری میں بعمر ایک سال اور دس ماہ فوت ہوئے، بعض کے نزدیک ایک سال چھ ماہ کی عمر میں فوت ہوئے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۱۷۶ میں ہے

مواہب میں ہے کہ تمام وہ اولاد حضور ﷺ کی جس پر علماء کا اتفاق ہے چھ ہیں: چار لڑکیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ ان سبھوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت کی

امام قسطلانی ﷫ فرماتے ہیں کہ قاسم ﷛ کی ولادت پہلے ہوئی اور وہ سب سے بڑے ہیں اور ابراہیم ﷛ سب سے چھوٹے ہیں اور زینب ﷞ تمام بہنوں میں بڑی ہیں ان کے بعد رقیہ ﷞ ہیں اور ان کے بعد ام کلثوم ﷞ اور ان کے بعد فاطمۃ الزہراء ﷞ ہیں اور یہ سب بہنوں میں چھوٹی ہیں اور یہ روایت صحیح ہے۔

"منتہی الآمال" میں ہے

"دربیان احوال اولاد امجاد پیغمبر اکرم ﷺ (در قرب الاسناد) از حضرت صادق علیہ السلام روایت شدہ کہ از برائے رسول خدا ﷺ از خدیجہ متولد شدند۔ طاہر و قاسم و فاطمہ وام کلثوم و

رقیہ وزینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا" الخ (منتہی الآمال جلد اول صفحہ ۱۴۲)

ترجمہ: قرب الاسناد میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ کی یہ اولاد پیدا ہوئی: طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم رقیہ اور زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اور نکاح کیا حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ الزاہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ابی العاص بن ربیع کے ساتھ اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا لیکن حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی ہونے سے پہلے ہی وہ فوت ہو گئیں۔ ان کی وفات کے بعد حضور ﷺ نے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کر دیا پھر حضور ﷺ کا ایک لڑکا ابراہیم علیہ السلام ماریہ قبطیہ سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوا۔

مصنف کتاب "منتی الآمال" صفحہ ۱۴۳ پر تحریر کرتے ہیں:

"فقیر گوید آنچہ مشہور است و مؤرخین نوشتہ اند تزویج ام کلثوم بہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بعد از وفات حضرت رقیہ است" ---الخ

ترجمہ: فقیر (مصنف کتاب) کہتا ہے کہ وہ جو مشہور ہے اور مؤرخین نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آنا حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد ہے۔

آگے چل کر اسی صفحہ پر مصنف تحریر فرماتے ہیں

و مشہور آنست کہ برائے آں حضرت ﷺ سہ پسر بہ وجود آمد۔ اول قاسم وبایں سبب آں حضرت ﷺ را ابو القاسم کنیت کردند --الخ (صفحہ ۱۴۳)

ترجمہ: اور مشہور یہ ہے کہ حضور ﷺ کے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ پہلا حضرت قاسم ہے اور اسی سبب سے حضور ﷺ کی کنیت ابو القاسم تھی اور حضرت قاسم کی ولادت حضور ﷺ کی بعثت سے قبل ہوئی تھی۔ دوسرا لڑکا حضرت عبداللہ ہے جو حضور ﷺ کی بعثت کے بعد پیدا ہوا اور ان کو طیب وطاہر سے ملقب کیا گیا اور ان دونوں کی وفات ایام طفولیت میں مکہ مکرمہ

میں ہوئی اور تیسرا لڑکا حضرت ابراہیم ہے جس کی والدہ ماجدہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہے اور ان کی ولادت مدینہ منورہ میں آٹھ ہجری کو ہوئی۔

تنبیہ: ان تمام حوالہ جات میں حضور ﷺ کی تمام اولاد امجاد کی فرداً فرداً تاریخ پیدائش مذکور نہیں۔ بلکہ جہاں تک خود حضور اقدس ﷺ کی ولادت شریف کا تذکرہ کسی کتاب میں آیا ہے تو آپ کی ولادت شریف کی نسبت واقعہ اصحاب فیل کی طرف کی گئی ہے

جیسے کہ اسی کتاب کی فصل دوم صفحہ ۲۶ پر ہے

"بدانکہ مشہورین علماء امامیہ بر آنند کہ ولادت باسعادت آنحضرت ﷺ در ہفدہم ماہ ربیع الاول بودہ"

ترجمہ: جان لو کہ مشہور علماء امامیہ کا مسلک یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت سترہ ربیع الاول کو ہوئی ہے۔

اسی جگہ آگے فرماتے ہیں

"واکثر علماء سنت در دوازدہم ماہ مذکورہ ذکر نمودہ اند۔ الی ان قال۔ ونیز مشہور آنست کہ ولادت آنحضرت ﷺ نزدیک طلوع صبح آں روز بودہ در سالے کہ اصحاب فیل آوردند برائے خراب کردن کعبہ معظمہ وحجارہ سجیل معذب شدند"۔۔ الخ بطولہ (منتہی الآمال، جلد اول صفحہ ۱۲۶)

ترجمہ: اور مشہور یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت شریف طلوع صبح کے نزدیک اس دن اس سال میں ہوئی تھی کہ ہاتھیوں والے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے ہاتھی لائے تھے اور سجیل پتھروں سے معذب ہوئے (منتہی الآمال، جلد اول فصل دوم صفحہ ۲۶)

تفسیر "ضیاء القرآن" میں ہے

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور ﷺ کی یہ اولاد پیدا ہوئی: قاسم پھر زینب پھر عبداللہ پھر ام کلثوم پھر فاطمہ پھر رقیہ صلی اللہ علیہم وعلیہم اجمعین۔ پہلے قاسم کا انتقال ہوا پھر عبداللہ کا جن کا لقب طیب وطاہر تھا داغ مفارقت دے

گئے۔ حضور ﷺ کے دعویٰ نبوت کے بعد تو سارے مکہ والے دشمن بن گئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے دونوں فرزند فوت ہو گئے ہیں اب صرف صاحبزادیاں ہی ہیں تو انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں۔ عاص بن وائل کہنے لگا قد انقطع نسلہ وھو ابتر کہ ان کی نسل منقطع ہو گئی اور وہ ابتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ایک آیت ان شانئك هو الابتر سے ان کی گستاخیوں کا منہ توڑ جواب دیا اور ان کی خوش فہمیوں کا خاتمہ کر دیا۔ (تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۵، صفحہ ۶۸۸)

علامہ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

والاصح ان له ﷺ من الذکور ثلاثة ابراهيم و قاسم و عبدالله قال الزرقانی و هذا هوا المعتمد والقاسم اول ولدٍ ولد له ﷺ (مشارق الانوار، جلد ۱ صفحه ۲۷۶)

ترجمہ: اور صحیح بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کے لڑکے تین ہیں۔ ابراہیم، قاسم اور عبداللہ جن کا لقب طیب و طاہر تھا۔ علامہ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی روایت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے لڑکے تین تھے اور حضرت قاسم کی ولادت سب سے پہلے ہوئی

خلاصہ: یہ کہ حضور ﷺ کی اولاد طیبات میں علماء کرام کا کافی اختلاف ہے اور ہر مکتبہ فکر کے لئے دلیل دستیاب ہے لیکن علماء اہل سنت کی اکثریت اسی پر متفق ہے کہ حضور ﷺ کی تمام اولاد طیبات کی تعداد سات ہے۔ چار لڑکیاں اور تین لڑکے، لڑکوں میں حضرت قاسم کی ولادت شریف سب سے پہلے ہوئی ہے اور انہی کی نسبت سے حضور ﷺ کی کنیت ابو القاسم تھی اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سب سے چھوٹے تھے۔ لڑکیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ہیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں: حضرت قاسم، حضرت عبداللہ ملقب بہ طیب و طاہر اور ابراہیم۔ لڑکیوں کے نام یہ ہیں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ زینب کا نکاح اپنے خالہ زاد ابو العاص بن ربیع سے ہوا اور رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے فوت ہونے کے بعد

حضور ﷺ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا کا نکاح بحکم باری تعالیٰ حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کیا اور لڑکے سب صغر سنی میں فوت ہوئے۔

وضاحت: مذکورہ بالا تمام حوالوں سے حضور ﷺ کی اولاد امجاد کی تعداد مقدم و مؤخر ہونا تاریخ ولادت میں اختلاف اظہر من الشمس ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاد طیبات کا معاملہ کچھ بعثت حضور ﷺ سے قبل کا ہے اور کچھ بعد کا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت تاریخ رائج الوقت عیسوی تھی جس کو بعثت کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے در خور اعتنا نہیں سمجھا کیونکہ ان کو کفار و مشرکین کی ہر چیز سے نفرت تھی اور تیسری اہم بات یہ ہے کہ ہماری اسلام ہجری تاریخ اس وقت رائج نہ تھی بلکہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بمشورہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہجرت نبوی ﷺ سے متعین فرما کر رائج کیا۔ پھر بھی اگرچہ بعض کتابوں میں شائبہ ہے کہ ان میں اولاد امجاد حضور ﷺ کی تاریخ پیدائش درج ہو تو وہ کتابیں فی الوقت بندہ کے پاس موجود نہیں ہیں، لہٰذا معذرت خواہ ہوں۔

واللہ اعلم باالصواب

قطعہ

سید اظہر حسین گیلانی

دل خوشی سے گلاب ہوتے ہیں
جب بھی ناد علی سنائی دے
اظہر بے نوا دعا کرتا
صورت مرتضیٰ دکھائی دے